ویلنٹائن ڈے
پر
خصوصی
تحریریں
بسنت
اسلامی ثقافت
اور
پاکستان
محمد عطاء اللہ صدیقی
مجلس التحقیق الاسلامی

بسنت

اسلامی ثقافت اور پاکستان

بسنت اور لادین کلچر

محمد عطاء اللہ صدیقی

مجلس التحقیق الاسلامی

۹۹ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور

Phones: 5866476, 5866396, 5839404 **Fax:** 042-5836016

URL: www.mohaddis.com **E-Mail:** hhasan@wol.net.pk

بسنت

کتاب .... **بسنت، اسلامی ثقافت اور پاکستان**

تصنیف و تالیف.................................. محمد عطاء اللہ صدیقی

ناشر .... مجلس التحقیق الاسلامی

سالِ طباعت.. ۲۰۰۵ء

قیمت : ۲۵۰ روپے

ڈسٹری بیوٹر

اسلامک کمیونی کیشنز

BB-16، سنٹرل پلازہ برکت مارکیٹ، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

☏ 5841816, 0333-4213525

☜ لاہور کے تمام اہم اور معروف کتب خانوں پر دستیاب ہے!

فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر

حصہ دوم — جدید بسنت

حصہ سوم ویلنٹائن ڈے

حصہ چہارم بسنتی کالم، بسنتی خبریں، بسنتی خطوط

① بسنتی کالم

② بسنتی خبریں

③ ادارتی تحریریں، مراسلات اور ردِعمل

انتساب

محافظِ ناموسِ رسالتؐ اور پنجاب کے غیور حکمران

نواب زکریا خان کے نام!

جس نے گستاخِ رسول حقیقت رائے دھرمی کو پھانسی کے تختہ پر

لٹکا کر ایک باحمیت مسلمان حکمران کی اعلیٰ مثال قائم کی!!

لمحہ فکریہ

حقیقت رائے کی یاد میں شروع کئے جانے والے

بسنتی میلہ کو 'ثقافتی تہوار' کا درجہ دے کر

ہم کونسی مثال قائم کررہے ہیں؟

دیباچہ

نوائے دل

گذشتہ کئی برسوں سے بسنت کے نام پر لاہور میں جو کچھ ہوتا آیا ہے، اسے بسنت کہنے کے لئے بھی 'ثقافتی بددیانتی' کا مرتکب ضرور ہونا پڑتا ہے۔ بسنت کے نام پر ہر اس کثافت کا مظاہرہ دیکھنے کو ملتا ہے جسے عام حالات میں سماجی آوارگی کہا جاتا ہے۔ بسنت اب یہاں ثقافتی لبرل ازم کے فروغ کے لئے اہم حوالہ بن کر سامنے آیا ہے۔ آنے والے سالوں میں ہماری تہذیبی قدروں کو جس ثقافتی یلغار کا سامنا کرنا پڑے گا، اس میں بسنت کا نام نہاد تہوار ایک اہم ثقافتی میزائل کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔

گذشتہ کئی برسوں سے ثقافتی اوباشوں نے 'بسنت' کو لاہور کے ثقافتی تہوار کے طور پر متعارف کرانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ماضی قریب میں بسنت کے موقع پر پتنگ بازی ہی تفریح کا غالب ترین عنصر تھی، مگر اب بسنت کے پردے میں ہر طرح کی اباحیت، رقص وسرود، شراب وکباب، شرمناک مخلوط مجالس، فاسقانہ صحبتوں کی ہنگامہ آرائیاں، رنگوں کا سیلاب، شہوت ومستی کے قبیح مظاہرے، دولت کے ضیاع کے بیہودہ اطوار، رقص وسرود، اخلاقی قدروں کی بے باکانہ پامالی، شوروغل و ہلڑبازی کے تکلیف دہ ہنگامے اور فحاشی وعریانی کی ہر ناپاک صورت کو جس طرح رواج دے دیا گیا ہے، اسے سوائے تہذیبی منافقوں کے کوئی بھی لاہور کی ثقافت کا نام نہیں دے سکتا۔ وطن عزیز پر کی جانے والی اس 'بدتہذیبی' کی یلغار کا مقابلہ ہر اس شخص پر فرض ہے جس کے قلب میں اعلیٰ تہذیبی قدروں کے یوں پامال ہوجانے کا معمولی سا درد اور سوزمندی موجود ہے۔ یہ کتاب راقم کے قلبِ محزون سے بلند ہونے والی وہ نوائے

پُرسوز ہے جس کی تپش اُسے گذشتہ کئی برسوں سے تڑپاتی رہی ہے!!

یہ کتاب جو تصنیف سے زیادہ تالیف کا درجہ رکھتی ہے، قدرے تاخیر سے اشاعت کے مراحل طے کرسکی ہے۔ مارچ ۲۰۰۴ء میں اس کا بیشتر مواد ترتیب پاچکا تھا، صرف مناسب تدوین کا اہتمام باقی تھا۔ طویل علالت، قلبی غیر حضوری اور پھر پیشہ وارانہ مصروفیات اس دوران ایسا سنگِ گراں ثابت ہوئیں کہ محض معمولی سی کاوش سے اسے پریس کے حوالے کرنے کی توفیق بھی میسر نہ آئی۔ وما توفیقي إلا باللہ

بسنتی خرافات کے خلاف قلمی جہاد برپا کرنے کا جذبہ کئی برسوں سے راقم کے قلبِ نازک میں 'سونامی' جیسی ہلچل برپا کرتا رہا ہے، مگر اس موضوع پر ایک جامع کتاب ترتیب دینے (تحریر نہیں) کا خیال ۲۰۰۴ء سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس موضوع پر تاریخی کتابوں میں اتنا کم مواد موجود ہے کہ اسے جمع کرکے ایک مناسب مضمون تو سپردِ قلم کیا جاسکتا ہے، کتاب جس قدر وسیع مواد کی متقاضی ہوتی ہے، اسے بہم پہنچانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ یہ خیال تو کبھی بھی نہیں آیا تھا کہ راقم کی پہلی کتاب 'بسنت' جیسے بظاہر عوامی اور محدود موضوع پر ہی سامنے آئے گی۔

اس وقت مختلف موضوعات پر راقم کے طویل و درمیانی ضخامت پر مبنی ۲۰۰ کے قریب تحقیقی مقالہ جات و بیانیہ مضامین موجود ہیں، جن کی روشنی میں مختلف موضوعات پر چھ سات کتابیں محض معمولی سی نظرثانی کی محتاج ہیں۔ سیکولرازم، تہذیبِ مغرب، انسانی حقوق، ناموسِ رسالت، تحریکِ نازن، بے دین کلچر، امریکہ گردی اور لادینیت پسندوں کے محاکمہ پر بڑی آسانی سے الگ الگ کتابیں ترتیب دی جاسکتی ہیں۔ یہ وہ موضوعات ہیں جو راقم کے تحریکی میلان اور تصنیفی ذوق کی حقیقی جولانگاہ رہے ہیں اور یہی وہ فکری موضوعات ہیں جو گذشتہ ۲۰ برسوں سے راقم کے شب و روز کا مصرف بنے رہے ہیں۔

اس کتاب میں شامل مختلف مضامین کا بے لاگ و مفصل تعارف تو ممکن نہیں، البتہ ان کے متعلق بعض بنیادی باتیں لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں، شاید یہ قارئین کے لئے اس کتاب سے

استفادہ کو سہل بنا سکیں۔ یہ مضامین گذشتہ چار سالوں میں چونکہ مختلف اوقات میں تحریر کئے گئے ہیں۔اس لئے ان میں ایک کتاب کے مربوط و منضبط مواد کا تلاش کرنا مشکل ہوگا، کہیں کہیں مواد میں تکرار بھی موجود ہے، اسے ادارتی قینچی کی تیز زبان سے اس لئے محفوظ رکھا گیا ہے تا کہ قارئین کے لئے 'قندِ مکرر' کا عنصر باقی رکھا جاسکے اور پھر تاثیر کی شدت کو مناسب حد تک بڑھانا بھی مقصود ہے۔اس کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

① بسنت ؛ تاریخ، مذہب اور ثقافت

② بسنت اور جدید لاہور

③ ویلنٹائن ڈے

④ بسنتی کالم، بسنتی خبریں اور بسنتی خطوط

☜ اس کتاب کا اوّلین اور شاید اہم ترین مضمون 'بسنت محض موسمی تہوار نہیں!' کے عنوان سے ہے۔یہ فروری ۲۰۰۱ء کے پہلے ہفتے میں تحریر کیا گیا۔فروری ۲۰۰۱ء میں ماہنامہ 'محدث' میں پہلی دفعہ شائع ہوا۔ اُس وقت تک اور شاید ابھی تک اس موضوع پر یہ طویل ترین تحقیقی مقالہ ہے جس میں لاہور میں بسنت منانے کے پس منظر کا تاریخ کے دھندلے اوراق سے کھوج لگا کر انہیں ایک مؤثر مضمون کی صورت دی گئی ہے۔اسی سال روزنامہ 'دن'اور روزنامہ 'پاکستان' میں بھی یہ مضمون شائع ہوا۔گذشتہ چار برسوں میں تقریباً ایک درجن اخبارات اور دو درجن رسالہ جات میں یہ مضمون 'بارِ دگر' شائع ہوتا رہا ہے۔ ادارہ 'محدث'، صدیقی ٹرسٹ، کراچی اور دیگر اداروں نے اسے پمفلٹ کی صورت میں شائع کر کے لاکھوں فرزندانِ توحید اور اہل علم وصاحبانِ قلم میں تقسیم کرایا۔۲۰۰۳ء میں روزنامہ 'نوائے وقت' نے اس کا بیشتر حصہ شائع کیا۔مسجد ومحراب کے مقدس گوشوں سے علما نے اس پمفلٹ کو اپنے خطبات کا حصہ بنا کر عوام الناس کو گستاخِ رسولؐ حقیقت رائے دھرمی کے میلے سے لاہور کے بسنت میلہ کے تعلق سے آگاہ کیا۔مستند تاریخی حقائق اور علمی استدلال کے ذریعے ان لوگوں کے فریب انگیز موقف کا ابطال کیا گیا جو بسنت کو محض موسمی تہوار کہہ کر سادہ لوح عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتے

ہیں۔ قارئین سے میری گزارش یہ ہے کہ اس مقالہ کا سب سے پہلے مطالعہ کریں۔

☜ کتاب میں شامل دوسرا اہم فکری مقالہ 'مذہب، ثقافت اور تہوار' کے زیر عنوان ہے۔ اس فکر انگیز مقالہ میں کلچر اور ثقافت کے باہمی رشتے کی نشاندہی کے بعد بسنت کے تہوار کی حقیقی تہذیبی حیثیت کا تعین کرنے کی مخلصانہ کاوش کی گئی ہے۔ یہ مقالہ راقم کو بے حد عزیز ہے کیونکہ اس میں اسے کلچر کے متعلق اپنے نظریہ یا آئیڈیالوجی کے بنیادی خدوخال بیان کرنے کی توفیق ارزاں ہوئی۔ اس مقالہ میں یورپ، ہند اور پاکستان کی ثقافتی شناخت کے اصل سرچشموں کا مذہب سے تعلق جوڑ کر دکھایا گیا ہے۔ یہ وہ اہم نکتہ ہے جس کی طرف ہمارے دانشور توجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ راقم الحروف، اگر خدا نے توفیق بخشی، تو اس موضوع پر زیادہ جامع اور وقیع مقالہ تحریر کرے گا۔ فی الحال اسی مختصر کاوش کو چشم کشا سمجھنے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ مارچ ۲۰۰۴ء میں مدوّن کیا گیا اور 'محدث' کے اپریل ۲۰۰۴ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ ہمارے سلیم الفکر دانشور اس موضوع پر مزید تحقیق بہم پہنچا کر قابل قدر علمی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ غالباً اُردو زبان میں اس موضوع پر ابھی تک اپنی نوعیت کا یہ واحد مقالہ ہے۔ اسے میں مصنفانہ تعلّی کی بجائے 'تحدیثِ نعمت' کا نام دینا پسند کرتا ہوں۔

☜ حصہ دوم کے آغاز میں 'بسنت اور ثقافتی لبرل ازم' کے عنوان سے شامل مقالہ میں حالیہ برسوں میں بسنت کو فروغ دینے کے لئے کی جانے والی وسیع پیمانے پر کاوشوں کے پس پشت حقیقی محرکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اپنے کاروباری مقاصد کے ساتھ وطن عزیز کے اقداری نظام کو تخریب و انتشار کا نشانہ بنانے کا جو خطرناک ایجنڈا وضع کیا ہے، اس کو اس مقالہ کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔ اس مقالہ کا حقیقی مقصد قارئین کو بتانا ہے کہ 'بسنت' اب محض بے ضرر تفریح نہیں رہی، بلکہ اسے پاکستان میں مغربی تہذیب کے پھیلاؤ کیلئے اہم موقع بنا دیا گیا ہے۔ یہ مضمون ماہنامہ محدث کے فروری ۲۰۰۴ء کے شمارے میں پہلی بار شائع ہوا اور بسنت کے دوران ہونے والی بے ہنگم سرگرمیوں کا غالباً یہ سب سے مفصل

جائزہ ہے۔

☜ ہمارے لبرل دانشور اپنی تہذیبی ثقافتوں کے مکروہ چہرے کو چھپانے کے لئے امیر خسرو کے متعلق خود ساختہ واقعات کی آڑ لیتے ہیں۔ 'بسنت اور امیر خسرو' والے مضمون میں تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ امیر خسرو سے 'طبلہ کلچر' اور بسنتی میلے کے آغاز کو منسوب کرنا درست نہیں ہے۔ جناب امیر خسرو سے وابستہ بے بنیاد واقعات کی حقیقت جاننے کے لئے یہ مضمون بے حد مفید ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ امیر خسرو کی شخصیت کا یہ روشن پہلو اس سے پہلے کبھی عوام کو دکھایا گیا ہو۔ امیر خسرو کا بسنت جیسے ہندوانہ تہوار سے کوئی تعلق نہیں ہے!!

☜ 'بسنت ہندوانہ تہوار ہی ہے!' کے زیرعنوان غیر مطبوعہ مضمون میں مختلف منتشر حوالہ جات کو جمع کر کے اس کتاب میں پیش کردہ موقف کے حق میں ناقابل تردید ثبوت فراہم کر دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص بسنت کو ہندوانہ تہوار نہیں سمجھتا تو ایسے کج فکر اور ہٹ دھرم شخص کو دلائل سے مطمئن کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہمارا تو کام بقول شاعر محض یہ ہے کہ ؎ ہم حضور کو نیک و بد سمجھائے دیتے ہیں!

☜ باب دوم میں 'بسنت کی ہولناکیاں' اور 'قاتل بسنت' جیسے مضامین میں بسنت کے موقع پر بے گناہ راہ گیروں اور موٹر سائیکل سواروں کے گلے پر دھاتی ڈور پھرنے اور مکان کی چھتوں سے گر کر جان کی بازی ہار جانے والے 'شہیدان بسنت' کا بے حد پُرسوز اور رقت انگیز تذکرہ ان شقی القلب انسانوں کے قلب کو جھنجھوڑنے کی ادنیٰ سعی کا درجہ رکھتا ہے جو پتنگ بازی جیسے خونی کھیل کو محض تفریح کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ بے حد نامکمل تذکرہ ہے۔ حقیقی اعداد و شمار کہیں زیادہ ہیں۔ راقم الحروف کے مطابق ۲۰۰۴ء کے دوران پتنگ کی ڈور کا شکار ہونے والے جن نوجوانوں کے نام اخبارات میں شائع ہوئے ہیں، ان کی تعداد ۳۰ سے زیادہ ہے۔ یہ حادثات محض بسنت تک محدود نہیں رہے، بسنت کے پہلے اور بعد اتوار کے دن منائی جانے

والی ہر 'منی بسنت' ایسے جان لیوا حادثات کا باعث بنتی رہتی ہے۔

اس سال ۲۱؍جنوری ۲۰۰۵ء کو عیدالاضحیٰ کا مبارک دن تھا، اس سے پہلے جو اتوار آیا، اس کے دوران پتنگ بازی سے روزنامہ جنگ کے مطابق آٹھ نوجوان شدید زخمی ہوئے، جن میں چار جانبر نہ ہوسکے۔ کاش کہ کوئی ادارہ یا تنظیم بسنتی ہلاکتوں کا مکمل ریکارڈ مرتب کرکے اس خوفناک اور وحشیانہ تفریح کے ہولناک نتائج کو منظر عام پر لاسکے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ پتنگ بازی کے نتیجہ میں ہونے والی ہلاکتوں کے تذکرے پر مبنی خبروں کے تراشے ہمیں ارسال کریں تاکہ اُنہیں کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں شامل کیا جاسکے۔

☜ 'بسنت' کے ساتھ ساتھ ایک اور مکروہ تہوار جس نے پاکستان میں آہستہ آہستہ رواج پایا ہے، وہ 'ویلنٹائن ڈے' ہے۔ ۱۹۹۸ء میں فروری کے پہلے ہفتے کے دوران دفتر کی لائبریری میں اخبار پڑھتے ہوئے 'ویلنٹائن ڈے' کے متعلق راقم کی نگاہ سے خبر گزری تو اسے تجسس ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ ایک دو صاحبان سے تحقیق کرنے پر اس یوم بے ہودگی کی حقیقت منکشف ہوئی تو دل بے چین ہوگیا۔ اسی دن ذہنی اضطراب کی کیفیت میں ایک مضمون تحریر کیا جس کا عنوان تھا: ''کیا ویلنٹائن ڈے منانا ضروری ہے؟'' مارچ ۱۹۹۹ء کے 'محدث' میں یہ مضمون پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو زبان وصحافت میں 'ویلنٹائن ڈے' کے موضوع پر شائع ہونے والا یہ پہلا مضمون تھا۔ گذشتہ چند برسوں میں ۲۰ سے زیادہ اخبارات اور رسائل میں یہ مضمون شائع ہوا۔ بعد میں اس موضوع پر لکھنے والوں کے لئے اس مضمون نے بنیادی رہنمائی کا کام بھی کیا۔ ادارہ 'محدث' اور دیگر تنظیموں نے اسے بعد ازاں پمفلٹ کی صورت میں ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا۔

☜ راقم الحروف ایسے کئی افراد اور سکولوں سے واقف ہے جنہوں نے اس مضمون کو پڑھ کر 'ویلنٹائن ڈے' منانے کا پروگرام منسوخ کردیا۔ یہی مضمون اس کتاب میں 'ویلنٹائن ڈے؛ اوباشوں کا عالمی دن' کے عنوان سے شامل ہے۔ 'ویلنٹائن ڈے پر شرمناک طرزِعمل' کو پڑھ کر

ہمارے قارئین اندازہ کرسکتے ہیں کہ ہمارے اخبارات میں کام کرنے والے صحافی ایک بیہودہ مغربی تہوار کو پاکستان میں رواج اور فیشن کا درجہ دینے کے لئے کس قدر گھٹیا کردار ادا کر رہے ہیں۔ محدث کے اوراق میں یہ مضمون مئی ۲۰۰۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۲۰۰۴ء میں 'ویلنٹائن ڈے' کے متعلق ذرائع ابلاغ کا رویہ قدرے مثبت رہا، اب دیکھئے ۱۴رفروری ۲۰۰۵ء کو کیا طرزِ عمل سامنے آتا ہے؟ ہمارا مشن ہے کہ اس اخلاق باختہ اور تہذیبی ثقافت پر مبنی اس دن کے متعلق عوام میں نفرت کا رویہ پیدا کریں۔

'بسنتی کالم'، 'بسنتی خبریں' اور 'بسنتی خطوط' کے عنوانات کے تحت الگ الگ باب بھی اس کتاب میں شامل کردیے گئے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ قارئین اندازہ کرسکیں کہ ہمارے ذرائع ابلاغ میں 'بسنت' کو خبروں، کالموں اور مضامین میں کس طرح پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں انگریزی اخبارات اور ٹیلی ویژن پروگراموں کے متعلق تفصیلات نہیں دی گئیں۔

'بسنتی کالموں' میں بسنت کے حق میں اور مخالفت میں چند منتخب کردہ کالم پیش کئے گئے ہیں۔ شروع میں راقم کا خیال تھا، کہ ان میں سے ہر کالم پر مفصل تبصرہ اور تجزیہ تحریر کیا جائے، مگر بعد میں یہ ارادہ تشنہ تکمیل رہا اور محض چند کالموں پر تبصرہ کیا جاسکا۔ دانشور جن کا فرض ہے کہ قوم کی اخلاقی رہنمائی کا فریضہ ادا کریں، قارئین ان کالموں کے ذریعے خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیا وہ یہ کردار ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ 'بسنتی خطوط' ایک طرح سے تھرما میٹر کی حیثیت رکھتے ہیں کہ اس سے ہم جان سکتے ہیں کہ عوام کا بسنت کے متعلق ردِعمل کیا ہے!!

قارئین کرام! اس کتاب میں شامل کسی بھی مضمون کی جزوی یا مکمل اشاعت 'بالکل ممنوع' نہیں ہے۔ ہمارے بعض سہل انگار مضمون نگار اگر پسند فرمائیں تو ان مضامین کے اقتباسات بلکہ پورا مضمون بغیر ریفرنس کے اپنے مضمون میں یا اپنے نام کے ساتھ شائع کرسکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا مقصد اور مشن 'بسنت اور ویلنٹائن ڈے' جیسے سماج دشمن تہواروں کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کرنا ہے۔ آج سے دو سال قبل ایک صاحب نے روزنامہ 'پاکستان' میں ہمارا 'ویلنٹائن ڈے' کے متعلق مضمون معمولی سے ردوبدل کے ساتھ اپنے نام سے شائع کرا دیا۔

انہوں نے معمولی ردو بدل کا بھی خواہ مخواہ تکلف فرمایا۔ہمیں یک گونہ مسرت ہوتی، اگر وہ اس زحمت سے بھی محفوظ رہتے ہوئے اس مضمون کومن وعن شائع کراتے۔اس لئے

؎ صدائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے!

ہمارے وہ کالم نگار جن کے کالم اس کتاب میں شامل کئے گئے ہیں، ان سے اجازت لینے کا تکلف ہم سے پورا نہیں ہوسکا۔ ہمارے خیال میں تو اُنہیں بھی اپنے کالموں کی 'بارِدگر' اشاعت پر ہمارا شکرگزار ہونا چاہئے۔اگر کسی بھی صورت میں انہیں اپنے کالموں کی اس کتاب میں شمولیت ناگوار گزرے تو وہ بلا تکلف ہم سے اپنے کالم کا معاوضہ طلب کرسکتے ہیں، باوجودیکہ وہ اپنے اخبار سے ہی اس کی قیمت وصول کرچکے ہیں۔اس طرح کے کالم اخبارات کی ردّی میں گم ہوجاتے ہیں اوران کی دوبارہ اشاعت کا اہتمام کم ہی کیا جاتا ہے۔

'بسنت' کے موضوع پر گذشتہ دو تین برسوں میں چند کتابیں منظر عام پر آئی ہیں،مگر وہ اپنی اپروچ (Approach) اورمواد کے اعتبار سے جامع اور زیادہ مؤثر نہیں ہیں۔خود راقم کے ذہن میں کتاب ترتیب دینے کا جو مفصل خاکہ تھا، اس میں بھی مکمل رنگ بھرنے کی کافی گنجائش موجود ہے، اس موضوع کی گہرائی میں اُترنے اوراس کے مختلف موضوعات پر فکری مباحث کو ترتیب دینے کا کام ابھی تشنہ تکمیل ہے، دیکھئے یہ توفیق راقم کو کب میسر آتی ہے۔

ذاتی تعریف کے عارضہ میں مبتلا ہوئے بغیر بلا کسی پس وپیش کے راقم اپنے قارئین کے سامنے یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ موجودہ حالت میں بھی یہ کتاب شائع شدہ کتب میں 'جامع ترین' کاوش کا درجہ رکھتی ہے ؎ گر قبول اُفتدز ہے عزوشرف!

میرا جی چاہتا ہے کہ میں 'لاہور کائٹ فلائرز ایسوسی ایشن' کے عہدیداروں کو ہدیہ تبریک پیش کروں جنہوں نے اعلان کیا ہے کہ سونامی کے زلزلہ میں ہونے والی لاکھوں ہلاکتوں کے غم کی وجہ سے وہ اس سال بسنت نہیں منائیں گے۔ایسوسی ایشن کے صدر نے کہا ہے کہ ہم اس طوفان کی وجہ سے ہونے والے نقصانات پر اور اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب کی وجہ

سے پریشان ہیں۔ (نوائے وقت: یکم فروری ۲۰۰۵ء)

ماہنامہ 'محدث' کے باصلاحیت مدیر حافظ حسن مدنی صاحب رسماً نہیں بلکہ حقیقی طور پر میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں کیونکہ اس کتاب کی ترتیب میں ان کا کردار بڑا اہم رہا ہے جس کے بغیر اس کتاب کا قارئین کے ہاتھوں میں پہنچنا ممکن نہ تھا۔

ہمارے وہ مہربان کالم نگار، فاضل اہل قلم اور علمائے دین جو اس کتاب میں شامل مواد سے استفادہ کر کے اس موضوع پر کوئی مضمون تحریر کریں یا خطبہ ارشاد فرمائیں، وہ ہماری جانب سے پیشگی شکریہ قبول فرمائیں۔

آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ راقم خاکسار کی صحت کے لئے خالق کائنات کے حضور دُعا ضرور فرمائیں کہ وہ ایسے علمی کاموں کی انجام دہی کے قابل ہو سکے۔ آمین!

ؔ شادم کہ کارے کردم!

محمد عطاء اللہ صدیقی

یکم فروری ۲۰۰۵ء

باب اول

بسنت

تاریخ ونظریہ

'بسنت' محض موسمی تہوار نہیں!

مذہب اور ثقافت ایک دوسرے پر اثر انداز بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے اثر پذیر بھی۔ ہمارے ہاں عام طور پر مذہب اور ثقافت کو دو الگ الگ تہذیبی دائروں کے طور پر زیر بحث لایا جاتا ہے، یہ زاویۂ نگاہ قطعاً درست نہیں۔ سیکولر طبقہ اپنے مذہب بیزار رویے کی وجہ سے ثقافتی اُمور میں مذہب کے کردار کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، لہٰذا جہاں کہیں مذہب اور ثقافت کے درمیان رشتوں کی بات ہوتی ہے، وہ ہمیشہ مذہب کی تخویف اور ثقافت کی تعریف وتوصیف کا اُسلوب اختیار کرلیتا ہے۔ یہ طبقہ تناقض فکر میں مبتلا ہے۔ اسے مذہب سے والہانہ وابستگی تو سخت ناگوار گذرتی ہے، مگر ثقافت سے جنون کی حد تک لگاؤ پر کسی قسم کا عقلی اعتراض نہیں ہوتا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ سیکولر طبقہ نے شعوری یا غیر شعوری طور پر ثقافت کو ہی 'مذہب' کا درجہ دے دیا ہے۔ ہمارے ہاں مغرب زدہ روشن خیالوں کا ایک گروہ ثقافت کو تو قدیم اور پائیدار سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ایک قوم پر ثقافت کے اثرات اس قدر گہرے ہوتے ہیں کہ مذہب انہیں جڑ سے اکھاڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا، مگر ایسا محض وہی لوگ سوچتے ہیں جو انسانی تاریخ کے ارتقا کو سطحی انداز سے لیتے ہیں۔ اگر وہ تہذیب وتمدن کے آغاز وارتقا پر غور فرمائیں تو انہیں اپنی اس سطحی سوچ پر شاید ندامت کا احساس ہو، کیونکہ جن اَقدار اور سرگرمیوں کو آج وہ خالصتاً ثقافتی اور تہذیبی اَقدار سمجھتے ہیں، ان کا حقیقی پس منظر مذہبی ہی ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسانی تاریخ کے دورِ اوّل میں مذہب کا انسانی

معاشرے پر بہت گہرا اثر رہا ہے۔ اس دور میں مذہبی اور الہامی تعلیمات کے خلاف عقلی بغاوت کا تصور تک نہیں تھا، اس لئے قدیم انسانی معاشرے میں کسی ایسے تہوار یا ثقافتی سرگرمی کا رواج پانا ممکن نہیں تھا جس کی تائید مذہبی تعلیمات سے نہ ہوتی تھی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق کرۂ ارض پر قدم رکھنے والا پہلا انسان خدا تعالیٰ کا فرستادہ پیغمبر تھا یعنی حضرت آدم علیہ السلام۔ اس کے بعد انبیاء کرامؑ کا ایک طویل سلسلہ ہے جو وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے۔ انبیاءِ کرامؑ کے زیر اثر جو تہذیب وتمدن فروغ پایا، اس کی اساس یقیناً مذہبی ہی تھی۔ اگرچہ بعد میں مذہب سے جزوی روگردانی کی صورتیں بھی نمودار ہوئیں، لیکن مذہب کی اساسی تعلیمات کا اثر کبھی بھی کلیۃً ختم نہیں ہوا۔ کسی ثقافتی سرگرمی کے صحیح یا غلط، جائز یا ناجائز قرار دینے میں ہمیشہ مذہب کو معیار اور میزان تسلیم کیا گیا۔ ایسی ثقافتی سرگرمیاں جو مذہب کے اَساسی تصورات سے متصادم نہیں تھیں، انہیں بالعموم جائز قرار دیا گیا، اس کے برعکس مذہبی روح سے ٹکرانے والی اَقدار اور سرگرمیوں کو ناپسندیدہ قرار دے کر لہو ولعب گردانا گیا۔ ثقافت اور مذہب کے باہمی رشتوں کی موزونیت کا تعین کرنے کے لئے آج بھی قابل اعتماد معیار وہی ہے، اس معیار اور میزان کو قائم رکھنے سے ہی معاشرے کا توازن قائم رکھا جاسکتا ہے!!

اقوامِ عالم کے معروف ترین تہواروں کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک مخصوص پس منظر رکھتے ہیں۔ یہودیوں کا سب سے بڑا تہوار 'ہنوکا' ایک مذہبی تہوار ہے۔ اَعداد وشمار کے اعتبار سے عیسائیت کو دنیا کا سب سے بڑا مذہب سمجھا جاتا ہے، عیسائی معاشرے میں کرسمس اور ایسٹر بے حد جوش وخروش سے منائے جاتے ہیں۔ ہندومت کا شمار قدیم ترین مذاہب میں ہوتا ہے۔ ہندو معاشرے میں مختلف تہوار منائے جاتے ہیں۔ مثلاً دیوالی، دسہرا، ہولی، بیساکھی، بسنت وغیرہ۔ ان تمام تہواروں میں ادا کی جانے والی رسومات کو ہندومت میں 'مذہبی عبادات' کا درجہ حاصل ہے۔ دیوالی، دسہرا اور ہولی کے متعلق تو سب جانتے ہیں کہ یہ ہندوؤں کے مذہبی تہوار ہیں، مگر بیساکھی اور بسنت وغیرہ کے متعلق یہ غلط فہمی عام پائی جاتی ہے کہ یہ موسمی اور ثقافتی تہوار ہیں۔ ایسا صرف وہی لوگ سمجھتے ہیں جو ان تہواروں

میں حصہ تو لیتے ہیں، البتہ ان کا پس منظر جاننے کی زحمت انہوں نے کبھی گوارا نہیں کی۔

اسلامی تاریخ کے قابل فخر محقق اور سائنسدان علامہ ابو ریحان البیرونی تقریباً ایک ہزار سال قبل ہندوستان تشریف لائے تھے۔ انہوں نے کلر کہار (ضلع چکوال) کے نزدیک ہندوؤں کی معروف یونیورسٹی میں عرصۂ دراز تک قیام کیا، وہیں انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف 'کتاب الہند' تحریر کی۔ یہ کتاب آج بھی ہندوستان کی تاریخ کے ضمن میں ایک مستند حوالہ سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کے باب ۷۶ میں انہوں نے ''عیدین اور خوشی کے دن'' کے عنوان کے تحت ہندوستان میں منائے جانے والے مختلف مذہبی تہواروں کا ذکر کیا ہے۔ اس باب میں عید 'بسنت' کا ذکر کرتے ہوئے علامہ البیرونی لکھتے ہیں :

''اسی مہینہ میں استوائے ربیعی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے، اسکے حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں، دیوتاؤں کی نذر چڑھاتے ہیں۔''

بسنت کو آج کل 'پالا اُڑنت' کا نام دے کر موسمی تہوار بتایا جاتا ہے مگر اس کا ذکر البیرونی کے بیان میں نہیں ملتا۔ دوسرے یہ کہ البیرونی کے بیان کے مطابق ہندو جوتشی ہر سال استوائے ربیعی کا تعین کر کے 'یومِ بسنت' کا اعلان کرتے ہیں، یہی تصور آج تک چلا آرہا ہے۔ بیساکھی کا تہوار بیساکھ کے مہینے میں گندم کی کاشت کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ بظاہر یہ بھی ایک ثقافتی تہوار ہے مگر اس موقع پر ہندو کاشتکار برہمنوں کو گندم کے نذرانے دیتے ہیں اور دیوتاؤں سے گندم کی فصل کے زیادہ ہونے کی دعائیں کی جاتی ہیں۔ چونکہ ہندومت کے بارے میں عام لوگوں کو بہت زیادہ معلومات نہیں ہیں، اسی لئے ہندوؤں کے تہواروں کے مذہبی پس منظر کا انہیں علم نہیں ہے۔ یہ بھی جہالتِ جدیدہ کی ایک صورت ہے کہ کسی چیز کے بارے میں علم نہ ہونے کے باوجود اس کے متعلق قطعی رائے کا اظہار کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ بسنت کو محض موسمی اور ثقافتی تہوار کہنے پر اِصرار کرتے ہیں، وہ بھی اسی لاعلمی کا شکار ہیں۔ وہ جان بوجھ کر اس 'لاعلمی' کا شکار رہنا چاہتے ہیں، تو یہ ان کا اپنا انتخاب ہے، مگر انہیں رائے عامہ کو گمراہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے!!

آج کل بسنت اور پتنگ بازی کو لازم وملزوم تصور کیا جاتا ہے، حالانکہ قدیم تاریخ میں بسنت کے تہوار کے ساتھ پتنگ بازی کا ذکر نہیں ملتا۔ آج جس انداز میں بسنت منانے کا مطلب ہی پتنگ بازی لیا جاتا ہے، یہ تصور بہت زیادہ پرانا نہیں ہے۔ مزید برآں بسنت کے موقع پر پتنگ بازی کا شغل بھی لاہور اور اس کے گردونواح میں برپا کیا جاتا ہے، اس کا اہتمام ہندوستان یا پنجاب کے دیگر علاقوں میں اس انداز سے نہیں کیا جاتا۔ آج سے دس پندرہ سال پہلے پنجاب کے قدیم ترین شہر ملتان میں بسنت کے موقع پر پتنگ بازی کا تصور تک نہیں تھا۔ یہی صورت بہاولپور، ڈیرہ غازی خان، راولپنڈی اور سرگودھا جیسے بڑے شہروں کی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر لاہور میں بسنت کے موقع پر پتنگ بازی کا شغل اس قدر جوش وخروش سے کیوں برپا کیا جاتا ہے؟ تاریخ اور مذہب کے آئینے میں جھانک کر اس سوال کا جواب تلاش کرنا ضروری ہے۔

اگر بسنت محض موسمی تہوار ہوتا تو یہ صرف لاہور ہی نہیں، پاکستان کے دیگر علاقوں میں بھی اتنا ہی مقبول ہوتا۔ اندرونِ سندھ میں جہاں اب بھی ہندوؤں کی کثیر تعداد رہائش پذیر ہے، وہاں پتنگ بازی یا بسنت کی وہ ہنگامہ آرائی نظر نہیں آتی جس کا مظاہرہ لاہور یا اس کے گردونواح میں کیا جاتا ہے۔ ایسی صورتحال بلاوجہ نہیں ہے۔ اس کا ایک مخصوص تاریخی پس منظر ہے۔ روزنامہ نوائے وقت میں بسنت کے بارے میں تجزیاتی رپورٹ شائع ہوئی، اس کے متعلقہ حصے ملاحظہ فرمائیے:

''بسنت خالص ہندو تہوار ہے اور اس کا موسم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت میں بسنت کی کہانی ہر سکول میں پڑھائی جاتی ہے، لیکن لاعلمی یا بھارتی لابی کی کوششوں سے بسنت کو اب پاکستان میں مسلمانوں نے موسمی تہوار بنا لیا ہے۔ بسنت کی حقیقت کیا ہے اور اس کا آغاز کیسے ہوا، اس بارے میں ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ قریباً دوسو برس قبل لاہور کے ایک ہندو طالب علم حقیقت رائے نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلاف دشنام طرازی کی۔ مغل دور تھا اور قاضی نے ہندو طالب علم کو سزائے موت سنا دی۔ اس ہندو طالب علم کو کہا گیا کہ وہ اسلام قبول کرلے تو اسے آزاد کردیا جائے گا مگر اس نے اپنا دھرم چھوڑنے

سے انکار کردیا۔ چونکہ اس نے اقرارِ جرم کرلیا تھا، لہٰذا اسے پھانسی دے دی گئی۔ پھانسی لاہور میں علاقہ گھوڑے شاہ میں سکھ نیشنل کالج کی گراؤنڈ میں دی گئی۔ قیام پاکستان سے پہلے ہندوؤں نے اس جگہ یادگار کے طور پر ایک مندر بھی تعمیر کیا، لیکن یہ مندر آباد نہ ہوسکا اور قیامِ پاکستان کے چند برس بعد سکھ نیشنل کالج کے آثار بھی مٹ گئے۔ اب یہ جگہ انجینئرنگ یونیورسٹی کا حصہ بن چکی ہے۔ ہندوؤں نے اس واقعہ کو تاریخ بنانے کے لئے، اپنے اس ہندو طالب علم کی 'قربانی' کو بسنت کا نام دیا اور جشن کے طور پر پتنگ اُڑانے شروع کردیئے۔ آہستہ آہستہ یہ پتنگ بازی لاہور کے علاوہ انڈیا کے دوسرے شہروں میں بھی پھیل گئی۔ اب ہندو تو اس بسنت کی بنیاد کو بھی بھول چکے مگر پاکستان میں مسلمان بسنت منا کر اِسلام کی رسوائی کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔'' (روزنامہ نوائے وقت: ۴رفروری ۱۹۹۴ء)

ہندو نوجوان حقیقت رائے دھرمی کو توہین رسالتؐ کے جرم میں سن ۱۸۰۳ء بکرمی بمطابق ۱۷۴۷ عیسوی میں موت کی سزا دی گئی۔ اس وقت پنجاب کا گورنر زکریا خان تھا۔ زکریا خان ایک صحیح العقیدہ غیور مسلمان تھا۔ وہ جدید دور کے مسلمان حکمرانوں کی طرح بے حمیت نہیں تھا، اس نے توہین رسالت کے مجرم ہندو نوجوان کی موت کی سزا معاف کرنے سے قطعاً انکار کردیا۔ ہندوؤں نے حقیقت رائے دھرمی کو 'ہیرو' کا درجہ دے دیا اور اس کی یاد میں 'بسنت میلہ' منانا شروع کردیا۔ چونکہ حقیقت رائے کی شادی ایک سکھ لڑکی سے ہوئی تھی اس لئے سکھ برادری بھی ہندوؤں کے اس 'غم' میں برابر کی شریک تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں 'بسنت' منانے کا تصور زمانہ قدیم سے تھا مگر پنجاب میں بالعموم اور لاہور میں بالخصوص اس تہوار کو عوامی پذیرائی اس میلے کی وجہ سے حاصل ہوئی جس کا آغاز ہندوؤں نے حقیقت رائے دھرمی کی یاد میں کیا۔ اس بات کا اعتراف متعصّب ہندو وسکھ مؤرخین بھی کرتے ہیں۔

ایک ہندو مؤرخ ڈاکٹر بی ایس نجار (Dr. B. S. Nijjar) نے اپنی کتاب "Punjab under the later Mughals" میں حقیقت رائے کو دی جانے والی سزا کا ذکر اِن الفاظ میں کیا ہے:

''حقیقت رائے باگھ مل پوری، سیالکوٹ کے کھتری کا پندرہ سالہ لڑکا تھا جس کی شادی بٹالہ

کے کشن سنگھ بھٹہ نامی سکھ کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی۔ حقیقت رائے کو مسلمانوں کے سکول میں داخل کیا گیا تھا جہاں ایک مسلمان ٹیچر نے ہندو دیوتاؤں کے بارے میں کچھ توہین آمیز باتیں کیں۔ حقیت رائے نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس نے بھی انتقاماً پیغمبر اسلام ﷺ اور سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے عدالتی کارروائی کے لئے لاہور بھیجا گیا۔ اس واقعہ سے پنجاب کی ساری غیر مسلم آبادی کو شدید دھچکا لگا۔ کچھ ہندو افسر زکریا خان جو اس وقت گورنر لاہور تھا، کے پاس پہنچے تاکہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے، لیکن زکریا خان نے کوئی سفارش نہ سنی اور سزائے موت کے حکم پر نظرثانی سے انکار کر دیا جس کے اجرا میں پہلے مجرم کو ایک ستون سے باندھ کر اُسے کوڑوں کی سزا دی گئی۔ اس کے بعد اس کی گردن اُڑا دی گئی۔ یہ سال ۱۷۳۴ء کا واقعہ ہے جس پر پنجاب کی تمام غیر مسلم آبادی نوحہ کناں رہی، لیکن خالصہ کمیونٹی نے آخر کار اس کا انتقام مسلمانوں سے لیا اور سکھوں نے ان تمام لوگوں کو جو اس واقعہ سے متعلق تھے، انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا'' اسی کتاب کے صفحہ ۲۷۹ پر ڈاکٹر ایس بی نجار نے تحریر کیا ہے کہ ''پنجاب میں بسنت کا میلہ اسی حقیقت رائے کی یاد میں منایا جاتا ہے''!

ہندو مؤرخ ڈاکٹر نجار کی یہ بات تو محل نظر ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ سے ''پنجاب کی ساری غیر مسلم آبادی کو شدید دھچکا لگا۔'' کیونکہ آج سے دو سو سال قبل ذرائع اِبلاغ اس قدر تیز نہیں تھے کہ ایسے واقعہ کی اطلاع صدر مقام سے دور کے علاقوں تک بھی پہنچ سکے، البتہ اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کے ہندوؤں کے ایک گروہ نے اس واقعہ کے خلاف شدید جذباتی ردّعمل کا اظہار کیا، کیونکہ اس وقت پنجاب میں مسلمانوں کی حکومت تھی، طبعاً بزدل مزاج ہندوؤں کے لئے یہ تو ممکن نہ تھا کہ وہ بھرپور تحریک چلاتے، البتہ انہوں نے حقیقت رائے کی یاد میں میلہ منانا شروع کر دیا جو احتجاج کی ایک نرم مگر مؤثر صورت تھی۔ اس واقعہ کے تقریباً پچاس سال بعد پنجاب میں سکھوں نے مسلمانوں کو شکست دے کر تخت لاہور پر قبضہ کر لیا۔ سکھ تو پہلے ہی بہت جذباتی ردّعمل کا اظہار کرتے ہوئے اس واقعہ کے 'ذمہ دار' مسلمانوں کو قتل کر چکے تھے۔ جب وہ پنجاب میں برسر اقتدار آئے تو انہوں نے اس واقعہ کے

حوالے سے بسنت کا تہوار جوش وخروش سے منانا شروع کردیا۔ ایک انگریز مؤرخ الیگزینڈر برنز جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں لاہور آئے تھے، انہوں نے یہاں بسنت منانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بسنت کا تہوار جو بہار کا تہوار تھا، ٦ فروری کو بڑی شان وشوکت سے منایا گیا۔ رنجیت سنگھ نے ہمیں اس تقریب میں مدعو کیا اور ہم اس کے ہمراہ ہاتھیوں پرسوار ہوکر اس میلہ کی بہار دیکھنے چلے جو بہار کا خیر مقدم کرنے کے لئے منایا جاتا ہے۔ لاہور سے میلہ تک مہاراجہ کی فوج دو رویہ کھڑی ہوتی ہے۔ مہاراجہ گذرتے وقت اپنی فوج کی سلامی لیتا ہے۔ میلہ میں مہاراجہ کا شاہی خیمہ نصب تھا جس پر زرد رنگ کی ریشمی دھاریاں تھیں۔ خیمہ کے درمیان میں ایک شامیانہ تھا جس کی مالیت ایک لاکھ روپے تھی اور اس پر موتیوں اور جواہرات کی لڑیاں آویزاں تھیں۔ اس شامیانہ سے شاندار چیز کوئی نہیں ہوسکتی۔ مہاراجہ نے بیٹھ کر پہلے گرنتھ صاحب کا پاٹھ سنا، پھر گرنتھی کو تحائف دیئے اور مقدس کتاب کو دس جزدانوں میں بند کردیا۔ سب سے اوپر والا جزدان بسنتی مخمل کا تھا۔ اس کے بعد مہاراجہ کی خدمت میں پھل اور پھول پیش کئے گئے جن کا رنگ زرد تھا۔ بعد ازیں اُمراء، وزراء افسران آئے جنہوں نے زرد لباس پہن رکھے تھے، انہوں نے نذریں پیش کیں۔ اس کے بعد طوائفوں کے مجرے ہوئے، مہاراجہ نے دل کھول کر اِنعامات دیے۔'' (نقوش، لاہور نمبر: ص٦٢٣)

انگریز مؤرخ الیگزینڈر کا یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ اگرچہ راجہ رنجیت سنگھ کے دور میں بسنت بظاہر بہار کا خیرمقدم کرنے کے لئے منائی جاتی تھی مگر اس کی تقریبات پر مذہبی رنگ غالب تھا۔ مہاراجہ کا میلے میں باقاعدہ گرنتھ صاحب سننا اور گرنتھی کو تحائف دینا مذہبی رسومات کے زمرے میں آتا ہے۔ ہندو برہمنوں کو نذرانے دیتے ہیں تو سکھ گرنتھیوں کو تحائف دیتے ہیں۔ سکھ مذہب میں بسنتی یا زرد رنگ کو بھی ایک خاص تقدس کا مرتبہ حاصل ہے۔ اب بھی سکھ مذہبی راہنما زرد پگڑیاں پہنے نظر آتے ہیں۔

الیگزینڈر نے راجہ رنجیت سنگھ کے دور میں جس بسنت میلہ میں شرکت کی، وہ ٦ فروری کو منعقد کیا گیا۔ ہندو مؤرخین نے حقیقت رائے دھرمی کی سزائے موت پر عملدرآمد کی تاریخ

بسنت پنچمی بتائی ہے۔ عین ممکن ہے اس سال بسنت پنچمی اور ۶ فروری کی تاریخیں ایک ہی دن میں واقع ہوئی ہوں۔ لاہور میں ماضی قریب میں بسنت ۶ یا ۷ فروری کو منایا جاتا رہا ہے۔ ان تاریخوں کی مشابہت بھی حقیقت رائے کے میلہ کی بسنت میلے سے نسبت کو ظاہر کرتی ہے۔

الیگزینڈر نے راجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے ۶ فروری کو منائے جانے والے میلے کو 'بہار کا خیر مقدم' کہا ہے، جو عقلی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ فروری کے پہلے ہفتہ میں اب بھی اچھی خاصی سردی پڑتی ہے، ماضی میں تو موسم کی شدت اور زیادہ تھی۔ موسم بہار کا آغاز فروری کے آخری ہفتے یا مارچ کے پہلے ہفتہ میں ہوتا ہے۔ اگر یہ میلہ بہار کے استقبال میں منعقد کیا جاتا تو اسے سردیوں یا خزاں کے عین درمیان ہرگز منعقد نہ کیا جاتا۔ معلوم ہوتا ہے انگریز مؤرخ جو بسنت میلہ کے حقیقی پس منظر سے واقف نہیں تھا، کو غلط فہمی لاحق ہوئی ہے۔ سکھ دورِ حکومت میں ۶ فروری کو بسنت میلہ منانا ظاہر کرتا ہے کہ یہ سرکاری سطح پر حقیقت رائے کے میلے کا اِنعقاد ہی تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند دیگر ہندو وسکھ مصنّفین کی آرا بھی درج کردی جائیں جن کے خیال میں لاہور میں بسنت میلہ حقیقت رائے دھرمی کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اورنٹیل کالج، لاہور کے سابق لیکچرر گیانی خزان سنگھ نے ''تاریخ گوردوارہ ،شہید گنج'' میں اس واقعہ کا ذکر بے حد جذباتی انداز میں یوں کیا ہے :

''تواریخ کے محقق اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بھائی حقیقت سنگھ جنہیں عام لوگ حقیقت رائے دھرمی کے نام سے یاد کرتے ہیں، امرت دھاری اور تیار بر تیار سنگھ تھے۔ آپ کے ننھیال والے سکھ تھے اور موضع سوہدرہ، ضلع گوجرانوالہ میں رہتے تھے۔ آپ کے ماموں بھائی اَرجن سنگھ تیار بر تیار سنگھ تھے جو کہ آپ کے ساتھ ہی نخاس چوک میں شہید کردیئے گئے تھے۔ آپ کے سسرال بھائی کنشن سنگھ وڈالے والہ کے گھر تھے۔ لاہور میں اس جگہ (شہید گنج) پر آپ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ ان کے بوڑھے پتا، ضعیف والدہ اور جوان بیوی کی آہیں اور فریادیں، پتھروں کو بھی موم کردینے والی چیخیں اور منتیں بھی اس وقت کے حکام کے دل میں رحم اور ترس کے جذبات پیدا نہ کرسکیں اور آپ نہایت سکون کے ساتھ سن ۱۸۰۳ء بکرمی میں پنچمی

کے دن دھرم کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گئے۔ بسنت پنچمی کے روز آپ کی سمادھ پر بڑا بھاری میلہ لگتا ہے۔''

گیانی خزان سنگھ کی 'تحقیق' کے مطابق حقیقت رائے ہندو نہیں بلکہ 'سکھ' تھا۔ مندرجہ بالا سطور میں جن بے پایاں عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے، اس سے یہ گمان گزرتا ہے کہ ہندو اور سکھ، مسلمانوں کے پیغمبرؐ کے گستاخ حقیقت رائے کو وہی درجہ دیتے ہیں، جو مسلمان غازی علم الدین شہید کو دیتے ہیں۔ سکھوں کی طرف سے 'بسنت میلہ' میں جوش وخروش کے اِظہار کی شاید ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ حقیقت رائے کو سکھ سمجھتے ہیں۔

ڈاکٹر سر گوکل چند نارنگ تقسیم ہند سے قبل حکومتِ پنجاب میں لوکل گورنمنٹ کے وزیر تھے۔ وہ اپنی انگریزی تصنیف ''ٹرانسفرمیشن آف سکھ ازم'' میں بسنت میلے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''...... فیصلہ سنا دیا گیا اور فوراً ہی لاہور کے عین مرکز میں تمام ہندو آبادی کی آہوں اور بددعاؤں میں شریف لڑکے کا سرقلم کردیا گیا۔ اس کی کریا کرم میں سب امیر وغریب شامل ہوئے اور اس کی راکھ لاہور کے مشرق میں چار میل دور دَبا دی گئی، جہاں اس کی یادگار ابھی تک قائم ہے جس پر ہر سال بسنت پنچمی کے روز جو اس کی شہادت کا دن ہے، میلہ لگتا ہے۔''

حقیقت رائے کی یادگار اس وقت کوٹ خواجہ سعید لاہور میں ہے۔ عام طور پر لوگ اس جگہ کو 'باوے دی مڑھی' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہندی زبان میں 'مڑھی' قبرستان کو کہا جاتا ہے، گویا یہ 'بابے کا قبرستان' ہے۔ حقیقت رائے کو ہندوؤں نے 'بابے' کا مرتبہ بھی دے رکھا ہے۔ ایک گستاخِ رسول ان کے نزدیک مقدس 'بابا' ہے۔ مؤرخین کے مطابق حقیقت رائے کی یادگار پر سب سے پہلے جس ہندو رئیس نے میلے کا آغاز کیا تھا، اس کا نام کالو رام ہے۔ یہ یادگار قبرستان کے ساتھ اب بھی موجود ہے!

سیکولر، لادین اور مغرب زدہ طبقہ تو ایک طرف رہا، بظاہر مذہب سے لگاؤ رکھنے والے اَفراد کو بھی بسنت منانے سے روکا جاتا ہے تو وہ اسے محض 'ملا کا وعظ' کہتے ہوئے مسترد کردیتے ہیں۔ ان کے خیال میں پاکستان میں مذہبی پارساؤں کا ایک عوام دشمن گروہ ہے جو لوگوں کو

سچی، حقیقی اور بے ضرر تفریح کے مواقع سے بھی محروم کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس بات کو ذہنی طور پر تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہیں کہ بسنت ہندوؤں کا ایک مذہبی تہوار بھی ہے جو اسے خاص موسم میں مناتے ہیں۔ حقیقت رائے کی یاد میں منائے جانے والے 'بسنت میلہ' کے پس منظر سے تو شاید ہی کوئی واقف ہو۔ ہندو اور سکھ مؤرخین برملا اعتراف کرتے ہیں کہ لاہور میں بسنت پنچمی کے روز منایا جانے والا میلہ حقیقت رائے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ مگر ہمارے بعض مسلمان بضد ہیں کہ یہ صرف موسمی تہوار ہے۔

بعض افراد یوں استدلال کرتے ہیں کہ بسنت ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہوگا مگر ہم تو اسے محض موسمی اور ثقافتی تہوار سمجھ کر مناتے ہیں۔ یہ تو ان کا محض تجاہل عارفانہ ہے۔ ایک شخص دعوت نا ؤ نوش میں شریک ہوتا ہے، وہاں حلال اور حرام مشروبات کثیر تعداد میں موجود ہیں، اس نے شراب کو آج تک دیکھا ہے، نہ چکھا ہے۔ وہ شراب کی بوتل کھول کر کچھ نوشِ جاں کرلیتا ہے۔ اتنے میں مجلس میں موجود اسے ایک شخص بتاتا ہے کہ قبلہ آپ شراب سے لطف اندوز ہورہے ہیں؟ اس اطلاع کے بعد بھی اگر وہ یہ عذر پیش کریں کہ میں تو اس کو محض ایک شربت سمجھ کر پی رہا ہوں تو کیا اس کا یہ عذر معقول سمجھا جائے گا؟ مزید برآں بسنت کے تاریخی پس منظر سے لاعلمی کا اظہار بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ ایک جاہل آدمی تو شاید معذور ہو مگر وہ لوگ جو یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہیں اور غرورِ علم میں مبتلا ہیں وہ لاعلمی کا عذر پیش کرکے اس ذمہ داری سے پہلو کیسے بچا سکتے ہیں؟ قانون سے لاعلمی کو سزا سے بریت کا جواز تسلیم نہیں کیا جاتا تو ان عالم فاضل اَفراد کی طرف سے بسنت کے بارے میں اس تجاہل عارفانہ کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔

لاہور شروع سے بسنت کا مرکز رہا ہے، مگر چند برسوں سے جس رنگ میں یہاں بسنت منایا جاتا رہا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ محمد حنیف قریشی صاحب اپنے مضمون میں ''بسنت کا تہوار، تاریخ و مذہب کے آئینہ میں'' لاہور میں بسنت کے تہوار کے بارے میں موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ بات اکثر کہی جاتی ہے کہ بسنت ایک موسمی اور ثقافتی تہوار ہے، جس کا مذہب اور قوم

سے کوئی تعلق نہیں تاہم ابھی ایسے بزرگ ہزاروں کی تعداد میں موجود ہوں گے جو اس امر کی شہادت دیں گے کہ آزادی سے قبل بسنت کو عام طور پر ہندوؤں کا تہوار ہی سمجھا جاتا تھا اور لاہور میں ہی جوش وخروش سے منایا جاتا تھا۔ جہاں دو تین جگہ بسنت میلہ منعقد ہوتا تھا، ہندو مرد اور عورتیں باغبانپورہ لاہور کے قریب حقیقت رائے کی سمادھ پر حاضری دیتے اور وہیں میلہ لگاتے۔ مرد زرد رنگ کی پگڑیاں باندھے ہوتے اور عورتیں اسی رنگ کا لباس ساڑھی وغیرہ پہنتیں۔ سکھ مرد اور عورتیں اس کے علاوہ گوردوارہ اور گورومانگٹ پہ بھی میلہ لگاتے۔ ہر جگہ خوب پتنگ بازی ہوتی۔ اندرون شہر بھی پتنگیں اُڑائی جاتیں اور لاکھوں روپیہ اس تفریح پر خرچ کیا جاتا۔ مسلمان بھی اس میں حصہ لیتے مگر زرد کپڑوں وغیرہ کے استعمال سے گریز کرتے۔ یہ سارا کھیل دن کو ہوتا، رات کو روشنیاں لگانے اور لاؤڈ سپیکر، آتش بازی یا اسلحہ کے استعمال کا رواج نہ تھا۔'' (نقوش، لاہور نمبر)

مذہبی لحاظ سے تو بسنت منانا قابل اعتراض ہے ہی، خالصتاً موسمی اور ثقافتی تہوار کی حیثیت سے بھی اس کی حمایت نہیں کی جاسکتی۔ گذشتہ چند برسوں سے لاہور کے نودولتیوں، اَوباشوں، سمگلروں اور عیاشوں نے بسنت کے تہوار کو اپنی اباحیتِ مطلقہ کے اِظہار کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ ایک بظاہر سماجی تہوار میں جس طرح سماجی اَخلاقیات کی دھجیاں اُڑائی جاتی ہیں، وہ ہر اعتبار سے قابل مذمت ہے۔ شاید ہی کوئی دوسرا ثقافتی تہوار ہو جس میں اس قدر وسیع پیمانے پر شراب وکباب اور شباب کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اخبارات میں فائیو سٹار ہوٹلوں، حویلیوں اور بعض کوٹھیوں میں بسنت منانے والے خواتین وحضرات کی تصاویر عام شائع ہوتی ہیں، مگر ان مواقع پر رقص وسرود، شراب نوشی اور طوائف بازی کی بے باکانہ گناہ آلود مجالس کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ ایسی مجالس میں منتخب افراد کو مدعو کیا جاتا ہے، دوسری یہ کہ ان مجالس کے شرکا اس کی تفصیلات ہر صحافی کو کم ہی بتاتے ہیں۔ حتیٰ کہ صحافی حضرات کو بھی ان مجالس میں اس شرط پر شریک کیا جاتا ہے کہ وہ رازداری قائم رکھیں گے۔ ان مجالس میں ثقافت کے نام پر جو جو جنسی ذلالتیں اور رہوسناکیاں برپا کی جاتی ہیں، انہیں منظر عام پر اگر لایا جاسکے تو قوم کو معلوم ہوگا کہ ایک اسلامی ریاست میں فحاشی کی کون کونسی صورتیں طبقہ اُمرا

میں مروّج ہیں۔

راقم الحروف کے ایک جاننے والے صاحب ہیں جنہیں ایسی مجالس میں شریک ہونے کا موقع ملا ہے۔ ان کی روایت کے مطابق بسنت کے موقع پر لاہور شہر کی معروف طوائفوں اور اداکاراؤں کی بولیاں لگتی ہیں۔ ان کے بقول گذشتہ سال بسنت کے موقع پر ایک نوخیز فلمی اداکارہ کو گلبرگ کے ایک رئیس صنعت کار نے بسنت رات کے لئے پانچ لاکھ دے کر 'بک' کیا۔ اس اداکارہ نے تمام رات فطری لباس میں یعنی عریاں ہو کر رقص پیش کیا۔ فسق و فجور کی اس مجلس میں لاہور کے منتخب اَشراف شریک تھے، انہوں نے جس والہانہ انداز میں ویلیں نچھاور کیں، اس کا اندازہ خود راوی کو بھی نہیں ہے۔ جنسی باؤلے پن اور حیوانیت کے جو مظاہرے کئے گئے، ان کا الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ انہی صاحب نے شاہ جمال کی ایک کوٹھی میں بسنت کے اِنتظامات کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے بتایا کہ کوٹھی کے ایک حصے میں شراب کا کاؤنٹر سجایا گیا تھا جہاں نہایت قیمتی شراب، انواع قسم وافر مقدار میں موجود تھی۔ ہر طالب حسبِ خواہش شراب نوشی کر سکتا تھا۔ کوٹھی کے لان میں باربی کیو کا اہتمام تھا جہاں لذتِ کام و دہن کے لئے ہر نعمت موجود تھی۔ ایک وسیع ہال میں رقص و سرود کی محفل جمع تھی۔ مکان کی چھت پر ڈھول تماشے، طوائفیں اور کرائے کی عورتیں موجود تھیں جو ہر 'بوکاٹا' پر نعرے لگاتی تھیں۔ رات کے آخری حصے میں طوائفیں بدستور رقص پیش کر رہی تھیں، البتہ شرکا کی اکثریت شراب کے نشے میں مدہوش تھی...... دو چار کوٹھیوں کی بات نہیں ہے، بسنت کے موقع پر لاہور شہر میں سینکڑوں ایسے محلات ہیں جہاں اباحیتِ مطلقہ اور جنسی ہوسناکیوں کے یہ مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان مجالس میں محض امرا ہی نہیں، وہ لوگ بھی شریک ہوتے ہیں جن کا بنیادی فریضہ امن عامہ کا قیام اور جرائم پیشہ افراد کی گرفتاری ہے۔

رنجیت سنگھ کے زمانے میں طوائفیں بسنت میلے میں شریک ہوتی تھیں اور بسنتی لباس پہنتی تھیں، آج بھی 'گناہ کے بازار' میں بسنت کا تہوار بے حد جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں اُمرا کی بیگمات زرد لباس نہیں پہنتی تھیں مگر آج امیر گھرانوں کی بیگمات

طوائفوں کے اتباع میں نہ صرف زرد لباس پہنتی ہیں بلکہ پتنگ بازی میں جوش وخروش سے حصہ لیتی ہیں۔نوجوان لڑکیاں بوکاٹا کے نعرے لگاتی اور کلاشنکوف سے فائرنگ کرتی ہیں۔اندرونِ شہر مکانوں کی چھتیں سرسوں کے کھیت جیسا منظر پیش کرتی ہیں۔

بسنت ایک ایسا تہوار ہے جس میں امیر، متوسط اور غریب گھرانے اپنی اپنی مالی اِستعداد کے مطابق حصہ لیتے ہیں۔فروری کا مہینہ شروع ہوتے ہی بسنت کی تیاریاں شروع ہوجاتی ہیں۔ پتنگ بازی جہاں ایک بہت بڑا شغل سمجھا جاتا ہے، وہاں پتنگ سازی لاہور میں اچھی خاصی صنعت کا روپ دھار چکی ہے، ایک فضول شوق کی تکمیل میں قوم کا کروڑوں روپے کا سرمایہ برباد کردیا جاتا ہے۔وہ لوگ جو مالی پریشانیوں سے دوچار ہیں اور زندگی کی گاڑی مشکل سے چلا رہے ہیں، وہ بھی چاہے قرض کیوں نہ لینا پڑے، بسنت ضرور مناتے ہیں۔ایک جنون ہے جو اہل لاہور پر طاری ہوجاتا ہے یا کردیا جاتا ہے، دو چار روپے کی پتنگ لوٹنے کے لئے لڑکے بالے ہاتھوں میں ڈھانگے لئے سڑکوں پر دیوانہ وار پھرتے ہیں، انہیں تیز رفتار ٹریفک کا احساس ہوتا ہے، نہ انہیں مکانات کی چھتوں سے گرنے کا احتمال روکتا ہے۔کٹی ہوئی پتنگ دیکھتے ہی ان پر دیوانگی اور پاگل پن طاری ہوجاتا ہے۔گذشتہ سال ہمارے مکان کے بالکل سامنے ایک درخت پر اَٹکی ہوئی پتنگ کو اُتارتے ہوئے ایک دس سالہ بچہ شاخ ٹوٹنے کی وجہ سے زمین پر گر پڑا۔ابھی چند روز پہلے ایک معاصر روزنامے میں ایک بچے کی تصویر شائع ہوئی جس کے دونوں بازو گذشتہ سال بسنت کے موقع پر کاٹنے پڑے۔تیز دھار ڈور کی وجہ سے کئی مرتبہ راہ گیروں کی گردنیں کٹ جاتی ہیں۔مکانوں سے گر کر ہلاک ہونے والوں کی تعداد خاصی تشویش ناک ہے۔

آج کل بسنت کا تہوار محض پتنگ بازی تک محدود نہیں رہا، اس میں آتشیں خودکار اسلحہ سے فائرنگ کا خطرناک رُجحان بھی فروغ پاچکا ہے۔ بسنت کی رات پورا شہر کان پھاڑنے والی فائرنگ کی زد میں رہتا ہے۔کوئی اگر مریض ہے اور شور سے پریشان ہوتا ہے، تو جانے اپنی بلا سے، بسنت بازوں کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی دشمن ملک

نے لاہور پر چڑھائی کردی ہے، ایک دھاکوں کا سلسلہ ہے جو طلوعِ سحر تک جاری رہتا ہے۔ فائرنگ کے ساتھ ڈیک لگا کر اونچی آواز میں موسیقی کے نام پر طوفانِ بدتمیزی برپا کیا جاتا ہے۔ پتنگ کٹنے یا کاٹنے پر لڑکیاں لڑکے مل کر مجنونانہ اُچھل کود کرتے ہیں۔ چھتوں پر دندناتے ہیں اور بے تحاشا ہڑبونگ مچاتے ہیں۔ اگر کوئی ناسازیٔ طبع کی بنا پر نیچے کمروں میں سویا ہوا ہے، اسے پہنچنے والی ذہنی اذیت کا احساس تک نہیں کیا جاتا۔

لاہور زندہ دلوں کا شہر سمجھا جاتا رہا ہے مگر یہاں کی زندہ دلی اب ہلڑ بازی کا رنگ اختیار کرچکی ہے۔ کسی ثقافتی تہوار میں جس شائستگی اور سماجی نفاست کی توقع کی جاتی ہے، بسنت کے موقع پر اس کے بالکل برعکس مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ لاہور میں شادی بیاہ کے موقع پر تو کھانوں پر ابھی تک پابندی ہے، مگر بسنت کے موقع پر جس اِسراف کے ساتھ گھر گھر کھانوں اور دعوتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس کی طرف ابھی تک توجہ نہیں کی گئی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس طرح کی دعوتوں میں مجموعی طور پر کروڑوں روپے اُڑا دیئے جاتے ہیں۔

بسنت کے موقع پر کس قدر جوش وخروش اور جنون خیزی کا مظاہرہ کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کی ذمہ داری کسی ایک طبقہ پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ حکومت، ذرائع اَبلاغ، پریس، سیکولر طبقہ، والدین، اساتذہ، سماجی راہنما، طبقہ علما سب نے اس معاملے میں کوتاہی کا ارتکاب کیا ہے۔ ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ ہم نے نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت اور راہنمائی کے فرائض کو اَحسن طریقے سے نبھانے میں غفلت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ماضی قریب میں پتنگ بازی کو آبرومندانہ شغل یا تفریح نہیں سمجھا جاتا تھا۔ صدر ضیاء الحق مرحوم کے دور تک ہر سال بسنت کے موقع پر حکومت پنجاب کی طرف سے تمام اِداروں کے سربراہوں کو ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ اپنے دفتر کے افسروں کو پتنگ بازی یا ہلڑ بازی میں شریک ہونے سے منع کریں۔ پتنگ بازی کو سرکاری قواعد میں وقار سے گری ہوئی تفریح سمجھا جاتا تھا۔ سن ۲۰۰۰ء میں پہلی مرتبہ لاہور میں بسنت کا تہوار سرکاری سرپرستی میں منایا گیا، پتنگ بازی کے باقاعدہ مقابلے کرائے گئے اور جیتنے والوں کو انعام واِکرام سے نوازا گیا۔ لاہور کارپوریشن اور ہارٹی کلچرل اتھارٹی نے مال

روڈ اور دیگر اہم شاہراہوں پر پتنگ نما کتبے آویزاں کئے جو کئی ماہ تک یونہی لگے رہے۔ حکومت ناجائز اسلحہ کی پکڑ دھکڑ کے بارہا اعلانات کرتی رہتی ہے، مگر بسنت کے موقع پر بے تحاشا فائرنگ کرنے والوں کو گرفتار نہیں کیا جاتا۔ دھات کی ڈوروں کے استعمال کی وجہ سے واپڈا کا بجلی سپلائی کرنے کا نظام شدید متاثر ہوتا ہے، مگر اس جرم کے مرتکب افراد کے خلاف قانونی کاروائی نہیں کی جاتی۔ واپڈا کی اپیلیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، اسے ہر سال کروڑوں روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

بسنت جیسے تہوار کے متعلق جنون خیزی پیدا کرنے میں سب سے زیادہ کردار ذرائع ابلاغ پر چھائے ہوئے ایک مخصوص طبقہ نے ادا کیا ہے جو تہذیب و ثقافت کے نام پر اس ملک میں بیہودگی اور اِباحیت کو رواج دینا چاہتا ہے۔ بسنت کے موقع پر ٹیلی ویژن پر 'پتنگ باز سجنا' جیسے واہیات گانوں کو بار بار پیش کیا جاتا ہے، اخبارات میں خصوصی ایڈیشن شائع کئے جاتے ہیں جس میں بازاری عورتوں کو بسنتی لباس میں دکھایا جاتا ہے۔ اَخباری رپورٹوں میں بار بار بسنت کے اِنتظامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور اِعلانات شائع کئے جاتے ہیں کہ فلاں فلاں مقامات پر بسنت انتہائی جوش وخروش سے منایا جائے گا۔ یہ ساری سرگرمیاں نوجوانوں میں بسنت کے متعلق آتش شوق کو بھڑکا دیتی ہیں۔

سکولوں میں اساتذہ بچوں میں بسنت کے متعلق صحیح شعور پیدا کرنے کی بجائے اُلٹا انہیں ان تقریبات میں والہانہ طور پر شریک ہونے کے لئے اُکساتے ہیں۔ کلاس میں پوچھا جاتا ہے کہ ''بچو! اس سال بسنت منانے کے لئے آپ نے کیا کیا انتظام کیا ہے؟'' اساتذہ کی اپنی معلومات بھی بے حد ناقص ہیں، وہ اسے محض موسمی تہوار ہی سمجھتے ہیں۔ انگلش میڈیم سکولوں میں بے حد اہتمام سے بسنت منایا جاتا ہے۔ طلباء و طالبات مل کر گڈیاں اور گڈے اُڑاتے ہیں۔ ایسی مخلوط مجالس جنسی ہیجان خیزی اور آوارگی کو پروان چڑھاتی ہیں۔ کارپوریشن اور حکومت کی زیرنگرانی چلنے والے سکولوں میں بھی بقدرِ استعداد اس غیر اسلامی تہوار کا جشن برپا کیا جاتا ہے۔

ایک اسلامی مزاج رکھنے والی خاتون، جس کے بچے ڈویژنل پبلک سکول میں پڑھتے ہیں، نے بتایا کہ سکول کے پرنسپل نے سخت ہدایات جاری کی ہیں کہ بسنت کے موقع پر ہر طالب علم کم از کم ایک 'گڈی' کا بندوبست ضرور کرکے آئے اور ہر طالبہ کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ایک ڈور خرید کر لائے۔ نہایت تاسف کا مقام ہے کہ ہمارے سکول جہاں توقع کی جاتی ہے کہ طلباء میں اسلامی شعائر سے محبت کو پروان چڑھائیں گے، وہاں ہندوؤں کے تہوار منانے کو لازمی قرار دیا جاتا ہے۔ کیا مسلمانوں کے اپنے تہوار منانے کے لئے بھی سکولوں میں اس قدر تہذیبی جوش وخروش کا مظاہرہ کیا جاتا ہے؟ اس کا جواب والدین کو بخوبی ہے۔ اس بارے میں والدین کو بھی بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جب بچے والدین کا جوش وخروش دیکھتے ہیں تو اس کا گہرا اثر قبول کرتے ہیں۔ بعض افراد کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بچوں کے ساتھ مل کر پتنگ لوٹنے میں مصروف ہوتے ہیں۔

ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ہم ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ کہیں ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک گستاخِ رسول کی یاد میں منعقد کئے جانے والے بسنت میلہ میں شریک ہوکر توہین رسالت کا ارتکاب تو نہیں کررہے؟ کیا ہم ہندوؤں کے مذہبی تہوار کو منا کر دوسری قوموں سے مشابہت کے گناہ کا اِرتکاب تو نہیں کررہے؟ کیا ہمارا بسنت منانے کا طور طریقہ لہو ولعب کی تعریف میں شامل تو نہیں ہے؟ اہل اقتدار کو بھی ضرور سوچنا چاہئے کہ وہ بسنت جیسے تہواروں کی سرپرستی کرکے کہیں مسلمانوں کے اصل تہواروں کے متعلق عام لوگوں میں عدمِ دلچسپی کے جذبات کو تو پروان نہیں چڑھا رہے؟ بسنت کے نام پر رقص وسرود، ہلڑ بازی، ہاؤ ہو، شور شرابہ، چیخم دھاڑ، فائرنگ، وغیرہ مہذب قوموں کا شعار نہیں ہے۔ ہمیں رسالت مآبؐ کا یہ فرمان بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ آپؐ نے فرمایا:

''تمام قوموں کی عیدیں ہیں، ہماری عیدیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں!''

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا وہ انہی میں اٹھایا جائے گا۔'' (سنن ابوداود)

مذہب، ثقافت اور تہوار

بسنت کو ایک مذہبی یا ثقافتی تہوار کہا جاسکتا ہے......؟ ہمارے ہاں اسے مسلمانوں کا مذہبی تہوار تو کوئی نہیں کہتا، البتہ بسنت کے حامی دانشور اسے ثقافتی تہوار بلا جھجک قرار دیتے ہیں۔ وہ ایسا اس لئے سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کے ذہنوں میں مذہب اور ثقافت کے دو دو الگ خانے ہیں۔ ان کے برعکس اگر یہی سوال آپ ایک ہندو دانشور سے کریں، وہ اسے ترجیحاً مذہبی تہوار کہے گا، مگر اسے ثقافتی تہوار کہنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں ہوگی۔ بسنت اگر برصغیر کا قدیم ثقافتی تہوار ہے اور ہمارے بعض دانشوروں کے بقول، یہاں کے لوگ اسے کسی مذہبی امتیاز کے بغیر مناتے رہے ہیں، تو پھر ایک ہی سوال کا ایک مسلمان اور ہندو دانشور ایک جواب کیوں نہیں دیتے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس کنفیوژن کے ازالے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے مذہب اور ثقافت کے درمیان باہمی تعلق کا تعین کریں، اس کے بعد یہ علمی اُلجھن خود بخود دور ہوجائے گی۔

یورپ میں کلچر کو مذہب پر برتری حاصل ہے!

مذہب اور کلچر (Culture) کا باہمی تعلق کیا ہے؟ اس کا جواب مختلف تہذیبی پس منظر رکھنے والے افراد مختلف دیں گے، ایک یورپ کا جدید ذہن رکھنے والا شخص مذہب کو کلچر کا ایک عنصر یا جز سمجھتا ہے، اس کے نزدیک کلچر ایک برتر شے ہے۔ اگر کسی موقع پر کلچر اور مذہب کے درمیان اختلاف یا تصادم رونما ہوجائے، تو اہل مغرب مذہب کو نظر انداز کردیں گے اور کلچر کو اس پر ترجیح دیں گے۔ یورپ کے لوگوں کی اکثریت اب بھی عیسائیت کو اپنا مذہب قرار دیتی

ہے مگر یورپی معاشرے میں بہت سے قوانین ، اقدار اور سماجی ادارے ایسے ہیں جن کا وجود عیسائیت کی تعلیمات سے لگا نہیں کھاتا مگر چونکہ عرصہ قدیم سے یہ اس معاشرے میں موجود ہیں لہٰذا وہ انہیں اپنے کلچر☆ کا حصہ سمجھتے ہوئے خیر باد کہنے کو تیار نہیں۔

✿ جسم فروشی عیسائیت میں بھی ویسا ہی گناہ ہے جیسا کہ اسلام میں، مگر یورپ وامریکہ میں Prostitution کو ایک مستقل سماجی ادارہ کی حیثیت حاصل ہے۔ وہاں کے دانشور اسے تمام تر قانونی تحفظ دینے کی وکالت کرتے ہیں۔ ایک طوائف ان کے نزدیک سوشل ورکر ہے۔ ان کے خیال میں جسم فروشی کا قدیم ہونا بذاتِ خود اس کے جواز کے لئے کافی ہے۔

✿ شراب نوشی اور بے نکاحی جنسی تعلق ان کے مذہب میں جائز نہیں ہے، مگر اب ان کے کلچر کا حصہ بن چکا ہے، اسی لئے ایک یورپی ذہن ان سے بغیر کسی احساسِ گناہ کے شغف رکھتا ہے۔ یورپی تہذیب وتمدن، بودو باش اور رہن سہن، خوشی اور تفریح منانے کے بہت سے طور طریقے عیسائیت کی بنیادی تعلیمات کے منافی ہیں، مگر وہ ان پر جان چھڑکتے ہیں اور بے حد پرجوش طریقے سے ان کا دفاع کرتے ہیں۔ ان کی حکومتیں اگر چاہیں، ان پر قدغن عائد کردیں تو وہ ان کے ردِعمل کا سامنا نہیں کرسکیں گی۔

✿ ویلنٹائن ڈے کی ہر سال چرچ کی طرف سے مخالفت کی جاتی ہے اور اسے جنسی آوارگی اور بے حیائی کا فعل قرار دے کر مذمت کی جاتی ہے، مگر اس کو منانے والے ثقافت سمجھ

☆ 'کلچر' کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ ''کلچر اس کل کا نام ہے جس میں مذہب وعقائد، علوم اور اخلاقیات، معاملات اور معاشرت، فنون و ہنر، رسم و رواج، افعال ارادی اور قانون، صرفِ اوقات اور وہ ساری عادتیں شامل ہیں جن کا انسان معاشرے کے ایک رکن کی حیثیت سے اکتساب کرتا ہے اور جن کے برتنے سے معاشرے کے معاشرے کے متضاد ومختلف افراد اور طبقوں میں اشتراک ومماثلت، وحدت اور یکجہتی پیدا ہوجاتی ہے جن کے ذریعے انسان کو وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز پیدا ہوجاتی ہے۔

کلچر میں زندگی کے مختلف مشاغل، ہنر اور علوم وفنون کو اعلیٰ درجہ پر پہنچانا، بری چیزوں کی اصلاح کرنا، تنگ نظری اور تعصب کو دور کرنا، غیرت وخودداری، ایثار و وفاداری پیدا کرنا، معاشرت میں حسن ولطافت، اخلاق میں تہذیب، عادات میں شائستگی، لب ولہجہ میں نرمی، اپنی چیزوں، روایات اور تاریخ کو عزت اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنا اور ان کو بلندی پر لے جانا بھی شامل ہیں۔'' (پاکستانی کلچر از ڈاکٹر جمیل جالبی: صفحہ ۴۲)

کرمناتے ہیں۔ اس سارے استدلال کا لب لِباب یہ ہے کہ جدید مغرب کلچر کے مقابلے میں مذہب کو ایک تابع ادارے (Subservient) کے طور پر دیکھتا ہے۔ ان کے ہاں کلچر کل کا درجہ رکھتی ہے اور مذہب محض اس کا ادنیٰ سا جزو ہے۔ ان کے سیکولر دانشور تو مذہب کو اوہام کے مجموعہ سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں ہیں۔

ہندومت اور کلچر آپس میں مدغم ہیں!

ہندو تہذیب میں مذہب اور کلچر آپس میں اس طرح مدغم (sub-merge) دکھائی دیتے ہیں کہ شاید وہاں مذہب اور ثقافت کے باہمی تعلق کا سوال ہی زیادہ اہم نہ ہو۔ ہمارے ہاں جن باتوں کو خالصتاً کلچر سمجھا جاتا ہے، ہندو انہیں بے حد مذہبی جوش وخروش کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ رقص کو دیکھئے، ایک مسلمان اسے گناہ سمجھتا ہے، مگر ہندو تہذیب نے اسے ایک عبادت کا درجہ دے رکھا ہے، یہی معاملہ موسیقی اور گانے بجانے کا بھی ہے۔ ہمارے ہاں ایک مذہبی ذہن رکھنے والا شخص رقص اور گانے بجانے سے تعلق رکھنے والے کو 'کنجر' قرار دے گا، مگر ہندو معاشرے میں ایسے افراد کو بے حد عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہم آج بھی شادی بیاہ کی بہت سی رسومات کو محض کلچر سمجھ کر کرتے ہیں، مگر ہندو معاشرے میں شادی کی کوئی رسم نہیں ہے جو مذہب کا درجہ نہ رکھتی ہو۔ ان کے ہاں شاید ہی کوئی فعل ایسا ہو جو کلچر کا حصہ تو ہو مگر ہندو مذہب میں اس کی اجازت نہ ہو☆۔ ہندوستان کا مذہبی طبقہ صرف ان ثقافتی اقدار یا اعمال کو مذہب سے متصادم سمجھتا ہے جو دوسرے معاشروں سے برآمد کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رقص، موسیقی، ناچ گانے کو تقدس عطا کرنے والے ہندو معاشرے میں وہاں کا مذہبی طبقہ ویلنٹائن ڈے منانے کی اجازت نہیں دیتا، کیونکہ یہ خالصتاً یورپی تہوار ہے۔

☆ ہندومت یوں بھی ایک علاقائی مذہب ہے جس میں ہندوستان کی علاقائی ثقافتی روایات کو ہی وہ مقام حاصل ہے کہ وہ ان کے مذہب سے متصادم نہیں۔ اگر یہی ہندو خلیجی یا مغربی ممالک میں قیام پذیر ہوں تو کیا ان علاقوں کی ثقافت کو وہ ہندومت میں قبول کر سکتے ہیں، ظاہر ہے ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ باہر سے در آنے روایات کو یہاں بھی مسترد کر دیا جاتا ہے۔ ...... مرتب

اسلام میں کلچر مذہب کے تابع ہے!

اسلام کا معاملہ یورپی اور ہندو، دونوں تہذیبوں سے مختلف ہے۔ اسلام انسانی معاشرے اور انسانی زندگی کو اس انداز میں منضبط کرنا چاہتا ہے جو اس کے مرکزی نظامِ حیات اور نظامِ اقدار سے مکمل طور پر مربوط ہو۔ انسانی معاشرے کا کوئی فعل جس قدر اس مرکزی دائرے کے قریب ہوگا، اس قدر اسے قدر ومنزلت یا ثواب کا درجہ ملے گا۔ یہی وہ تصور ہے جس کی وجہ سے اسلام کو مکمل نظامِ حیات قرار دیا جاتا ہے۔ اسلام انسانی افعال کو واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام میں تقسیم کرتا ہے۔ ایسے افعال جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو، اور نہ کیئے جائیں، وہ اسلامی تصور کے مطابق گناہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، سچ بولنا، انصاف کرنا، رزقِ حلال وغیرہ۔ ممنوعہ افعال بعض اوقات قابلِ تعزیر بھی ہوتے ہیں، مثلاً چوری، زنا وغیرہ۔ اسلام ایک ایسی ثقافت کو پروان چڑھتے دیکھنا چاہتا ہے جو اس کے اپنے افکار وتعلیمات کے مطابق ہو۔ اسلام کا خوشی اورغمی منانے کا بھی اپنا تصور ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس قدر باحمیت دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ سماجی اعمال کے معمولی دائروں میں بھی دوسری قوموں کی مشابہت نہ کریں۔ کوئی ایسا کام جو بظاہر گناہ نہ ہو مگر اس کے کرنے سے دوسری قوموں سے مشابہت کا پہلو نکلتا ہو، اسلام ایسے افعال سے مسلمانوں کو بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام کا حرام وحلال، گناہ وثواب، جائز وناجائز، مباح ومستحب کا ایک جامع تصور ہے جو اسے دیگر ادیان سے امتیاز عطا کرتا ہے۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو ثقافت کو اپنے اندر ضم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام میں مذہب اور ثقافت کا تعلق بے حد واضح ہے، یہاں مذہب کو ایک برتر خدائی حکم کی حیثیت سے ہر اس ثقافتی عمل کو مسترد کرنے کا اختیار ہے جو اس کے بنیادی تصور سے متصادم ہو۔ اسلامی تصور کے مطابق مذہب کلچر کا محض ایک جزو نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسا برتر نظام ہے جو ثقافت کو اپنے تقاضوں کے مطابق ڈھالتا اور تشکیل☆ دیتا ہے!!

☆ اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام علاقائی کے بجائے مذہب کا عالمی تصور رکھتا ہے جس کی اپنی مستحکم روایات ہیں اور ان میں ہر علاقے کی روایات کو محدود دائرے اور اسلام کے فلسفہ حلت وحرمت کے تحت ہی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کی اپنی روایات اس قدر مستحکم ہیں کہ ان کی بنا پر دنیا میں کہیں بھی بسنے والا مسلمان چند تہذیبی مظاہر سے ہی پہچانا جاتا ہے۔ ...... مرتب

اسلام اور تہوار

اسلام کا آغاز عرب معاشرے سے ہوا۔ عرب معاشرے کی بہت سی اقدار اور رسومات ایسی تھیں جسے اسلام نے یکسر مسترد کر دیا، چند ایک سماجی اقدار ایسی تھیں جنہیں انسانی معاشرے کے لئے بے ضرر یا فائدہ مند رکھتے ہوئے انہیں برقرار رکھا۔ یہاں واضح کر دیا جائے کہ تہواروں کا معاملہ ان برقرار رکھی جانے والی فہرست میں شامل نہیں تھا۔ تہواروں کو منانے کا معاملہ کسی بھی مذہب یا تہذیب کے لئے بنیادی فکری معاملہ ہے، یہ کسی بھی قوم کے فکری تشخص کو اُبھارتا ہے، اس لئے اسلام نے واضح طور پر اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کے تہوار عیدین ہے۔ حدیثِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ ''ہر قوم کی اپنی عیدیں ہیں، اور ہماری عید، عیدالفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔'' یہی دو عیدیں مسلمانوں کے تہذیبی تہوار بھی ہیں۔ اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں بہت سے تہوار اور میلے پائے جاتے تھے، ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسے اسلامی ثقافت نے 'بے ضرر' سمجھ کر گود لے لیا ہو۔

اسلام سے قبل اہل عرب 'عکاظ' کے میلے میں بہت جوش وخروش سے شریک ہوتے تھے۔ اہل مکہ کے لئے تو یہ تجارت کا بھی ایک عظیم الشان موقع عطا کرتا تھا۔ یہی وہ میلہ تھا جس پر شاعروں کے کلام کے مقابلے ہوتے تھے اور سات منتخب شعرا کا کلام اس میلے میں آویزاں کیا جاتا تھا، مگر فتح مکہ کے بعد عکاظ میلے نے حج کے موسم کی تجارت کی شکل اختیار کر لی چنانچہ اس میں بے مقصد لہو ولعب اور بے حیائی کی رسومات خود بخود ختم ہوگئیں۔ اس طرح کے میلوں کو ترک کرنے کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ یہ خدا کی یاد سے غافل کرتے ہیں۔

مسلمانوں نے ایران کو فتح کیا، جو اس زمانے میں تہذیبی اور ثقافتی طور پر عربوں کے مقابلے میں بہت ترقی یافتہ تھا، مگر مسلمان ان کی تہذیب سے مرعوب نہ ہوئے بلکہ ایران کو اسلامی تہذیب کے سانچے میں ڈھالا۔ جشن نوروز ہزاروں سال سے ایرانی تہذیب کا اہم تہوار سمجھا جاتا تھا، مگر مسلمانوں نے اس کو ترک کر دیا۔ سپین پر مسلمانوں نے آٹھ سو برس تک

حکومت کی ، وہاں کی آبادی کی اکثریت عیسائی تھی، مگر کسی مسلمان حکمران نے کرسمس کا تہوار نہیں منایا۔

ہمارے ہاں جولوگ بسنت کو ایک ثقافتی تہوار کی حیثیت سے منانے میں کوئی عیب نہیں دیکھتے، انہیں چاہئے کہ وہ ثقافت اور مذہب کے درمیان تعلق کو اس انداز میں دیکھیں جس طرح کہ اسلام چاہتا ہے۔ وہ تہواروں کو منانے کے متعلق اسلام کے تصور کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

نذیر احمد چوہدری صاحب اپنی کتاب 'بسنت؛ لاہور کا ثقافتی تہوار' میں لکھتے ہیں:

''بعض لوگ معترض ہیں کہ بسنت کا تہوار مذہبی طور پر 'حرام' ہے حالانکہ کسی بھی علاقہ کی ثقافت کا مذہب سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں سب سے بڑی مشکل اور ہماری سوچ کا اندوہناک پہلو یہ ہے کہ ہم نے آج تک مذہب اور ثقافت میں پائے جانے والے بنیادی فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ ثقافت کا تعلق کسی علاقے یا خطے پر رہنے والے لوگوں کے رہن سہن، رسوم و رواج اور طرزِ معاشرت سے ہوتا ہے اور ایک خاص خطہ کے رہنے والے لوگ صدیوں سے ایک خاص طرزِ زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان کی ثقافت، ان کی سماجی، سیاسی، معاشرتی اقدار اور جذبوں کی امین ہوتی ہے۔ علاقائی، مذہبی یا ثقافتی تہوار اور میلے وغیرہ مخلوق خدا کو خوشی اور مسرت کے مواقع فراہم کرتے ہیں'' (ص:۲۴)

نذیر احمد چوہدری صاحب نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے یہ محض مجرد فلسفہ ہے، برصغیر کے مسلم معاشرے پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں درج ذیل تاریخی حقائق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا:

① یہ بات اُصولی طور پر درست نہیں ہے کہ کسی بھی علاقہ کی ثقافت کا مذہب سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ برصغیر کے ہندو معاشرے میں سینکڑوں ایسی باتیں تھیں جو مسلمانوں کی تہذیب سے متصادم تھیں، لہٰذا مسلمانوں نے ان کو ردّ کر دیا۔ ہندو گائے کا پیشاب پیتے ہیں اور گوبر کھاتے ہیں، ان کے ہاں بت پرستی ان کی ثقافت کا حصہ ہے۔ کیا مسلمانوں نے ان باتوں کو محض علاقائی ثقافت سمجھ کر قبول کرلیا؟ اسلام علاقائی ثقافت کو بعینہٖ قبول نہیں کر لیتا، بلکہ

اس کی اصلاح کرتا ہے۔

② مسلمانوں کا رہن سہن اور طرزِ معاشرت، ہندوؤں سے واضح طور پر مختلف رہا ہے، اور یہ دوقومی نظریہ کی اساس بھی ہے۔ لاہور جیسے شہروں میں بھی عام طور پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے محلے الگ الگ تھے۔ انارکلی بازار میں مسلمان اور ہندو مل کر خرید وفروخت کرتے تھے، مگر دونوں کی شکل وصورت اور لباس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ان میں کون ہندو ہے اور کون مسلمان؟

③ بسنت اور پتنگ بازی کا تعلق رہن سہن اور طرزِ معاشرت سے نہیں۔ بسنت بنیادی طور پر ایک ہندوانہ تہوار ہے جس کا اعتراف انہوں نے خود ہی اپنی کتاب میں ان الفاظ میں کیا ہے: ''بسنت بنیادی طور پر ہندوؤں کا تہوار ہے مگر مسلمانوں نے اس میں دلچسپی لینا شروع کردی۔'' (ص:۱۸) جب وہ خود یہ اعتراف کرتے ہیں تو پھر بسنت کے مخالف لوگوں کی سوچ کو 'اندوہناک' کیوں کر قرار دیتے ہیں۔ ان کی سوچ کا یہ افسوسناک پہلو قابل فہم نہیں ہے۔

④ بسنت کے موقع پر جس قدر انسانی جانوں کا ضیاع ہوتا ہے، اور جس طرح بجلی بار بار جانے سے لاکھوں شہریوں کی زندگی اجیرن بنا دی جاتی ہے اور اس قدر ہلڑ بازی مچائی جاتی ہے کہ الامان! یہ مخلوقِ خدا کے لئے ایک روگ اور عذاب سے کم نہیں۔ چوہدری نذیر صاحب جیسے دانشور اسے نجانے مخلوقِ خدا کے لئے خوشی اور مسرت کا موقع کیونکر سمجھتے ہیں۔ دوسروں کی جانوں کو عذاب میں ڈال کر خوشی کے مواقع حاصل کرنا کہاں تک درست ہے؟

ہندومت اور اسلام کا 'تہوار' کا تصور اور فلسفہ جدا جدا ہے۔ اگر عالمی تہذیبوں کا جائزہ لیا جائے تو ہندوتہذیب میں 'تہوار' منانے کا رجحان غالباً دیگر تمام تہذیبوں سے زیادہ ہے۔ اس کی شاید ایک وجہ ہندو مذہب کا مخصوص فلسفہ عبادت ہے۔ رسومات اور اوہام کو جس طرح ہندو مذہب میں یکجا کردیا گیا ہے، شاید ہی دنیا کا کوئی مذہب یہ امتیاز رکھتا ہو۔ قدیم آریہ سال کو چھ موسموں میں تقسیم کرتے تھے، اس طرح دو مہینوں کا موسم بناتے تھے۔ سنسکرت زبان کے

مشہور شاعر کالی داس نے 'رتو سنگھار' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان چھ موسموں کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ کالی داس کی ایک نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ بسنت رت آتی ہے تو ندی نالے جو جاڑے کے موسم میں سوئے رہتے ہیں یکا یک جاگ اٹھتے ہیں۔ آم کے درختوں پر بور ہوتا ہے، عشق کا دیوتا مدن بھٹکے دلوں کا شکار کرتا پھرتا ہے۔

('بسنت؛ لاہور کا ثقافتی تہوار' ص:۱۲)

ہندوؤں کے موسموں کے اعتبار سے تہوار منانے کے پیچھے ان کی مذہبی رسومات کارفرما ہیں۔ دراصل برہمنوں نے ہندو مذہب میں تہواروں کا جال بچھا کر اپنی مذہبی پیشوائیت کو استحکام دینے کی ہر ممکن صورت پیدا کی۔

بسنت کے موسم کے متعلق فرہنگِ آصفیہ کے یہ الفاظ ملاحظہ کیجئے:

''اہل ہند اس موسم کو مبارک اور اچھا سمجھ کر نیک شگون کے واسطے اپنے اپنے دیوی، دیوتاؤں اور اوتاروں کے استھانوں میں مندروں پر ان کے رجھانے کے لئے بہ تقاضائے موسم سرسوں کے پھولوں کے گڑوے بنا کر گاتے، بجاتے، لے جاتے اور اس میلے کو بسنت کہتے ہیں، بلکہ یہی وجہ ہے کہ زرد رنگ کو اس سے مناسبت دینے لگے۔''

اسلام میں موسموں کو مذہبی اعتبار سے نہ اس طرح تقسیم کیا گیا ہے اور نہ ہی ان کی بنیاد پر تہوار مقرر کئے گئے ہیں۔ بلا شبہ اسلام میں بعض ایام کو زیادہ مقدس قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً عیدین، شبِ قدر وغیرہ۔ مگر اسلامی عیدین قمری سال کی وجہ سے ہر موسم میں آتی ہیں۔ ایک ہندو جب بسنت مناتا ہے، سرسوں کے پھولوں کے گڑوے بناتا ہے یا اس موقع پر بسنتی لباس پہنتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ سارے افعال باعثِ ثواب اور مذہبی عبادت میں شامل ہوتے ہیں۔ مسلمانوں نے ان کی نقالی کرتے ہوئے زرد لباس پہننا شروع کر دیا ہے اور اپنے تئیں اسے 'ثقافت' سمجھتے ہیں۔ ہندوؤں کے درمیان 'تہوار' کا لفظ بلا امتیاز ایسی تقریبات کے لئے ہوتا ہے جنہیں وہ عبادت سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔ 'تہوار' کا لفظ 'عید' کا مترادف ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ بسنت کو مسلمان 'عید' سمجھ کر کیوں کر منا سکتے ہیں۔ اس معاملے میں ہندوؤں

کی مشابہت کس قدر معیوب بات ہے، کاش ہمارے دانشور اس کو پیش نظر رکھتے۔

ہندومت اور تہوار

ہندومت میں تہواروں کی حیثیت وارتقاء کو سمجھنے کے لئے ہندوصنمیات (Mythology) اُپنشد (Upanishads)، رگ وید اور برہمنی رسومات کا علم ضروری ہے۔ ظاہر ہے یہ کوئی آسان بات نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا گورکھ دہندا ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ابن حنیف ایک مستند مؤرخ ہیں، ان کا تعلق ملتان سے ہے اور ابھی حیات ہیں، انہوں نے اپنی کتاب 'تاریخ ہند' میں لکھا ہے:

''ہندوؤں اور ہندوصنمیات میں دیوی دیوتاؤں کی تعداد ۳۳ کروڑ ہے۔ دراصل زندگی کے ہر پہلو اور زندگی کے متعلق ہر چیز کو ہندوؤں کے ہاں تقدیس کا درجہ دے کر دیوی دیوتا بنا دیا گیا ہے۔''

ایک اور مصنف کا خیال ہے کہ برہمنوں نے اپنی حیثیت کو نمایاں رکھنے کے لئے ہندومت میں نت نئے رسومات ورواجوں کو تخلیق کیا جس سے ان کی مذہبی پیشوائی اور ذاتی اغراض پوری ہوتی رہیں۔ ہندوؤں کی قانونی کتاب 'منوشاستر' کے مطابق ''قادرِ مطلق نے دنیا کی بہبودی کے لئے اپنے منہ سے برہمن کو پیدا کیا۔''

ہندو مذہب میں منت ماننے، چڑھاوے چڑھانے اور پنڈتوں کو نذرانہ دینے کی رسومات کی کثرت برہمن طبقہ کی مذہبی پیشوائیت اور استحصال کی ایک مستقل روایت ہے۔ ان کے ہاں تیوہاروں کا طویل سلسلہ بھی ان کی اسی روایت سے منسلک ہے۔ دنیا کے دیگر مذاہب میں تو چند ایک مذہبی تہوار (عیدیں) ہوتی ہیں مگر ہندو مذہب میں ان کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ منشی رام پرشاد ماتھر ہندو تہواروں کی تاریخ بیان کرنے میں اتھارٹی سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے درج ذیل عنوانات سے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کی ہیں:

۱۔ ہندو تیوہاروں کی دلچسپ اصلیت

۲۔ ہندو تیوہاروں کی اصلیت اوران کی جغرافیائی کیفیت

۳۔ ہندو تیوہاروں کی رام کہانی

ان کتابوں میں انہوں نے ہر تیوہار کے تاریخی حالات، ان کے تمدنی و اخلاقی نظام اوران تہواروں کی جغرافیائی ضرورت کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے ڈیڑھ سو کے قریب ہندو تہواروں کا ایک جدول بھی ترتیب دیا ہے جس میں ان کا مذہبی پس منظر، تواریخ اور دیوی دیوتاؤں سے ان کا تعلق بھی بیان کیا ہے۔ بسنت پنچمی کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

''اس روز کام دیو اور اس کی دیوی رتی کی پوجا ہوتی ہے۔ کام دیو کو شیو جی نے بھشم کر دیا اور مچھلی کے پیٹ سے نکلا۔ بعض جگہوں پر سرستی دیوی کی پوجا کرتے ہیں۔ قلم دوات نہیں چھوتے۔ اگر لکھنے کا ضروری کام آ جاتا ہے تو تختی پر کھرپا سے لکھتے ہیں۔ شام کو بچے قسم قسم کے کھیل کھیلتے ہیں اور دوسرے دن سرسوتی کی مورتی کسی تالاب میں ڈال دیتے ہیں۔''

(ہندو تہواروں کی دلچسپ اصلیت: صفحہ ۲۳۵)

اسی طرح انہوں نے ہولی، شیوراتری، سورج ستمی، اسمانی کا پوجن، پھلیرا دوج، ایکا دشی، کرتیجے، جانکی جنم جیسے تہواروں کے پس منظر اوران کی رسومات بیان کی ہیں۔

'تمدنِ ہند' کے مصنف کے خیال میں:

''مذاہبِ ہند میں آغازِ شعور سے سورج، چاند، ستارے، آسمان، زمین، چاروں عنصر، آواز، قوتِ نشو ونما، زمانہ، علتِ مرگ وغیرہ کی پرستش ہوتی تھی۔ اس زمانہ کے شاعر اپنی قوتِ متخیلہ کے مخلوق دیوتاؤں کی تعریف میں نظمیں کہتے تھے جو مرورِ ایام سے مقدس اور الہامی ہوگئیں۔ دورانِ نغمہ ہائے ستائش انہوں نے روم کو مرتب کیا، جو ابتدا میں مختصر اور سادہ تھیں مگر تدریجاً مفصل ہوتی گئیں۔ اس زمانے کے عرفا برہمن تھے اور مذہبی رسوم انہی کی وساطت سے ادا ہوتی تھیں۔ انہوں نے اپنی اُجرت بڑھانے کے لئے ان رسوم کو بھی بڑھایا حتیٰ کہ دن تو دن ادائے رسوم کے لئے ہفتے، مہینے بلکہ سال گزر جاتے تھے۔ اس دوران میں برہمن اپنے حقوق اُجرت کے طور پر لوگوں سے گائیں، بچھڑے، خوراک، لباس اور مکان حاصل کرتے رہتے تھے۔ اسی لالچ نے برہمنوں کو اکسایا کہ وہ وید کے افکار کو فلسفیانہ بنائیں ...... ہندو عوام اوہامی

رسومات وخرافات کے مقید واسیر ہیں۔''   (تمدنِ ہند، صفحہ ۱۴۴)

فرہنگِ آصفیہ میں بسنت کی تعریف میں من جملہ دیگر باتوں کے یہ بھی لکھا ہے:

''موسم بہار کا وہ میلہ جس میں ہندو اپنے اوتاروں اور دیوی، دیوتاؤں کے مندروں پر سرسوں کے پھول چڑھاتے ہیں۔''

ڈاکٹر داؤد رہبر جو امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں ہندو کلچر پڑھاتے رہے ہیں، ہندوؤں کے ہاں تہواروں کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ملتوں کے محسوسات ان کے تہواروں میں جھلکتے ہیں، دیہات اور قصبات اور مقدس مقامات کے مقامی تہواروں کا تو کوئی شمار ہی نہیں، لیکن ہندوؤں کے وہ تہوار جو سارے بھارت میں منائے جاتے ہیں، دسہرا، ہولی، دیوالی، دُرگا پوجا اور شدراتھڑی ہیں۔ دسہرا میں دس کی گنتی کئی طرح سمجھی گئی ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ جیٹھ کے مہینے کا دسواں دن ہے۔ لفظی معنی دسہرا کے ہیں: دس گناہوں کو دھو ڈالنے والا دن۔ یہ مان لیا گیا کہ یہ گنگا مائی کا جنم دن ہے، اور اس روز جو گنگا میں اشنان کرے گا اس کے دس پاپ دُھل جائیں گے۔ ایک اور دسہرا آسن (آسو) کے مہینے کے پہلے دس دنوں کا بھرپور تہوار ہے، اس میں دُرگا دیوی کی معرکہ آرائی کی یاد منائی جاتی ہے۔ دُرگا پاربتی کا وہ روپ ہے جس میں اس نے مہیش نامی جن کو اپنے ہتھیار کے ایک ہی وار سے مار ڈالا تھا یہ بھی مانا گیا کہ اس مہینے (یعنی آسن) کے دسویں روز راجا رام چندر نے لنکا پر چڑھائی کی اور راون مارا گیا۔ شمالی ہند میں جہاں وشنونی پرستاری عام ہے۔ دسہرا اس کے اوتار رام چندر کی فتح ہی کا تہوار ہے۔

ہولی بہار رُت کا تہوار ہے۔ اس میں خاص وعوام سب نئے یا دُھلے ہوئے ستھرے لباس پہن کر نکلتے ہیں، سرخ اور زرد دُھول سے سب کے کپڑے گلزار ہوجاتے ہیں، کرشن اور گوپیوں کی اس لیلا کی یاد اس اُودھم سے تازہ کی جاتی ہے۔

دیوالی کاتک کے مہینے کا تہوار ہے، کاتک (یا کارتک) شوا در پاربتی کا فرزند ہے اور جنگ کا دیوتا ہے، دیوالی اسی کی جئے پکارنے کا تہوار ہے۔ اس روز ہندو لوگ کسی ندی میں اشنان کرکے اپنی اچھی سے اچھی پوشاک پہن کر نکلتے ہیں، اپنے آں جہانی اعزہ اور بزرگوں کی

روحوں کی خیر خواہی اور میزبانی کی نیت باندھ کر اس روز شرادھ کی رسم ادا کی جاتی ہے، یعنی برہمنوں اور عزیزوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے اور نذرانے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس رات دولت کی دیوی لکشمی کی پوجا کی جاتی ہے۔ گھروں کو چراغاں کرتے ہیں، کھلنڈرے لوگ رات بھر جوا کھیلتے ہیں۔

شوراتڑی ماگھر کے مہینے کے آخر میں سناتے ہیں، یہ شولنگم کا جنم دن سمجھا گیا ہے، دن کو برت رکھتے ہیں اور رات کو شو پوجا ہوتی ہے، کنواریاں رات کو بن ٹھن کر سنگار سے سج کر عطر لگا کر شو کے گن گاتی ہیں اور آس رکھتی ہیں کہ اس دیوتا کی دَیا سے ایک روز ان کے بیاہ کی شادیانے بجیں گے اور پھر بھری گود کی خوشیوں کے دن آئیں گے۔''

(کلچر کے روحانی عناصر: صفحہ ۳۴، ۳۵)

اسلام کا فلسفہ تہوار بے حد مختلف ہے۔ اسلامی تہواروں میں خشوع و خضوع، متانت، شائستگی اور وقار جیسے عناصر نمایاں ہوتے ہیں۔ اس میں 'اودھم' مچانے یا جوا کھیلنے یا راگ رنگ کا تصور تک نہیں ہے۔

ہندو معاشرے میں مذہب اور کلچر کے تعلق کو سمجھنے کے لئے یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ ہندوؤں کے ہاں مذہبی ذخیرہ زیادہ تر ان لوک داستانوں پر مشتمل ہے جو آریاؤں کی فتح کے بعد لکھی گئیں۔ اس مذہب کا باقاعدہ کوئی بانی نہیں ہے۔ ڈاکٹر داؤد رہبر کے الفاظ میں:

''ہندوؤں کی ملت کے حافظے میں پہلی بڑی یاد آریاؤں کی آمد ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ ہندو کلچر کا آغاز اسی سے ہوا۔ یاد رہے کہ ہندو مت کا بانی کوئی بزرگ نہیں بلکہ آریاؤں کی فتحِ ہند ہی کو اس کا بانی کہنا چاہئے۔ جس ملت کا بانی کوئی انسانی شخصیت نہ ہو، اس کا مزاج جکڑا ہوا نہ ہوگا یعنی اس میں لچک ہوگی۔ جہاں کوئی بانی بزرگ ہو اس بزرگ کی شخصیت کی چھاپ اس کے پیش کئے ہوئے مت پر ضرور ہوگی۔ مثلاً مہاتما گوتم بدھ کو ازدواج راس نہ آیا، بیوی بچے کو چھوڑ کر نکل بھاگے، اس کا اثر ان کے پیروؤں کے احساس پر برابر رہے گا، آنحضرت ﷺ از روئے سیرت گانے بجانے کے اشغال سے دور رہے اس سے مسلمانوں کے ہاں موسیقی کی فعالیت لہو ولعب قرار پا کر رِندی سے مربوط ہوگئی۔ کسی بانی کے نہ ہونے سے ہم کہیں گے کہ

معبودِ حقیقی صرف خدائی ذات ہے، ہندو کہے گا ہمارے جشن کی شرکت کو سو دیوتاؤں کی برات ہے۔" (ایضاً: صفحہ ۲۱)

قیامِ پاکستان اور ہندو مسلم ثقافت

اکیسویں صدی کے آغاز میں بھی پاکستانی دانشور مذہب اور ثقافت کے درمیان باہمی تعلق کے متعلق 'کنفیوژن' کا شکار ہیں۔ سیکولر اور اشتراکیت پسند ملاحدہ کی ہی محض بات ہوتی تو ہم شاید اس موضوع پر استدلال پیش کرنا تضیع اوقات سمجھتے، کیونکہ جب تک ان کے سرچشمہ ہائے فکر نہیں بدلتے، ان سے یہ توقع کرنا کہ وہ اس طرح کے دلائل کو درخور اعتنا سمجھیں گے، ایک عبث اور فضول کاوش ہوگی، لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں بہت سے فاضل دانشور ایسے بھی ہیں جو اسلام پسندی کو وجہِ افتخار سمجھتے ہیں، مگر جب مذہب اور کلچر پر بات ہو تو ان کے خیالات بھی وہی ہوتے ہیں جن کا ذکر مذہب بیزار دانشور کرتے ہیں۔ ایسے ہی بعض اسلام پسند دانشور بسنت جیسے ہندوانہ تہوار کو 'قومی ثقافتی تہوار' قرار دیتے ہیں اور اپنی اس رائے کے مضمرات پر ان کی توجہ ہرگز نہیں ہے۔ اسے ہم اپنی بدقسمتی قرار دیں یا پاکستانی قوم کے علمی و ثقافتی زوال کی علامت قرار دیں کہ آج ہمیں اپنے مسلمان دانشوروں سے یہ بات تسلیم کرانے کے لئے تقریباً اس طرح کا طرزِ استدلال اختیار کرنا پڑ رہا ہے، جس طرح کے طرزِ استدلال کی ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کی دہائی میں حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ اور بابائے قوم محمد علی جناح کو دو قومی نظریہ کی حقیقت سمجھانے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ علامہ اقبال نے ۱۹۰۸ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک اپنے اشعار، خطبات اور مضامین میں مسلم ملت کے جن منفرد اوصاف کا بار بار تذکرہ فرمایا، اس سے ہر شخص واقف ہے۔ ان کے کلامِ بلاغت نظام میں یہ مصرعہ تو اب ضرب المثل کی حقیقت اختیار کر گیا ہے۔ ؎

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی!

اصل مصیبت یہ ہے کہ آج کے دانشوروں کو ملتِ اسلامیہ کی یہی 'خاص ترکیب' ہی سمجھ

میں نہیں آئی۔ ورنہ وہ مذہب و ثقافت کے فلسفہ کے متعلق ابہام یا کنفیوژن کا شکار کبھی نہ ہوتے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جب برصغیر کی ملتِ اسلامیہ کے وکیل کی حیثیت سے مسلمانوں کے لئے الگ وطن کا مقدمہ لڑنے کی تیاریاں کیں تو سب سے بڑی رکاوٹ ان کے سامنے یہی تھی کہ وہ کانگریس کے متحدہ قومیت اور متحدہ ثقافت کے اس فریب انگیز فلسفہ پر کاری ضرب کس طرح لگائیں جس کی رو سے وہ دو مذاہب اور ایک ثقافت کی بات کرتے تھے۔ کانگریسی لیڈر بار بار کہتے تھے کہ ایک وطن میں رہنے والے مختلف مذاہب کے لوگوں کی ثقافت مشترکہ اور ایک ہوا کرتی ہے، لہٰذا محض مذاہب کے فرق کی بنا پر دو الگ ریاستوں کا قیام بلا جواز ہے۔۲۰ مارچ ۱۹۴۰ء کو مہاتما گاندھی نے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''میرے نزدیک ہندو، مسلمان، پارسی اور ہریجن سب برابر ہیں، میں غیر سنجیدہ نہیں ہوسکتا، جب میں قائداعظم محمد علی جناحؒ کے بارے میں بات کروں؛ وہ میرے بھائی ہیں۔''

۲۲/ مارچ ۱۹۴۰ء کو منٹو پارک میں عظیم الشان تاریخی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے گاندھی کے مندرجہ بالا الفاظ دہرائے اور طنز کے انداز میں فرمایا:

''لیکن میرا خیال ہے کہ وہ غیر سنجیدہ ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بھائی گاندھی کے تین ووٹ ہیں اور میرا صرف ایک ووٹ......'' (قائداعظم: تقریر و بیانات، مترجم: اقبال احمد صدیقی، شائع کردہ بزمِ اقبال لاہور: ج ۲/ص ۳۶۴)

اس تقریر میں قائداعظم نے ایک برطانوی اخبار کے اداریے پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

''لندن ٹائمز جیسے ایک مقتدر جریدے نے قانون حکومتِ ہند مجریہ ۱۹۳۵ء پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: ''بلا شبہ ہندو اور مسلمانوں میں اختلافات صحیح معنوں میں صرف مذہبی ہی نہیں بلکہ قانونی اور ثقافت کے اعتبار سے بھی ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ وہ فی الحقیقت دو بالکل نمایاں اور علیحدہ تہذیبوں کے نمائندے ہیں۔ تاہم وقت کے ساتھ توہمات ختم ہوجائیں گے اور ہندو ایک قوم کی شکل اختیار کرلے گا۔'' پس لندن ٹائمز کے نزدیک دشواریاں محض توہمات ہیں۔ ان بنیادی اور گہرے روحانی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی اور ثقافتی اختلافات کو تکلفاً 'توہمات' کہہ کر جھٹک دیا گیا۔ یقینی طور پر معاشرے کے بارے میں اسلام اور ہندومت کے

تصورات کے مابین فرق کو محض توہمات قرار دینا برصغیر ہند کی ماضی کی تاریخ کو بین طور پر نظر انداز کردیتا ہے۔ ہزار سال کے گہرے روابط کے باوصف اگر قوموں میں اس قدر بعد ہے، جتنا کہ آج ہے، تو یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی بھی وقت صرف اسی لئے ایک قوم بن جائے گی کہ ان پر ایک جمہوری دستور مسلط کردیا گیا۔'' (ایضاً،صفحہ ۳۷۰)

قائداعظمؒ نے ہندومت اور اسلام کی دو الگ الگ تہذیبوں کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اسی جلسے میں فرمایا:

''یہ سمجھنا بہت دشوار بات ہے کہ ہمارے ہندو دوست اسلام اور ہندومت کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے سے کیوں قاصر ہیں۔ یہ حقیقی معنوں میں مذاہب ہی نہیں ہیں، فی الحقیقت یہ مختلف اور نمایاں معاشرتی نظام ہیں اور یہ ایک خواب ہے کہ ہندو اور مسلمان کبھی ایک مشترکہ قوم کی سلک میں منسلک ہوسکیں گے۔ ایک ہندی قوم کا تصور حدود سے بہت زیادہ تجاوز کرگیا ہے اور آپ کے بہت سے مصائب کی جڑ ہے۔ اور اگر ہم بروقت اپنے تصورات پر نظر ثانی نہ کرسکے تو یہ ہند کو تباہی سے ہمکنار کردے گا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا دو مختلف مذہبی فلسفوں، معاشرتی رسم و رواج اور ادب سے متعلق ہے۔ نہ وہ آپس میں شادی بیاہ کرتے ہیں، نہ اکٹھے بیٹھ کر کھاتے پیتے ہیں۔ دراصل وہ دو مختلف تہذیبوں سے متعلق ہیں جن کی اساس متصادم خیالات اور تصورات پر استوار ہے۔ یہ بھی بالکل واضح ہے کہ ہندو اور مسلمان تاریخ کے مختلف ماخذوں سے وجدان حاصل کرتے ہیں، ان کی رزم مختلف ہے، ہیرو الگ ہیں اور داستانیں جدا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک کا ہیرو دوسرے کا دشمن ہوتا ہے اور اسی طرح ان کی کامرانیاں اور ناکامیاں ایک دوسرے پر منطبق ہوجاتی ہیں۔'' (ایضاً:صفحہ ۳۷۱)

گاندھی جیسے کٹر ہندو رہنما نے دو مختلف مذہبی فلسفوں کی بنیاد پر دو مختلف ثقافتوں کے تصور کے خلاف شدید ردِعمل کا اظہار کیا۔ اس نے ۱۹۴۱ء میں اپنے ایک بیان میں کہا:

''کیا یہ بات ہم بھول جائیں کہ بہت سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے آباء واجداد ایک تھے اور ان کی رگوں میں ایک جیسا خون دوڑتا ہے؟ کیا لوگ محض اس بنا پر ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں کہ وہ مذہب تبدیل کرلیں۔''

(روزنامہ ڈان: ۸ر مارچ ۲۰۰۴ء، مضمون سید فقیر اعجاز الدین)

مہاتما گاندھی نے ۱۵؍ستمبر ۱۹۴۴ء کو قائداعظمؒ کے نام ایک خط میں لکھا تھا:

''میں تاریخ میں اس کی مثال نہیں پاتا کہ کچھ لوگ جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب قبول کرلیا ہو، وہ اور ان کی اولاد یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد سے الگ قوم بن گئے ہیں۔ اگر ہندوستان اسلام کی آمد سے پہلے ایک قوم تھا تو اسلام کے بعد بھی اسے ایک قوم رہنا چاہئے۔ خواہ اس کے سپوتوں میں سے ایک کثیر تعداد نے اسلام قبول کرلیا ہو۔'' (نوائے وقت میگزین: ۷؍مارچ ۲۰۰۴ء)

بھارت کے موجودہ وزیراعظم واجپائی نے بھی اپنے ایک بیان میں بالکل یہی اُسلوب اپنایا:

''یہاں کے مسلمان اور عیسائی ہندوستان کے باہر سے نہیں آئے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد ہندو تھے۔ محض مذہب تبدیل کرنے سے ایک شخص کی قومیت یا ثقافت نہیں بدل جاتی۔'' (ڈان: ایضاً)

یہی وہ بنیادی فرق ہے جو اسلام کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد ایک فرد کی شناخت اس کا دین بن جاتا ہے۔ قوم، رنگ، نسل اور علاقہ محض ثانوی عناصر بن کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وہ بنیادی اساس ہے جسے علامہ اقبالؒ نے اسلامی قومیت کی تشکیل کے لئے 'خاص ترکیب' کا نام دیا۔ ایک ہندو تاحیات ہندو ہی رہے گا، اگر وہ ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہو چاہے وہ ہندومت کی تعلیمات سے مکمل انکار کیوں نہ کردے۔ اسلام اس طرح کے افراد کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے دامن میں قبول نہیں کرتا۔ جواہر لال نہرو ایک جدید ذہن رکھنے والے اشتراکیت پسند ہندو تھے۔ وہ اپنی کتاب 'میری کہانی' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ہندومت کے دائرے میں بے حد مختلف اور متضاد خیالات و رسوم داخل ہیں۔ اکثر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندومت پر صحیح معنوں میں مذہب کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ ممکن ہے ایک شخص کھلم کھلا خدا کا منکر ہو، لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص ہندو نہیں رہا۔ جو لوگ ہندو گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ چاہے کتنی ہی کوشش کریں، ہندومت ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں برہمن پیدا ہوا تھا اور برہمن ہی سمجھا جاتا ہوں، چاہے مذہبی اور سماجی رسموں کے متعلق میرے خیالات اور اعمال کچھ ہی ہوں۔'' ('ہندو کیا ہے؟' نوائے وقت میگزین، ۷؍مارچ ۲۰۰۴ء)

اسلام لانے کے بعد برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں کس درجہ میں تہذیبی تبدیلیاں

رونما ہوئیں اور کون کون سی تہذیبی رسومات تھیں جن سے وہ جہالت یا دیگر وجوہات کی بنا پر چمٹے رہے، اور اب تک برصغیر کے مسلمانوں کی تہذیبی و ثقافتی زندگی پر ہندو تہذیب کے کیا کیا اثرات باقی ہیں؟ یہ اور اس طرح کے دیگر عملی سوالات کا جواب مؤرخین نے اپنے تئیں دینے کی کوشش کی ہے اور بعض سوالات شاید ابھی تک تشنہ تحقیق ہیں۔ اس وقت ہمارے پیش نظر اہم ترین سوال یہ ہے کہ پاکستان جیسی اسلامی نظریاتی مملکت جس کا قیام ہی 'اسلامی ثقافت کی تجربہ گاہ' کے طور پر عمل میں لایا گیا تھا، میں خالص اسلامی کلچر کو فروغ دینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ جو شخص اس کی ضرورت سے انکار کرتا ہے، اس سے ہمیں بحث نہیں کرنا چاہئے، مگر وہ حضرات جو اس ضرورت کی اہمیت کا انکار نہیں کرتے، ان کے سوچنے کی بات ہے کہ کیا پاکستان میں ہندو کلچر کے نمایاں ترین مظہر تہواروں سے ثقافتی شغف برقرار رکھتے ہوئے کیا خالص اسلامی کلچر کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے؟ ہمارے خیال میں یہ بات بے حد مشکل ہے!!

پاکستانی کلچر پر تبصرہ

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی شادی بیاہ کی رسومات اور دیگر تقریبات میں ہندو کلچر کا کچھ نہ کچھ رنگ اب بھی باقی ہے۔ ان فرسودہ رسومات کو ترک کرنے کی بجائے بعض لوگ ان سے یوں استدلال بھی کرتے ہیں کہ جب دیگر باتوں میں ہندوانہ کلچر کے جراثیم باقی ہیں تو محض بسنت کو قومی تہوار کے طور پر منانے پر اعتراض وارد کیوں کیا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس طرح کا استدلال محض کج بحثی ہے۔ انفرادی سطح پر مختلف گھرانوں کی طرف سے بعض شادی بیاہ کی رسومات کی پاسداری اور قومی سطح پر اجتماعی انداز میں ایک تہوار منانے میں اصولی طور پر فرق ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ شادی بیاہ کی تقریبات میں نکاح اور اسلامی کلچر کے دیگر عناصر بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور بہت سے مسلمان گھرانے ایسے ہیں جو ان رسومات کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے، نہ ہی کوئی ان انفرادی رسومات کو تہوار کا مقام دیتا ہے۔ تہوار درحقیقت ان رسومات کا مجموعہ ہوتا ہے جسے پورا

معاشرہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسے مذہب سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ بسنت کو پاکستانی قوم کا 'قومی تہوار' کہنے والوں کو تہوار کے بنیادی فلسفہ کی حقیقت کا شاید علم نہیں ہے۔ لاہور جو 'بسنت' کا اصل گڑھ ہے، اس میں بھی لاکھوں افراد ایسے ہیں جو نہ صرف بسنت سے الگ تھلگ رہتے ہیں بلکہ اسے غیر اسلامی اور ہندوانہ تہوار سمجھتے ہیں۔ پنجاب کے دیگر شہروں میں 'بسنت' کو ابھی تک مقبولیت کا وہ درجہ نہیں مل سکا ہے۔ پھر ہم یہ بات کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب ہندو کہتے ہیں کہ 'بسنت' ہمارا مذہبی تہوار ہے جسے پاکستان کے مسلمان جوش وخروش سے مناتے ہیں تو پھر ہمیں اسے ہندوانہ تہوار سمجھنے میں تامل کیوں کر ہے۔ بھارت کی انتہا پسند جماعت شیوسینا کے راہنما بال ٹھاکرے نے بارہا بسنت کے موقع پر لاہوریوں کے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جب ہم کسی رسم کو اجتماعی تہوار کے طور پر منائیں گے تو یہ بات اسلام کے عمرانی فلسفے کی اجتماعیت سے متصادم ہوگی۔

ہمارے دانشوروں کی فکری تہی دامنی اور تخلیقی قوت کی کمی بھی کم عبرت آموز نہیں ہے۔ وہ اس قابل تو نہیں ہیں کہ اسلامی اقدار کی روشنی میں اسلامی کلچر کے تقاضوں کے مطابق کسی اجتماعی تقریب کا تصور پیش کریں، البتہ وہ بسنت جیسے ہندوانہ تہوار کو اپنا 'قومی تہوار' بنانے کے لئے اپنی تحریری وتقریری صلاحیتوں کا خوب استعمال کرتے ہیں۔ ہر قوم کے تہوار ایک مخصوص پس منظر رکھتے ہیں جو اس قوم کے اجتماعی تہذیبی شعور میں رچا بسا ہوا ہوتا ہے۔ بے مقصد تفریح کسی تہوار کی بنیاد نہیں ہوتی۔ مولانا عنایت اللہ وارثی قومی تقریبات کی بنیاد پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہر قوم اپنی ملکی وقومی روایت کے مطابق کسی خاص اہم واقعہ کو بنیاد قرار دے کر اجتماع کی ایک صورت پیدا کرلیتی ہے۔ جس وقت تک کسی قوم میں اجتماعی روح قائم رہتی ہے اور اجتماعیت کے فائدوں کا احساس قوم کے افراد میں موجود ہوتا ہے اس وقت تک تو اس قسم کے اجتماعات میں بھی افادیت کا پہلو غالب رہتا ہے۔ افراد وقوم اکٹھے ہوکر اپنی قومی زندگی کے اس اہم واقعہ کی یاد تازہ کرکے جس کی یاد کی بنیاد پر کسی اہم عملی مفید کارنامے کی وجہ سے ہردن

تقریب کی صورت میں منایا جار ہا ہے، اپنے دلوں میں ایک نیا جوش پیدا کر لیتے ہیں۔''
(اسلامی تقریبات، از مولانا عنایت اللہ وارثی: صفحہ ۱۶۵)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بسنت کا نام نہاد تہوار ہمارے کس قومی کارنامے کی یاد میں منایا جاتا ہے اور یہ کیسا قومی تہوار ہے جو قوم کے لئے خوشی کا باعث بننے کی بجائے وبالِ جان بنا ہوا ہے۔ یہ ہمارے معاشرے میں اجتماعیت کو فروغ دینے کی بجائے انتشار پھیلا رہا ہے۔

مولانا عنایت اللہ وارثی صاحب ایک تہوار کے پس پشت بنیادی تصور کی وضاحت کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''کسی دن کو تقریب کی صورت میں منانے والے حضرات خواہ کسی صورت میں منائیں۔ ان کا بنیادی تصور یہی ہوتا ہے کہ یہ دن وہی دن ہے جس دن میں فلاں ناقابل فراموش واقعہ رونما ہوا جس کو یادگار کی صورت قرار دے کر ہر سال منانا اور اس کی یاد کو تازہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ اس دن رونما ہونے والے واقعہ نے اس دن کو قومی سیاسی، دینی اور اعتقادی یا کسی بھی انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے یادگار رہنے کی خصوصیت یا شرف و اعزاز بخش دیا ہے۔ اس لئے اسے یاد رکھنا ہی ارادت یا عقیدت یا وفاداری کا ثبوت اور فخر کا سرمایہ ہے اور اسے بصورتِ یادگار منانے رہنے ہی سے اصل واقعہ کا تعلق اس خاص دن کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے جس کا قائم رہنا ناگزیر ہے۔ گویا تقریب کی بنیاد دراصل عمل ہی ہے۔''

سید ابوالاعلیٰ مودودی کسی قوم کے تہوار منانے کے انداز اور اس کے اخلاقی نصب العین کے مابین تعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تہوار منانے کے طریقے دنیا کی مختلف قوموں میں بے شمار ہیں۔ کچھ میں صرف کھیل کود اور راگ رنگ اور لطف و تفریح تک ہی تہوار محدود رہتا ہے۔ کہیں تفریحات تہذیب کی حد سے گزر کر فسق و فجور اور ناشائستگی کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔ کہیں مہذب تفریحات کے ساتھ کچھ سنجیدہ مراسم بھی ادا کئے جاتے ہیں اور کہیں ان اجتماعی تقریبات سے فائدہ اٹھا کر لوگوں میں اعلیٰ درجے کی اخلاقی روح پھونکنے اور کسی بلند نصب العین کے ساتھ محبت اور گرویدگی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ غرض ہر ایک قوم کا تہوار منانے کا طریقہ گویا ایک پیمانہ ہے

جس سے آپ اس کے مزاج اور اس کے حوصلوں اور امنگوں کو اعلانیہ ناپ کر دیکھ سکتے ہیں۔ اس طرح اخلاقی اعتبار سے کوئی قوم جتنی پست ہوگی وہ اپنے تہواروں میں اتنے ہی مکروہ مناظر پیش کرے گی۔ جتنی بلند اخلاقی روح کسی قوم میں ہوگی اتنے ہی اس کے تہوار اخلاقی اعتبار سے مہذب اور پاکیزہ ہوں گے۔'' (نشری تقریریں: صفحہ ۸۵)

جب مسلمان دیگر اقوام کے تہواروں کو اپنے 'قومی تہوار' سمجھ کر منانا شروع کر دیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کی جدید نسل کی اسلامی تہواروں (عیدین) سے جذباتی وابستگی ماند پڑ جاتی ہے اور ان کا تہوار منانے کا فلسفہ ہی بدل جاتا ہے۔ جنوری ۲۰۰۴ء کے دوسرے ہفتے میں انگریزی روزنامہ 'ڈان' میں ایک خاتون مصنفہ کا 'بسنت' کے موضوع پر مفصل مضمون شائع ہوا جس میں موصوفہ نے 'بسنت' کی رونقوں کو بے حد مبالغہ انگیز انداز میں بیان کرتے ہوئے اسے لاہوریوں کا سب سے عظیم تہوار قرار دیا۔ انہوں نے اپنے مضمون میں قارئین کی اطلاع کے لئے یہ بھی تحریر فرمایا کہ ان کے دو بیٹے اس وقت امریکہ میں زیر تعلیم ہیں، وہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے مواقع پر پاکستان آئیں یا نہ آئیں، مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بسنت کے تہوار کو منانے کے لئے نہ آئیں۔ بسنت منانے کے لئے وہ ایک مہینہ پہلے ہی پاکستان آجاتے ہیں۔ موصوفہ کا جس طبقہ سے تعلق ہے، اس میں اسلامی تہواروں سے عدم رغبتی کا رجحان بڑھ رہا ہے اور غیر مسلموں کی تقریبات میں دلچسپی روز بروز زیادہ ہو رہی ہے۔ ویلنٹائن ڈے جیسے شرمناک دن کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

پاکستان میں ثقافت اور مذہب کے درمیان تعلق کی بنیاد؟

ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب سابق وائس چانسلر جامعہ کراچی نے اسی حقیقت کا پاکستانی قوم کو ادراک کرانے کے لئے یہ سنہری الفاظ تحریر کئے ہیں:

''مذہب کلچر کی سطح پر آئے بغیر ایک علم کتابی ہے، فلسفہ اخلاق کا آدرش ہے اور بس۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ زندگی میں عملاً برتنے کے بعد مذہب کے آدرش نظام کی آدرشی شکل باقی رہی ہو۔ زندگی سے پورا رشتہ ناتا قائم رکھنے کے لئے مذہب کی یہی تہذیبی شکل اصلی و حقیقی شکل ہے۔''

(پاکستانی کلچر: صفحہ ۱۳۴)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اس مملکت کے عوام کا ان کے مذہب کے عوام سے گہرا جذباتی رشتہ ہے اور اسے وہ زندگی کی اہم ترین قدر جانتے ہیں۔ پاکستان میں مذہب نہ صرف معاشرت اور کلچر کا بنیادی عمل ہے بلکہ یہ معاشرے میں ایک مؤثر قوت کی حیثیت رکھتا ہے۔''

کلچر اور قوم کے روحانی تجربے کے درمیان ہم آہنگی کی ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''اس سلسلے میں ہم نے روحانی تجربے کی اہمیت کو بالکل محو کردیا اور بھول گئے کہ جغرافیائی حدود میں رہ کر ہڑپہ یا موہنجوداڑو کے وہ معنی ہرگز نہیں ہیں جو حدود سے باہر رہ کر بھی ہمارے لئے کعبے کے معنی ہیں۔ کعبہ ہمارا روحانی تجربہ ہے۔ اس کے برخلاف موہن جوڈرو اور ہڑپہ ہمارے روحانی تجربہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ ایک ہی قسم کے اینٹ اور چونے سے مندر اور مسجد تیار ہوتے ہیں۔ مندر ہمارے روحانی تجربے کا حصہ نہیں ہے، لیکن مسجد ہمارے تجربے کا حصہ ہے۔ آخر جو چیز ہمارے جذبات کو نہ ابھارے اور ہماری روایت سے بے تعلق ہو، ہمارا روحانی تجربہ کیسے بن سکتی ہے۔ یہاں تک کہ فراعنہ مصر کی تہذیب سے جدید مصر کا یا عہد ِجاہلیت کی تہذیب سے عرب تہذیب کا جو تعلق ہے وہ تعلق بھی ہمارا موہن جوداڑو، ہڑپہ اور گندھارا کی تہذیبوں سے نہیں ہے۔ آخر سوچنے کی بات ہے کہ صرف برتنوں، نقش گری اور اس کے نمونوں میں ہم اپنے روحانی رشتے کیسے تلاش کرسکتے ہیں؟ یہ اگر شامل بھی ہیں تو ہمارے کلچر میں صرف خارجی طور پر شامل ہیں۔ دراصل بنیادی مسئلہ تو روحانی تجربے، تاریخ اور روایت کا مسئلہ ہے اور یہی اصل معیار ہے۔'' (ایضاً: صفحہ ۷۰)

کلچر معاشرے کے مجموعی طرزِ عمل کا نام بھی ہے اور اس مجموعی طرزِ عمل کی تشکیل میں مرکزی کردار اس کے داخلی عناصر یعنی عقائد، فکری اساس اور مذہبی سوچ ادا کرتے ہیں، خارجی عناصر کی شکل وصورت بنانے میں بھی باطنی عناصر کا کردار اہم ہے۔ مہاتما بدھ کا مجسمہ بنانے والے فنکار کے فن کا اصل سرچشمہ اس کی بدھ مت سے وابستگی اور عقیدت ہوتی ہے۔ ہمارے

ہاں بنیادی مسئلہ کلچر کے داخلی اور خارجی عناصر کے درمیان پیہم کشمکش ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عقائد تو اسلام کے مطابق رہیں مگر ہمارا مجموعی طرزِ عمل دیگر اقوام کے تمدن کے خارجی مظاہر کی نقالی پر مبنی ہو۔ یہ ایک تہذیبی منافقت اور دوغلا پن ہے۔ جب تک یہ سلسلہ قائم رہے گا پاکستان کا قومی اسلامی کلچر اپنے تمدنی مظاہر کے ساتھ تشکیل کے مراحل طے نہیں کر پائے گا۔

داؤد رہبر پاکستانی ہیں، گذشتہ ۳۰ برسوں سے امریکہ میں کلچر اور تقابل ادیان پڑھاتے رہے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ مضمون ختم کرنے سے پہلے ان کے الفاظ بھی نقل کر دیئے جائیں، شاید اس طرح کے سیکولر دانشوروں کی آرا ہمارے ان روشن خیالی دانشوروں کے لئے فکری غذا فراہم کر سکیں جو مذہب اور کلچر کے باہمی رشتے کو اہمیت دینے کو تیار نہیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''فنونِ لطیفہ اپنی جگہ سہی، لیکن کلچر صرف فنونِ لطیفہ پر منحصر نہیں۔ کلچر زندگی کی ہانڈی پکانے کی ترکیب کا نام ہے۔ پوچھنا چاہئے کہ اس کلچر میں یا اس کلچر میں کیا کیا مسالے پڑے ہیں، ہر کلچر کی خاص اپنی بوباس ہوتی ہے جسے جسمانی زبان سے نہیں بلکہ ایک بے نام روحانی زبانی سے چکھا جاتا ہے۔ یہ ذائقہ لحہ بہ لحہ ایک پراسرار لطافت ہو ہوکر محسوس ہوتا رہتا ہے بہت سے ہندو کباب کھانے لگے ہیں، لیکن زندگی کے گھونٹ کا مزا ان کا بیشتر ہندو ہی رہے گا۔ مسلمان جب شراب پئے گا تو گویا عصیاں کا خطرہ مول لے کر...... کلچر کا مسالہ تو پیدا ہوتے ہی پڑنے لگتا ہے۔ ہندو بچہ جونہی پیدا ہوا۔ پنگھوڑے میں لٹا دیا گیا، نووارد کا نام تجویز ہوا، بھگوان داس، ہری پرشاد، گوری شنکر، برج بھوشن، سالک رام، اوما کماری، کملا دیوی، مسلمان بچہ متولد ہوا تو نام تجویز ہوا دین محمد، خدا بخش، یا غوث علی یا غلام رسول خان یا غلام حسین یا فاطمہ، زینب یا صفیہ۔ نام سے ایک پوری روایت گھٹی میں پڑ گئی اور پھر نمسکار اور السلام علیکم کے فرق پر غور کیجئے علیک سلیک کی ان ترکیبوں کے پیچھے اپنے اپنے عالم ہیں۔'' (کلچر کے روحانی عناصر: ص ۲۰)

اس پوری بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم بالآخر اس بنیادی سوال کی طرف لوٹتے ہیں کہ مذہب اور ثقافت کا باہمی تعلق کیا ہے؟ ہمارے خیال میں دین ایک برتر تصور ہے جو ثقافت کی حدود اور اس کے دائروں کا تعین کرتا ہے۔ اس اعتبار سے مذہب کا منصب ثقافت گری بھی ہے۔ اسلام محض ثقافت نہیں بلکہ 'دینی ثقافت' کا تصور پیش کرتا ہے جو دین و دنیا کے تمام اُمور کا احاطہ کرتی

ہے۔ مذہب کو ثقافت کے مقابلے میں برتر مقام دینے کی بنیادی وجہ اس کا احکامِ الٰہی پر مبنی ہونا ہے۔ علاوہ ازیں تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو مذہبی تعلیمات کا ظہور پہلے ہوا، ثقافتی مظاہر بعد میں سامنے آئے۔ ایک مسلمان کے عقیدے کے مطابق انسان نے اپنی زندگی کا آغاز خدائی حکم سے ایک نبی یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی قیادت میں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی معاشرے کی ابتدا میں مذہب و ثقافت کا وہ فرق ہی نہ تھا جو آج سمجھا جاتا ہے۔ آج ہم جن باتوں کو خالصتاً ثقافتی سرگرمیاں سمجھتے ہیں، زمانۂ قدیم میں یہ کسی نہ کسی قوم کی مذہبی اقدار پر مبنی تھیں۔ رقص اور موسیقی کو ہندومت میں آج بھی عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ تھیٹر اور اداکاری کا فن یونانی تہذیب سے ماخوذ ہے۔ یونانیوں سے یہ فن رومیوں نے سیکھا۔ یونانی اور رومی تہذیبوں میں تھیٹر کو عبادت گاہ کا درجہ حاصل تھا۔ ان کے خیال میں خدا کے اوتار نے زمین پر ظہور کیا تو گویا خدا اسٹیج پر آیا۔ یورپ میں بھی سترہویں صدی تک تھیٹر میں صرف مذہبی ڈرامے ہی پیش کئے جاتے تھے۔

اسلام چونکہ ابدی دین ہے جس میں آنے والے انسانوں کے لئے بھی ضابطہ حیات موجود ہے۔ اسی لئے اسلام نے اپنا الگ ثقافتی نصب العین بھی پیش کیا۔ بت پرستی چونکہ اسلام کے تصورِ توحید سے متصادم ہے، لہٰذا بت سازی یا مجسمہ سازی اسلامی ثقافت کے دائرے میں شامل نہیں ہیں۔ خدا کے اوتار کا روپ دھارنا اسلامی کلچر کی روح کے منافی ہے۔ آفاقی دین کی حیثیت سے اسلام نے تمام دنیا کے انسانوں کے لئے نظامِ معاشرت وثقافت تجویز فرمایا۔

ہمارے دانشوروں نے جس چیز کو 'دھرتی کی ثقافت' سمجھ کر تقدس کا درجہ دے رکھا ہے یہ درحقیقت آریاؤں کی ثقافت ہے۔ بعض سیکولر اور ملحد دانشور اسلامی ثقافت کو عربوں کی ثقافت کہہ کر اس کو ردّ کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، مگر وہ آریاؤں کی ثقافت سے جذباتی وابستگی رکھتے ہیں حالانکہ آریا جرمن نسل کے باشندے تھے جو مذہب کے الہامی تصور سے آشنا ہی نہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض صوفیا نے ہندوؤں کے تہواروں میں شرکت کے متعلق لچک کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگرچہ ان کا یہ دعویٰ بھی محل نظر ہے، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ہزاروں سال پہلے

بعض صوفیا نے ہندوؤں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے حکمت کے تقاضوں کے مطابق اسلام میں نئے داخل ہونے والوں کے لئے اس طرح کی رعایت دی تو آج کے مسلمان اس رعایت کو اپنا استحقاق کیوں سمجھتے ہیں۔ اس وقت تو برصغیر میں اسلامی ثقافت کا آغاز ہی ہوا تھا، کیا آج تک ہم اسی ارتقا اور قومی اعتبار سے ناپختگی کی منزل میں ہیں کہ ہندوؤں کی ثقافت کو اپنی ثقافت سمجھنے کے فریب میں مبتلا رہیں۔ یہ بات بے حد افسوسناک ہے کہ ہمارے ہاں اب تک ثقافت کو اسلامی نظریۂ حیات کی روشنی میں جانچنے کی علمی روایات نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمارے جدید دانشوروں نے اپنے زعم میں 'کٹھ ملائیت' کے خلاف شدید ردعمل ظاہر کرنے کو ہی اپنے علم و فضل کا واحد معیار بنا لیا ہے۔ اسلامی کلچر کی تشکیل و ارتقا اور اسلام کے تہذیبی اداروں کو مقامی ثقافت کے ساتھ جوڑنے جیسے اہم کام کو بالکل نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ اس کوتاہی کے نتیجے میں پاکستان کی قومی ثقافتی زندگی شدید پیچیدگیوں کا شکار ہے۔ ہمارے معاشرے کے اسلامی خدوخال نکھرنے کی بجائے دھندلاتے جارہے ہیں، جبکہ ہندو اور مغربی تہذیب کے اثرات کا رنگ نمایاں ہوتا جارہا ہے۔

اگر ہم اسلام کو انسانی زندگی کے لئے مکمل نظامِ حیات سمجھتے ہیں، اگر ہم اسلام کو ثقافت کے باطنی و خارجی عناصر کا محوری نکتہ سمجھتے ہیں تو پھر اس کا منطقی نتیجہ اس کے علاوہ کوئی اور نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اپنے کلچر کے مظاہر کو اسلام کی اقدار کے مطابق ڈھالیں۔ ہمارے کھانے پینے، رہنے سہنے، اوڑھنے، سونے کے سب طریقے، ہمارے خیروشر کے معیارات، ہماری تقریبات، ہماری خوشی وغمی کے مواقع، ہماری معیشت، ہمارے فنون و ہنر، ہماری سیاست، ہمارا ادب اور ہمارے تہوار منانے کے طریقے غرض ہماری زندگی کے سب دائرے اسلامی فکر کے نور سے روشنی پائیں۔ ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی قومی زندگی میں مذہب اور کلچر کے درمیان جہاں کہیں اختلاف یا تصادم دیکھیں، وہاں مذہب کو محکم اور فیصلہ کن قوت تسلیم کریں اگر ہمارا یہی رویہ بن جائے تو تب ہماری قومی ثقافت صورت گر ہوگی!!

بسنت اور امیر خسرو

برصغیر میں مسلمانوں نے بسنت کا تہوار منانے میں کب اور کس طرح دلچسپی لی؟ کوئی بھی مستند تاریخی حوالہ اس ضمن میں موجود نہیں ہے۔ دورِ حاضر کے بعض مصنّفین نے موسیقی کی طرح بسنت کو بھی 'سندِ جواز' عطا کرنے کے لئے جناب امیر خسرو دہلوی کے متعلق کہنا شروع کیا ہے کہ اس کا آغاز اُنہوں نے کیا تھا۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے افسانوی اور رنگین پیرایہ اختیار کیا ہے۔ جناب امیر خسرو بلاشبہ ایک عظیم شاعر، ادیب اور اپنے وقت کے نابغہ عصر فاضل انسان تھے، اس کے علاوہ جناب نظام الدین اولیا کے بے حد عزیز ترین مصاحبین و مریدین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ آخری عمر میں ان کو تصوف اور روحانی اشغال سے بے حد والہانہ لگاؤ ہوگیا تھا۔ اس لئے یہ بات حیران کن ہی نہیں، پریشان کن بھی معلوم ہوتی ہے کہ امیر خسرو جیسا صوفی منش مسلمانوں میں ایک ہندوانہ تہوار کی شروعات کا باعث بنا ہو۔

❁ راقم الحروف کا خیال ہے کہ امیر خسرو سے بسنت کو منسوب کرنا درست نہیں ہے۔ امیر خسرو سے منسوب اس قصہ میں سب سے زیادہ رنگ آمیزی 'فرہنگِ آصفیہ' کے مؤلف سید احمد دہلوی نے پیدا کی ہے۔ سید احمد دہلوی تحریر میں رنگ بھرنے کے لئے حسنِ مبالغہ سے بھرپور کام لیتے تھے، تاریخی حقائق کی صحت و صداقت کی طرف ان کا دھیان کم تھا۔ 'فرہنگِ آصفیہ' کے علاوہ 'رسومِ دہلی' اور 'ہادیٔ النساء' جیسی کتابیں ہماری ان کے متعلق اس رائے کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ ان کی تحریر میں زبان کا چٹخارہ اور طبیعت کی جولانی دیگر تمام عناصر پر حاوی نظر آتی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں، سید احمد دہلوی نے امیر خسروؒ سے بسنت کا آغاز کس طرح ثابت

کر دکھانے کی مبالغہ آمیز کاوش کی ہے۔ 'فرہنگِ آصفیہ' میں بسنت کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

''...... پہلے اس میلہ کا مسلمانوں میں دستور نہ تھا۔ حضرت امیر خسرو دہلوی نے اس میلہ کو رواج دیا۔ جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ آپ کے پیرو مرشد سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا قدر اللہ سرہ العزیز کو اپنے پیارے اور خوبصورت بھانجے مولانا تقی الدین نوح سے جو درحقیقت حسن صورت میں یکتائے زمانہ وخلق وسیرت میں بے ہمتا ویگانہ تھے، کمالِ اُلفت اور نہایت ہی محبت تھی۔ ساتھ ہی آپ کے بھانجے کو بھی آپ سے اس قدر اُنس تھا کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھ کر دعا مانگتے تھے کہ الٰہی میری عمر بھی محبوبِ الٰہی کو دے دے تاکہ ان کا روحانی فیض عرصہ دراز تک جاری رہے۔ اِدھر حضرت کی یہ کیفیت تھی کہ دم بھر ان کے بغیر چین نہیں پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نماز میں اپنی دائیں جانب کھڑا کرتے تاکہ اوّل ان کے چہرۂ مبارک پر نظر پڑے اور بعد میں دوسرا سلام پھیرا جائے۔ قضائے کار بھانجے صاحب کی دعا قبول ہوئی اور وہ اٹھتی جوانی ہی میں اس جہان سے اُٹھ گئے۔ اس دفعتہً کی دائمی مفارقت نے حضرت کو عجب عالم اور غضبِ ماتم سے پالا ڈالا:

اوّل عشق است برما ہجر مپسند اے فلک
صبر کن چند انکہ ما مستوجب ہجراں شویم
ملنا تو ایک بار نہ موقوف ہم سے کر
تا رفتہ رفتہ ہم تیرے ہجراں سے خُو کریں

غرض آپ کو یہاں تک صدمہ اور رنج والم ہوا کہ آپ نے یک لخت، جس راگ کے بغیر دم بھر نہیں رہتے تھے، اسے بھی ترک کر دیا۔ جب اس بات کو چار پانچ مہینے کا عرصے گزر گیا تو آپ تالاب کی سیر کو، جہاں اب باؤلی بنی ہوئی ہے، مع یارانِ جلسہ تشریف لائے۔ ان دنوں میں یہاں بسنت کا موقع اور بسنت پنچمی کا میلہ تھا۔ امیر خسرو کسی سبب سے ان سب کے پیچھے رہ گئے۔ دیکھا کہ کھیتوں میں سرسوں پھول رہی ہے، ہندو کالی دیوی یا کالکا جی کے مندر پر، گڑوے بنا بنا کر خوشی خوشی گاتے، بجاتے چلے جاتے ہیں، انہیں بھی یہ خیال آیا کہ میں بھی اپنے پیر کو خوش کروں۔ چنانچہ اس وقت ان کے دل میں ایک خوشی اور انبساط کی کیفیت پیدا

ہوئی۔ اس وقت دستارِ مبارک کو کھول کر پیچ اِدھر اور کچھ اُدھر لٹکائے۔ ان میں سرسوں کے پھول اُلجھا کر یہ مصرع الاپتے ہوئے اُسی تالاب کی طرف چلے، جدھر آپ کے پیرو مرشد تشریف لے گئے ؎ اشک ریز آمدہ است ابرِ بہار

جہاں تک اس آلاپ کی آواز پہنچتی تھی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک زمانہ گونج رہا ہے۔ ایک تو حضرت فن موسیقی کے نائک اور عدیم المثل سرود خواں تھے۔ دوسرے اس ذوق شوق نے اور بھی آگ بھڑکا دی۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ محبوبِ الٰہی کو خیال آیا کہ آج ہمارا ترک یعنی خسرو کہاں رہ گیا۔ عجب نہیں جو کچھ سریلی بھنک بھی کان میں پہنچی ہو۔ آپ نے پے در پے دو چار جیسوں کو انہیں لینے بھیجا، وہ جو تلاش کرتے ہوئے آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ عجب رنگ سے آپ گاتے ہوئے مستانہ چال و معشوقانہ انداز سے خراماں خراماں جھومتے ہوئے چلے آتے ہیں۔ وہ بھی کچھ ایسے مدہوش ہوئے کہ اسی رنگ میں مل گئے۔ ہر چیز کہ 'در کان نمک رفت نمک شد'......غرض ایک شخص واپس آیا

قاصد ماد ویدہ مے آید
دریدہ باید چہ دیدہ مے آید

اور آتے ہی کہا کہ حضرت! امیر خسرو کے پاس سے جا کر آنا کٹھن ہے، رنگ میں رنگ مل جاتا ہے۔

یارانِ رفتگاں کا کسی سے کھلا نہ حال
وہ بھی ہوا وہیں کا جو لینے خبر گیا

آپ اُن کی کیفیت سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور اپنے مونس و غمگسار ترک کو لینے چلے۔ خسرو نے دور سے دیکھتے ہی اشکوں کے موتی نثار کرنے شروع کر دیے۔ جس وقت حضرت قریب آئے، بے تاب ہو کر یہ شعر پڑھا ؎

اشک ریز آمدہ است ابر بہار
ساقیا گل بریز بادہ بیار !!!

دوسرے مصرع کا سننا تھا کہ حضرت بے تاب ہوکر اپنے دامان وگریبان کا چاک کر ڈالنا اور گلے میں بانہیں ڈالے ہوئے لئے چلا آنا۔ کہتے ہیں ایک عرصہ تک رقت کا بازار گرم رہا اور اہل ذوق مرغِ بسمل کی طرح تڑپتے اور پھڑکتے رہے

مصحف بود آں سرکہ بسود اے تو باشد

کعبہ بود آں دل کہ دور جالے تو باشد

غرض اس وقت سے مسلمانوں میں یہ میلہ بھی شروع ہوگیا۔''

یہ روایت من گھڑت، موضوع اور لغو معلوم ہوتی ہے۔ جناب نظام الدین اولیا کے متعلق مستند تذکروں میں اس کا بیان نہیں ملتا۔ نظام الدین اولیا کے بہت قریبی مرید حضرت حسن نے فؤاد الفؤاد کے نام سے ان کے متعلق مفصل تذکرہ تحریر کیا، اس میں بھی یہ روایت موجود نہیں ہے۔ سید احمد دہلوی موسیقی کے دلدادہ انسان تھے۔ انہوں نے جناب نظام الدین اولیا کے متعلق یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے نہایت غیر ذمہ دارانہ حرکت یہ کی ہے کہ ان کے متعلق یہ تاثر دیا ہے کہ وہ ''راگ کے بغیر دم نہیں بھرتے تھے۔''

ایک صوفی بزرگ کے متعلق یہ کہنا گستاخانہ جسارت ہے۔ امیر خسرو کے متعلق ان کا یہ لکھنا۔ ''جہاں تک اس الاپ کی آواز پہنچتی تھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک زمانہ گونج رہا ہے۔'' بھی ان کی اپنی اختراع اور طبع زاد فسانہ ہے۔ امیر خسرو کے متعلق تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ جب انہوں نے نظام الدین اولیا کی مجلس میں شرکت کی، تو موسیقی اور راگ رنگ کو بالکل خیر باد کہہ دیا۔ مولانا نور احمد فریدی نے 'تذکرہ مشائخِ چشت' میں واضح دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ امیر خسرو کو موسیقی سے دلچسپی محض عالم شباب تک تھی، بعد میں وہ اس شغل سے متنفر ہوگئے تھے۔ آج جو لوگ ان کو طبلہ کھڑکاتے ہوئے دکھاتے ہیں، وہ تاریخی حقائق سے روگردانی کرتے ہیں۔ عمر کے آخری حصے میں وہ 'فن موسیقی کے نائک' نہیں رہے تھے۔ یہ شغل صوفیانہ مسلک کے منافی ہے۔ تعجب ہے کہ کلچر کے دلدادہ لوگ ایک طرف تو انہیں صوفی بزرگ سمجھتے ہیں اور دوسری طرف انہیں 'فن موسیقی کا نائک' بھی کہتے ہیں۔ مولانا نور احمد خان

فریدی نے 'مشائخِ چشت' میں جناب نظام الدین اولیا کا اُصول تفصیل سے بیان کیا ہے مگر انہوں نے بسنت سے منسوب مذکورہ واقع کا ذکر بالکل نہیں کیا۔

منشی سید احمد دہلوی ۱۸۴۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۸ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کم وبیش اٹھارہ سال کی عمر میں تصنیف وتالیف اور تدوینِ لغت کا کام شروع کیا تھا۔ دہلی کی ٹکسالی زبان پر انہیں عبور حاصل تھا۔ انہوں نے تو امیر خسرو اور بسنت کے حوالے سے بیان کردہ واقعہ کو محض اتنا کہہ کر ختم کردیا: ''غرض اس وقت سے مسلمانوں میں یہ میلہ بھی شروع ہوگیا۔'' سوال پیدا ہوتا ہے کہ دہلی کے مسلمانوں میں امیر خسرو کو اتنا رسوخ کیسے حاصل تھا کہ انہوں نے ان کے اتباع میں ایک ہندوانہ تہوار منانا شروع کردیا۔ نہ ہی اس روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بعد کے سالوں میں امیر خسرو نے خود بسنت کو رواج دیا۔ فرض کیجئے کہ یہ مذکورہ واقعہ درست بھی ہو تو اس سے بسنت میلہ کا مسلمانوں میں آغاز ثابت کرنا مشکل ہے۔ سید احمد دہلوی کے بعد کے مصنّفین نے اپنے ذوق کے مطابق کہانی کے اس اُدھورے حصے کو مکمل کرکے اس میں اپنی جانب سے رنگ بھرنے کی کوشش کی۔

❀ 'ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر' کے مصنف نے بھی امیر خسرو کے حوالے سے اس واقعہ کو اپنے رنگ میں نقل کیا ہے۔ وہ البتہ روایت بیان کرنے سے پہلے یہ اعتراف ضرور کرتے ہیں: ''مگر تاریخ کی کتابوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مسلمانوں میں اس تہوار کی ابتدا کس طرح ہوئی'' (صفحہ: ۱۷۴) وہ اس روایت کو خواجہ حسن نظامی سے منسوب کرتے ہیں، اگرچہ انہوں نے خواجہ صاحب کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ روایت بھی ملاحظہ کیجئے:

''کہا جاتا ہے کہ بہار راگ اور میلہ بسنت نے بھی حضرت امیر خسرو کی طبیعت کو متاثر کیا تھا۔ مگر تاریخ کی کتابوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مسلمانوں میں اس تہوار کی ابتدا کس طرح سے ہوئی۔ اس سلسلہ میں خواجہ حسن نظامی مرحوم نے یہ روایت بیان کی ہے کہ ساتویں صدی ہجری کے اختتام پر حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا کے حقیقی بھانجے مولانا تقی الدین نوح نے، جو خواجہ رفیع الدین ہارون کے چھوٹے بھائی تھے، عنفوانِ شباب میں بعارضۂ دق

اس دارِ ناپائیدار سے انتقال فرمایا۔ حضرت سلطان المشائخ کو اس لائق ہونہار، سعید اور صالح بھانجے سے بہت اُلفت تھی۔ حضرت کو صاحبزادے کے انتقال سے ایسا صدمہ پہنچا کہ عالم سکوت طاری ہوگیا۔ یہاں تک کہ چھ ماہ تک آپ نے اس صدمہ کی وجہ سے تبسم نہیں فرمایا۔ حضرت کے یارانِ جاں نثاروں میں تمام دہلی میں ان صاحبزادے کے انتقال سے عام ماتم اور کہرام تھا۔ خصوصاً حضرت امیر خسرو کو علاوہ اپنے رنج وصدمہ کے حضرت سلطان المشائخ کے اس صدمے اور پریشانی کی وجہ سے کسی وقت قرار نہ تھا۔ وہ ہمہ وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی سامان حضرت کی شگفتگی اور غم غلط ہونے کا پیدا ہوجائے۔ ایک دن اپنے چند دوستوں کے ہمراہ جنگل میں سیر کرتے پھرتے تھے، بہار کے خوشنما موسم کا آغاز تھا۔ ہرے بھرے کھیتوں میں سرسوں کے زرد پھول بہار دکھا رہے تھے۔ سامنے پہاڑ پر کالکا جی کا مندر تھا اور بسنت پنچمی کا دن تھا۔ مندر پر میلہ لگا ہوا تھا اور مورت پر سرسوں کے پھول کا مینہ رنگ دکھا رہا تھا اور اکثر لوگ عجیب خودرفتگی سے ترانے الاپ رہے تھے۔ جب امیر خسرو نے یہ منظر دیکھا تو اس خوشنما منظر کا ان کے دل پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اسی وقت فارسی اور ہندی کے چند شعر موزوں کیے۔ جنگل سے سرسوں کے پھول توڑے اور پگڑی کو ذرا کج کرکے اس طرز سے باندھا کہ مستانہ شان معلوم ہوتی تھی۔ اس ہیئت سے ان اشعار کو الاپتے ہوئے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت سلطان المشائخ اس وقت حسبِ دستور مرحوم خواہر زادہ کے مزار پر گئے ہوئے تھے اور قریب ہی ایک برجی میں جلوہ افروز تھے۔ آپ خسرو کی یہ مستانہ ادا دیکھ کر فارسی اور ہندی کے اشعار اس رنگ میں سن کر بہت محظوظ ہوئے۔ کامل چھ مہینے کے بعد تبسم فرمایا۔ اس دن سے آج تک بسنت پنچمی کے دن جب ہندو کالکا جی کے مندر جاتے ہیں تو دہلی اور قرب وجوار کے خاص اور ممتاز صوفی چند قوالوں کو لے کر سرسوں ہاتھ میں لئے اشعار پڑھواتے ہوئے اوّل اس مقام پر جہاں سلطان المشائخ اس دن تشریف رکھتے تھے، جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے خواہر زادہ مولانا تقی الدین نوح کے مزار پر ہوتے ہوئے حضرت کے روضۂ اقدس پر آتے ہیں۔ قوال ہندی کی ٹھمریوں کو پڑھ کر اس شعر کو بار بار پڑھتے ہیں:

اشک ریز آمد است ابر بہار

ساقیا گل بریز و بادہ بیار''

❀ ثقافتی روایات بیان کرنے والے مصنّفین میں ایک عام رجحان یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ واقعات کے بیان کرتے ہوئے اپنی طرف سے اضافہ کرنے میں ذرا بھی نہیں شرماتے۔ مستند حوالہ جات کا اندراج ان کی طبع پر گراں گذرتا ہے، بعض اوقات تاریخی اور مذہبی شخصیات کے متعلق بے بنیاد واقعات کا طومار بھی باندھتے ہوئے نہیں ہچکچاتے۔ قصہ گوئی، افسانہ نویسی اور تاریخ بیانی میں یہ لوگ بہت کم فرق ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ پنجاب آرکائیوز کے سابق ڈائریکٹر چوہدری نذیر احمد صاحب نے ۲۰۰۲ء میں 'بسنت؛ لاہور کا ثقافتی تہوار' کے عنوان سے کتاب تحریر کی۔ ان سے بجا طور پر توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ تاریخی واقعات کی صحت کا خیال ضرور رکھیں گے، مگر انہوں نے اپنی کتاب میں نہ صرف مذکورہ بالا واقعہ مختصراً بیان کیا بلکہ اس میں یہ بھی اضافہ فرمایا:

''حضرت امیر خسرو دہلوی نے اپنے پیرو مرشد حضرت نظام الدین اولیا کی خوشنودی کی خاطر اس رسم کو نہ صرف خود اپنایا بلکہ اپنے مریدوں کو بھی اسے اپنانے کی ترغیب دی۔'' (ص:۱۱)

ان کا مکمل بیان ملاحظہ فرمائیے:

''تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین دہلی کے عہد (۱۲۵۳ تا ۱۳۲۵ء) میں ہندوؤں میں بسنت میلے کا رواج موجود تھا۔ اس میلے کی مقبولیت اور غرض و غایت کو دیکھتے ہوئے حضرت امیر خسرو دہلوی نے اپنے پیرو مرشد حضرت نظام الدین اولیا کی خوشنودی کی خاطر اس رسم کو نہ صرف خود اپنایا بلکہ اپنے مریدوں کو بھی اسے اپنانے کی ترغیب دی۔ اس طرح برصغیر کے مسلمانوں میں بسنت کی اس رسم کا باقاعدہ رواج ہوا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ سیر کو گئے۔ اس وقت بسنت کا ہی موقع اور بسنت پنچمی کا میلہ تھا۔ امیر خسرو کسی وجہ سے دوسرے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے۔ دیکھا کہ کھیتوں میں سرسوں پھول رہی اور ہندو، کالی دیوی کے مندر پر گڑوے بنا بنا کر خوشی خوشی گاتے بجاتے لئے جارہے ہیں۔ انہیں بھی خیال آیا کہ میں بھی اپنے پیر کو خوش کروں۔ یہ خیال آتے ہی اسی وقت دستارِ مبارک کو کھول کر کچھ پیچ اِدھر اور کچھ اُدھر لٹکائے اور ان میں سرسوں کے پھول الجھا کر یہ مصرعہ الاپتے ہوئے اسی

تالاب کی طرف چلے جدھر آپ کے پیرومرشد تشریف لے گئے تھے:

اشک ریز آمدہ است ابر بہار

خسرو نے دور سے دیکھتے ہی اشکوں کے موتی نچھاور کرنا شروع کردیئے۔جس وقت حضرت قریب آئے تو بے تاب ہوکر یہ شعر پڑھا:

اشک ریز آمدہ است ابر بہار

ساقیا گل بریز بادہ بیار''

موصوف نے کوئی تاریخی حوالہ نہیں دیا مگر پھر بھی برصغیر کے مسلمانوں میں بسنت کی اس رسم کا باقاعدہ رواج اپنے تئیں ثابت کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

❀ یکم فروری ۲۰۰۴ء کے نوائے وقت کے میگزین میں 'جشن بہاراں؛ بسنت اور پتنگ بازی' کے عنوان سے حامد اکبر صاحب کا مضمون شائع ہوا۔موصوف لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کی جانب سے اس تہوار کے اپنائے جانے کا قصہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔روایت ہے کہ بارہویں صدی کے صوفی بزرگ حضرت نظام الدین اولیا اپنے بھانجے تقی الدین نوح کی بے وقت رحلت سے اتنے دل گرفتہ ہوئے کہ دنیا سے کنارہ کش ہوگئے ،خود کو حجرے تک محدود کرلیا۔لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا،حجرے سے باہر نکلتے تو قبرستان میں بھانجے کی قبر پر بیٹھے گریہ وزاری کرتے رہتے۔ان کے مرید خاص حضرت امیر خسروؒ مرشد کی اس حالت سے سخت پریشان تھے،سمجھ نہ آتا کہ حضرت کے غم کا مداوا کیسے ہو۔جاڑا رخصت ہوا،بہار کی آمد آمد ہے۔امیر خسرو پریشانی میں گم قبرستان کی جانب چلے جاتے کہ مرشد کا دیدار ہو۔کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ہندو ناریوں کی ٹولی بناؤ سنگھار کئے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لئے ناچتی گاتی چلی آتی ہیں۔خسرو حیران ہوئے ایک کنیا کو روکا۔استفسار پر پتہ چلا کہ بسنت پنچمی ہے اور یہ ٹولی بھگوان کرشن کی خوشنودی کے لئے گاتی بجاتی مندر کی طرف جاتی ہے جہاں بڑی پوجا ہوگی۔خسرو کے ذہن میں بجلی سی کوندی۔اسی دم ان لڑکیوں جیسا سوانگ بھرا اور ہاتھوں میں سرسوں اور چنبیلی کے ہار لئے ناچتے گاتے قبرستان کی طرف چلے۔حضرت نظام الدین اولیا

قبرستان میں بھانجے کی قبر پر سر نہوڑائے بیٹھے ہیں۔ پائل کی جھنکار سنی تو سر اٹھایا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ناری ہاتھوں میں ہار پھول لئے ناچتی گاتی قبرستان کی جانب آتی ہے۔ قریب آنے پر خسرو کو پہچانا تو بے اختیار مسکرانے لگے۔ مہینوں بعد مرشد کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی تو خسرو کو جیسے درِ مقصود مل گیا اور رقص میں وجد کی سی کیفیت آ گئی۔ اس واقعہ کا دیگر مریدین پر اتنا اثر ہوا کہ بسنت کو ایک مسلم تہوار کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ ہر سال مریدین بہار کی آمد کے موقع پر سرسوں اور چنبیلی کے ہار لئے مرشد کے آستانے پر حاضری دیتے اور قوالی کی محفلیں منعقد کی جاتیں۔ چشتی سلسلے کے بزرگوں نے بھی اس روایت کو زندہ رکھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس تہوار کی شدت اور عقیدت میں اضافہ ہوتا گیا۔

احیاے اسلام کے لئے برصغیر پاک و ہند میں آنے والے بزرگانِ دین کی اکثریت نے مقامی زبان و معاشرت میں خود کو رنگ لیا تاکہ اجنبیت کا احساس جاتا رہے اور مقامی لوگوں کی اصلاح و تبلیغ میں آسانیاں پیدا کی جاسکیں۔ ماہ و سال گزرتے گئے اور یہ تہوار و درگاہوں سے نکل کر عام شہری زندگی میں رچ بس گیا۔''

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مضمون نگار نے تحریر کیا:

''حضرت نظام الدین اولیاء نے پائل کی جھنکار سنی تو سر اٹھایا......''

ان کے بیان کے مطابق امیر خسرو کے رقص میں وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی، حامد اکبر نے محض اس پر ہی اکتفا نہیں کیا، یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ''چشتی سلسلہ کے بزرگوں نے اس روایت کو زندہ رکھا۔'' یہ سراسر بہتان ہے کہ چشتی سلسلہ کے اولیا نے بسنت منانے کی روایت کو زندہ رکھا۔ اس قدر غیر ذمہ دارانہ اور جھوٹی بات کہتے ہوئے انہوں نے کسی ایک چشتی بزرگ کا حوالہ دینا بھی مناسب نہ سمجھا جو ہر سال اپنی قیادت میں بسنت کا میلہ مناتے تھے۔ موصوف نے اپنے مضمون میں یہ تاثر دینے کی کوشش بھی کی ہے کہ بزرگانِ دین نے بسنت جیسے تہواروں کو اسلام کی اشاعت کا ذریعہ بھی بنایا، اس سے زیادہ لغو بات اور کیا ہوسکتی ہے؟

❁ پروفیسر عزیز احمد اپنی مایہ ناز تحقیقی کتاب 'برصغیر میں اسلامی کلچر' جس کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے کیا ہے، میں لکھتے ہیں: ''امیر خسرو ہندو مذہب اور رسم و رواج کے خلاف تھے لیکن

ہندوستانی ماحول سے اُلفت رکھتے تھے۔'' (صفحہ: ۱۷۲) اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ ان سے یہ منسوب کرنا کہ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں میں بسنت جیسے ہندوانہ تہوار کو رواج دیا، ایک نہایت غیر ذمہ دارانہ اور بے بنیاد بات ہے۔

امیر خسرو سے دیگر بھی بہت سی باتیں منسوب ہیں جو ان کی شخصیت سے میل نہیں کھاتیں اور حقیقت سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ مثلاً:

① ایک صاحب لکھتے ہیں کہ: ''سلطان محمد تغلق کی تعریف میں امیر خسرو نے کئی قصیدے لکھے ہیں۔'' جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت امیر خسرو کو محمد تغلق کا زمانہ نصیب ہی نہیں ہوا۔ ۷۲۵ ہجری میں وہ تخت نشین ہوا، اسی سال آپ فوت ہوئے۔

(تذکرہ مشائخ چشت، صفحہ: ۲۲۱)

② شریف کنجاہی نے امیر خسرو پر ایک کتابچہ لکھا ہے۔ اس میں ان کا ذکر اس طرح کیا ہے گویا وہ راگ رنگ کے رسیا اور موسیقی کے جگت گرو تھے۔ وہ جہاں جاتے تھے، دھما چوکڑی کا ہی پروگرام بناتے اور ان کا ذہن ہمہ وقت سرتال کی ایجاد میں کھویا رہتا تھا۔ مگر مولانا عبدالحق محدث دہلوی ان کے متعلق لکھتے ہیں:

''وہ ہر شبِ تہجد میں سات پارے قرآنِ مجید تلاوت کرتے اور شب کے آخری حصہ میں گریہ زاری فرماتے تھے۔'' (ایضاً، صفحہ: ۲۲۳)

③ بلبن ۶۸۶ ہجری میں فوت ہوا۔ اس وقت امیر خسرو ۳۱ برس کے تھے۔ بطور اچھے شاعر ان کی شہرت ایران تک پہنچ گئی تھی مگر ابھی نہ راگ ایجاد کئے تھے، نہ کسی نے انہیں نائک کا اعزاز دیا تھا۔ سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں شعروشاعری کے ساتھ امیر خسرو نے موسیقی کی طرف توجہ دی اور یہ امر اختیاری نہ تھا۔

④ امیر خسرو کی زندگی کا تیسرا دور ۷۱۳ھ سے شروع ہوتا ہے جبکہ 'افضل الفوائد' میں انہوں نے خود لکھا ہے کہ خواجہ کے ہاتھ پر انہوں نے دوبارہ بیعت کی۔ اس وقت سے آپ کی دنیا بدل گئی۔ جو کچھ نقد اسباب تھا سب خدا کی راہ میں لٹا دیا۔ (ایضاً)

بسنت ہندوانہ تہوار ہی ہے!

مختصر تاریخی حقائق اور حوالہ جات

کسی تہوار کو ہندوانہ رسم ثابت کرنے کے لئے تاریخی حقائق اگر کچھ اہمیت رکھتے ہیں، تو یہ بات تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ بسنت ہندوانہ تہوار ہے۔ وہ لوگ جو ان تاریخی حقائق سے چشم پوشی کرتے ہیں اور بسنت کو محض ایک موسمی اور مسلمانوں کا ثقافتی تہوار کہتے ہیں، ان کی رائے مغالطہ آمیز اور غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ ہم نے اس موضوع پر ایک دوسرے مضمون میں تفصیلاً بحث کی ہے، یہاں درج ذیل تاریخی حوالہ جات کو یکجا کر دیا گیا ہے، تاکہ قارئین ان مختصر حقائق کی روشنی میں بسنت کے تہوار کی حقیقی حیثیت کا فوری طور پر ادراک کر سکیں۔

① 'کتاب الہند'

ہندوانہ تہوار بسنت کے متعلق قدیم ترین مستند حوالہ معروف مسلمان ریاضی دان اور مؤرخ ابو ریحان البیرونی کے ہاں ملتا ہے۔ البیرونی نے آج سے تقریباً ایک ہزار سال قبل ہندوستان کا سفر کیا تھا، کلر کہار ضلع چکوال کے نزدیک کٹاس کے مقام پر اس زمانے میں معروف یونیورسٹی جہاں انہوں نے ہندو فضلاء و حکماء اور پنڈتوں سے ہندوستانی علوم سیکھے، انہوں نے اسی مقام پر 'کتاب الہند' تحریر کی جس میں یہاں کے باشندگان، ہندوستانی کلچر، ہندوؤں کے رسوم و رواج، علوم وفنون اور مذہب و فلسفہ کے متعلق بیش بہا معلومات فراہم کی ہیں۔ اس کتاب میں 'بسنت' کے بارے میں ان کی یہ عبارت آج بھی سند مانی جاتی ہے۔

''عید بسنت: اسی مہینے (یعنی بیساکھ) میں استواء ربیعی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے۔ ہندولوگ حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ جیٹھ کے پہلے دن جو اجتماع یعنی اماوس کا دن ہے، عید کرتے ہیں اور نیا غلہ تبرکاً پانی میں ڈالتے ہیں۔'' (کتاب الہند، از البیرونی، ترجمہ سید اصغر علی، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، اردو بازار لاہور، صفحہ:۲۳۸)

استواء ربیعی جو البیرونی کی عبارت میں 'عید بسنت' کے دن کے تعین کے طور پر استعمال ہوا ہے، کسے کہتے ہیں؟ سورج سال میں دو مرتبہ خط استواء پر آتا ہے۔ ایک مرتبہ سردیوں کے اختتام اور بہار کے آغاز پر، اس کو 'استواء ربیعی' کہتے ہیں۔ ربیع کا مطلب ہے بہار، دوسری مرتبہ گرمیوں کے اختتام اور خزاں کے آغاز پر، اسے استواء خریفی کہتے ہیں۔ خریف بمعنی خزاں......'' ('بسنت کیا ہے؟' صفحہ:۲۳)

۲ 'ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت'

یہ منشی رام پرشاد ماتھر بی۔ اے کی کتاب کا عنوان ہے۔ اس کتاب کے سرورق پر یہ الفاظ تحریر ہیں: ''اس میں منطقہ حارہ، ریگستان کی صورت، بکری فصل، ہجری، اور عیسوی سنوں کی ضرورت، دعا کی قوت، اور خدا کی عجیب حکمت کا اظہار کر کے ہندوؤں کا زبردست اخلاقی اور تمدنی انتظام بیان کیا گیا ہے اور ہندو تیوہاروں کی ضرورت کو ثابت کیا گیا ہے'' یہ کتاب علامہ اقبال کی زندگی میں شائع ہوئی کیونکہ اس کے متعلق تعارف میں یہ لکھا گیا ہے کہ مصنف نے اس کتاب کا ایک نسخہ علامہ اقبال کو بھی بھجوایا تھا جو انہوں نے پسند فرمایا، اس کتاب پر مصنف کو بھارت مہامنڈل خطاب بھی عطا کیا گیا اور یہ کتاب ہندوستان کے پرائمری سکولوں کے نصاب میں بھی شامل رہی ہے۔ اس کتاب میں رام پرشاد لکھتے ہیں:

''بسنت پنچمی: اب فصل کے بار آور ہونے کا اطمینان ہو چلا۔ اور کچھ عرصہ میں کلیاں کھل کر تمام کھیت کی سبزی زردی میں تبدیل ہونے لگی۔ اس لئے کاشتکار کے دل میں قدرتی امنگ اور خوشی پیدا ہوئی ہے۔ وہ زرد پھولوں کو خوش خوش لا کر بیوی بچوں کو دکھاتا ہے اور پھر سب مل

کر بسنت کا تیوہار مناتے ہیں اور زرد پھول اپنے اپنے کانوں میں بطور زیور لگاتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اے پرتما! ہماری محنت کا پھل عطا کر اور پھولے ہوئے درختوں میں پھل پیدا کر۔'' (صفحہ:۱۰۲)

③ 'ہندو تیوہاروں کی دلچسپ اصلیت'

یہ بھی منشی رام پرشاد ماتھر کی ایک دوسری کتاب کا عنوان ہے۔ اس کتاب میں بھی بسنت پنچمی کا ذکر وہ کئی جگہ کرتے ہیں۔ مثلاً

(i) ''صفحہ نمبر ۱۲۶ پر بسنت پنچمی کی تقریباً مندرجہ بالا تفصیلات درج کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں: ''بسنت پنچمی کو وشنو بھگوان کا پوجن ہوتا ہے'' (صفحہ:۱۲۶)

(ii) اسی کتاب کے ایک باب ''ہماری ضروریات کے لحاظ سے تیوہاروں کی تقسیم'' میں علوم وفنون کے تیوہاروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 'جاڑوں میں بسنت پنچمی' ہوتا ہے۔ (ص:۱۹۵)

(iii) اس کتاب کے باب ''تیوہاروں کے انتظامی حالات و وجوہ'' میں مختلف تہواروں کا ذکر کرتے ہوئے سیریل نمبر ۳۶ پر بسنت پنچمی کے متعلق لکھا ہے:

''فصل میں پھول پیدا ہونے اور کلیاں کھلنے کی خوشی اور قدرتی نظارے کے لطف کا دن''

(صفحہ:۱۹۱)

(iv) مذکورہ کتاب کے باب 'مختلف صوبہ جات کی مختلف رسمیات' کے نام سے شامل باب میں بسنت پنچمی کا تذکرہ یوں ملتا ہے:

''بسنت پنچمی: یہ تیوہار گجرات، پنجاب، ممالک متحدہ اور راجپوتانہ وغیرہ میں زیادہ منایا جاتا ہے۔ دکھن میں بہت کم ہوتا ہے، وہاں اس روز امیر لوگ گاتے بجاتے ہیں اور مندروں میں اوتسو ہوتا ہے۔ راجپوتانہ میں بسنتی کپڑے پہنے جاتے ہیں، بنگالہ میں اس کو سری پنچمی کہتے ہیں اور سرستی کی پوجا کرتے ہیں۔ قلم دوات نہیں چھوتے۔ اگر لکھنے کا ضروری کام آ جاتا ہے تو تختی پر کھریا سے لکھتے ہیں۔ شام کو بچے قسم قسم کے کھیل کھیلتے ہیں اور دوسرے دن سرستی کی مورتی کسی تالاب میں ڈال دیتے ہیں۔ اس روز کہیں کہیں 'کامدیو' اور اس کی بی بی 'رتی' کی پوجا ہوتی ہے۔ اضلاع اودھ اور قرب و جوار میں اس روز نوا کی رسم ہوتی ہے، یعنی لوگ نیا اناج

استعمال کرتے ہیں۔اوکھلا اور بندک پور (جی آئی پی ریلوے) میں بسنت کا میلہ تین دن تک ہوتا ہے۔ممالکِ پورب وغیرہ میں بھی موسم بہار کا اسی قسم کا ابتدائی تیوہار ہوتا ہے۔''

(v) اس کتاب میں مختلف ہندو تہواروں کا جدول اور فہرست شامل کی گئی ہے جس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندومت میں مختلف تہواروں کو کس طرح اہمیت دی گئی ہے۔قارئین کی دلچسپی کے لئے اس جدول کا ایک صفحہ یہاں ہو بہو نقل کیا جاتا ہے:

نمبر	نام تیوہار	مہینہ وتھ	کس نے کس کو بتلایا	کتاب	کیفیت
۴۹	بسنت پنچمی	ماگھ سدی پنچمی			اس روز کا مدیون اور رتی کی پوجا ہوتی ہے کامدیو کو شیو جی نے بھشم کر دیا وہ مچھلی کے پیٹ سے نکلا اور پرومن ہوا اس کی جھنڈی پر مچھلی کی شکل تھی۔
۵۰	سیتلا گھشٹی	ماگھ سدی چھٹھ	گھشٹی دیوی نے بڈھی برہمنی کو		بنگالہ اور مشرقی ہند میں یہ تیوہار ہوتا ہے۔
۵۱	چلا ستمی یا سوریہ ستمی	ماگھ سدی سمی	بشٹ جی نے اندومتی رنڈی کو اور سری کرشن نے جدھشٹر کو	بھوشتر پران	یہ برت مہاراشٹر میں ہوتا ہے اور سخت بیمار اچھے ہو جاتے ہیں۔اندومتی مہاراجہ سمر کی رنڈی تھی اس نے بشسٹ جی سے اپنی نجات کی ترکیب پوچھی انہوں نے یہ برت بتایا
۵۲	بھشما اشٹمی	ماگھ سدی اشٹمی		پدم پران	اس روز بھیشم پتامہ کا انتقال ہوا تھا یہ ان کے شرادھ کا دن ہے یہ شرادھ باپ کی زندگی میں ہر لڑکا بھی کر سکتا ہے
۵۳	آسمانی کا پوجن	بیساکھ، اساڑھ			یہ برت لڑکے کی ماں کرتی ہے۔نمک نہیں کھاتی ، یہ امید کی دیوی کیس

نمبر	تیوہار	مہینہ وتھ	کس نے کس کو بتایا	حوالہ کتاب	کیفیت
۵۴		ماگھ اتوار کے روز			پوجا ہے ایک راجہ نے اپنے شریر لڑکے کو ملک سے نکال دیا۔امید کی دیوی نے اسے چار کوڑیاں دیں جن کے اثر سے وہ دوسرے شہر کے راجہ سے جوئے میں جیت گیا اور اس کی لڑکی بیاہ لی اور اپنے والدین کے پاس آیا اس کی کامیابی پر اس برت کا رواج ہوا۔

۵۵	شیور اتری	پھاگن بدی تر دوشی دیا چودس	شیو جی نے پاربتی جی کو اور مندر کے برہمنوں کے ذریعے سے ایک شکاری کو	لنگ پران اسکندھ پران اور ایشان سنگھتا	یہ تیوہار نیپال اور تمام ہندوستان میں ہوتا ہے ایک شکاری نے ہرنی اور ہرن پر رحم کھا کر شکار نہیں کیا دو ہرنی اور اس کے پیچھے ہرن ان تین ستاروں سے مرگشر نکشتر بنا ہے جو آسمان میں موجود ہے۔
۵۶	ہولی	پھاگن پرنماشی	بسشٹ جی نے راجہ پر تھوکو ناروجی نے راجہ جدھڑ کو	بھوشر تر پران	منجملہ ۱۴ منو کے اس روز ایک منو کا جنم ہوا ہے ۔ہولی جلا نا کئی شاستر کاروں نے بسنے آنے کا گیہیہ بتایا ہے، بعض اس کو سمت کے شروع میں اگن سروپ

④ 'فرہنگِ آصفیہ'

یہ معروف لغت مولوی سید احمد دہلوی کی تالیف کردہ ہے۔ اسے 'اردو سائنس بورڈ' لاہور نے چھاپا ہے۔ اس میں ''بسنت'' کے لفظ کے نیچے اس کے مطالب دیئے گئے ہیں اور اس کی تاریخی حیثیت کی وضاحت بھی کی گئی ہے، وہ بسنت کا ایک مطلب یوں بیان کرتے ہیں: ''وہ میلا جو موسم بہار میں بزرگوں کے مزیر اور دیوی دیوتاؤں کے استھانوں پر سرسوں کے پھول چڑھا کر کرتے ہیں'' اس کے بعد اس کی مزید تفصیل یوں درج ہے:

''اگرچہ اصل رت بیساکھ کے مہینے میں آئی ہے، مگر اس کا میلہ سرسوں کے پھولتے ہی ماگھ کے مہینے میں شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ موسم سرما میں سردی کے باعث طبیعت کو انقباض ہوتا ہے اور آمد بہار میں سیلان خون کے باعث طبیعت میں شگفتگی، امنگ اور ولولہ اور ایک قسم کی خاص خوشی اور صفراتی پیدائش پائی جاتی ہے۔ اس سبب سے اہل ہند اس موسم کو مبارک اور اچھا سمجھ کر نیک شگون کے واسطے اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں اور اوتاروں کے استھانوں میں مندروں پر ان کے رجھانے کے لئے یہ مقتضائے موسم سرسوں کے پھول کے گڑوے بنا کر گاتے بجاتے لے جاتے ہیں اور اس میلے کو بسنت کہتے ہیں۔ بلکہ یہی وجہ ہے کہ وہ رنگ کو اس سے مناسبت دینے لگے...... پہلے اس میلہ کا مسلمانوں میں دستور نہ تھا'' ...... ہندو کالی دیوی یا کالکا دیوی کے مندر پر گڑوے بنا بنا کر خوشی خوشی گاتے بجاتے چلے جاتے ہیں۔''

(صفحہ ۳۹۴،۳۹۵)

⑤ ابوالفضل

مغل شہنشاہ اکبر کے نورتن ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ہندو ماگھ کے مہینے میں تیسری، چوتھی، پانچویں اور ساتویں تاریخ کو چار تہوار مناتے ہیں۔ پانچویں تاریخ کو بسنت کا بڑا جشن ہوتا ہے اس روز رنگ اور عنبر ایک دوسرے پر چھڑکے جاتے ہیں، نغمہ وسرود کی مجلس منعقد کرتے ہیں۔'' (مغل شہنشاہوں کے شب و روز۔ مصنف سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ صفحہ ۳۴۷، نگارشات، میاں چیمبرز، ۳ر ٹیمپل روڈ، لاہور)

⑥ 'بہار دیوی'

ہندو دیو مالا میں موسم بہار کو بھی دیوی کا درجہ حاصل ہے اور اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ دیگر قدیم مذاہب اور تہذیبوں کا حال بھی مختلف نہیں ہے۔ وہاں بھی اسے مختلف ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ بہار دیوں کے مصر میں آئسس، شام وعراق میں عشار، یونان میں وینس، ایران میں ناہید، روم میں رسیرس، چین میں شیس، ہند میں درگا دیوی اور قدیم عرب میں زہرہ کہا جاتا تھا۔ (نوائے وقت: ۹ فروری ۲۰۰۳ء)

⑦ بال ٹھاکرے

بھارت کی انتہا پسند ہندو تنظیم شیو سینا کے سربراہ لاہور میں بسنت تہوار منانے پر ہر سال خوشی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ بسنت ۲۰۰۲ء کے موقع پر انہوں نے بیان دیا:

''لاہور میں بسنت ہندو مذہب کی عظیم کامیابی ہے۔ مسلمان تقسیم ہند سے پہلے بھارتی ثقافت اپنا لیتے تو لاکھوں افراد کی جان بچائی جاسکتی تھی۔ انہوں نے چھتوں سے گر کر ہلاک ہونے والے نوجوانوں کو اپنا شہید کہا۔''

(نوائے وقت، ضربِ مؤمن جلد ۵ شمارہ ۹، روزنامہ جنگ ۲۰ر فروری ۲۰۰۱ء)

⑧ کلدیپ نیئر

کلدیپ نیئر نامور بھارتی صحافی ہیں۔ ان کے مضامین روزنامہ نوائے وقت اور 'ڈان' میں

تواتر سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں وہ بسنت کے موقع پر لاہور میں موجود تھے۔ پاکستانیوں کا جوش وخروش دیکھ کر انہوں نے اخباری بیان دیا:

''پاکستان میں بسنت کا تہوار بھارت سے بھی زیادہ جوش سے منایا جاتا ہے۔ یہاں پر بسنت منانے کا انداز بھارت سے دیوالی کے میلے سے ملتا جلتا ہے۔ میں اس جشن سے بہت متاثر ہوا ہوں اور اہل لاہور کا جوش وخروش دیکھ کر حیران ہوں۔ یہاں سے اور بھارت کے ماحول میں کافی مماثلت پائی گئی ہے۔'' (روزنامہ جنگ: ۲۳رفروری ۱۹۹۸ء)

⑨ وجے کمار

وجے کمار بمبئی کا ایک ہندو نوجوان ہے جو ۲۰۰۰ء میں بسنت کے موقع پر لاہور آیا تھا، بعد میں اس نے ایک مضمون میں اپنے تاثرات بھی بیان کئے تھے۔ اس نے کہا:

''زندہ دلان لاہور کے بسنت منانے کے انداز کو دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ ہمارا نہیں بلکہ تمہارا مذہبی تہوار ہے۔'' (خبریں، کتابچہ 'واہ رے مسلمان' از سلیم رؤوف)

⑩ اندرجیت سنگھ

یہ بھی ایک ہندوستانی نوجوان تھا جو ۲۰۰۱ء میں بسنت کے موقع پر لاہور آیا تھا۔ اس نے بیان دیا:

''جس قدر لاہور میں بسنت کی دھوم دھام دیکھنے میں آئی ہے، اس سے تو یوں لگتا ہے کہ لاہور ہندوستان کا ہی حصہ ہے۔ ہمیں تو یہاں بسنت منا کر محسوس ہی نہیں ہوا کہ ہم ہندوستان میں ہیں یا پاکستان میں۔'' (روزنامہ جنگ، ۲۱رفروری ۲۰۰۱ء)

⑪ سونیا گاندھی

کانگریسی لیڈر سونیا گاندھی جو پاکستان کو ثقافتی طور پر فتح کرنے کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں بسنت کے موقع پر ان کا بیان شائع ہوا:

''ہم سیاسی طور پر نفرت کی بنیادیں ہلانے میں کامیاب ہوگئے ہیں اور یہی ہمارا سب سے

بڑا مقصد تھا۔'' (روزنامہ جنگ: ۲۲/فروری ۱۹۹۸ء)

مندرجہ بالا سطور میں درج شدہ تاریخی حوالہ جات اور ہندوؤں کے بیانات پڑھنے کے بعد کیا کوئی ایسا صحیح الفکر انسان ہے جو اس بات میں شک کا اظہار کرے کہ بسنت ہندوانہ تہوار ہے۔ بال ٹھاکرے اور دیگر ہندوستانی شہریوں کے بیانات ہماری دینی غیرت اور قومی حمیت کے لئے عبرت ناک تازیانہ نہیں ہیں؟ یہ ہم سب پاکستانیوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو آج بھی نہایت خلوص سے سمجھتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا تاکہ یہاں اسلام کے روشن اصولوں کو نافذ کیا جاسکے اور جو پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ کے طور پر دیکھنے کے تصور سے اب تک دست بردار نہیں ہوتے ہیں۔

بسنت اور ویلنٹائن ڈے
شرعی نقطہ نظر

زیر نظر مضمون مولانا حافظ مبشر حسین لاہوری کی کاوش ہے جس میں محترم عطاء اللہ صدیقی کے مضامین کے علاوہ ان سے بالمشافہ رہنمائی بھی حاصل کی گئی ہے۔صدیقی موصوف بسنت کے بارے میں شرعی نقطہ نظر کے متعلق تفصیل سے اپنے خیالات سپردِقلم کرنا چاہتے تھے مگر تواتر سے ناسازیٔ طبیعت اور پیشہ وارانہ مصروفیات کی وجہ سے وہ اس موضوع پر مقالہ لکھنے سے قاصر رہے۔کتاب کی جامعیت کا تقاضا یہی تھا کہ اس پہلو کو نظر انداز نہ کیا جائے، البتہ بسنت کی شرعی حیثیت پر بعض مزید تفصیلات کی ضرورت باقی ہے۔ممکن ہے دوسرے ایڈیشن تک صدیقی صاحب کے قلم سے ہی اُن کو کتاب کی زینت بنایا جاسکے۔

قارئین اس مضمون کو پڑھتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ بسنت کی مخالفت اور حمایت کے اسباب محض مذہبی نہیں ہیں۔صرف مذہبی طبقہ یعنی علماء دین ہی اس تہوار کے مخالف نہیں ہیں بلکہ لاکھوں لوگ ایسے ہیں جو مذہب سے گہری وابستگی نہ رکھنے کے باوجود بسنت کی حمایت نہیں کرتے اور بہت سے سیکولر افراد بسنت منانے کو غیر شریفانہ فعل سمجھتے ہیں۔مولانا مبشر حسین کی زیر نظر کاوش قابل تعریف ہے۔آپ ایک نوجوان عالم دین اور صاحبِ قلم ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف بھی۔ ادارۂ محدث کے تحقیقی شعبہ 'مجلس التحقیق الاسلامی' میں گذشتہ ۴،۵ سال کے دوران مختلف اہم موضوعات پر دادِ تحقیق دے چکے ہیں۔ (مرتب)

بسنت اور ویلنٹائن ڈے؛ حامی اور مخالف نقطہ ہائے نظر

موسم بہار کی آمد پر پاکستان میں بسنت میلہ، جشنِ بہاراں، پتنگ بازی، ویلنٹائن ڈے وغیرہ کے نام سے تہوار منائے جاتے ہیں۔ یہ تہوار کب، کیسے اور کیوں شروع ہوئے اور اسلامی نقطہ نظر سے ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں بنیادی طور پر دو نقطہ ہائے نظر

ہیں: ایک مذہبی اور دوسرا سیکولر ......سیکولر طبقہ کی حقیقت ہلڑ بازوں اور لفنگوں کے کردار سے سامنے آ جاتی ہے۔لہٰذا ہم پہلے دونوں نقطہ نظر بیان کریں گے، پھر سیکولر طبقہ کا عملی مظہر دکھائیں گے اور اس کے بعد شریعت کی روشنی میں اپنا تجزیہ پیش کریں گے۔ان شاء اللہ

مذہبی نقطہ نظر

مذہبی گروہ کا کہنا ہے کہ تہوار اور میلے ہر قوم کی اپنی مذہبی و ثقافتی اقدار و نظریات کے ترجمان ہوتے ہیں اور اسلام چونکہ ایک الگ مستقل الہامی دین ہے اس لیے اس کی اپنی روایات واقدار ہیں جن کی نمائندگی کے لئے خود اسلام کے پیغامبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی اُمت کے لئے دو تہوار (یعنی عیدالاضحیٰ وعیدالفطر) مقرر کردیے ہیں اور ان تہواروں پر خوشی، تفریح اور اظہارِ جذبات کی حدود بھی عملی طور پر طے کردی ہیں جب کہ اس سے پہلے دورِ جاہلیت میں مروّج دیگر تہواروں اور میلوں پر یکسر خطِ تنسیخ پھیر دیا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے مروی ہے کہ دورِ جاہلیت میں مدینہ کے لوگ سال میں دو تہوار منایا کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے) فرمایا: «وقد أبدلكم الله بهما خيرا منهما: يوم الفطر و يوم الأضحى» (صحیح سنن نسائی:۱۴۶۵)

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دونوں تہواروں کے بدلہ میں دو اور تہوار عطا کردیئے ہیں جو ان سے بہتر ہیں اور وہ ہیں: عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔''

لہٰذا اب کسی نئے یا پہلے سے مروّج غیر مسلموں کے تہوار کو اسلام میں داخل کرنا یا ازخود کوئی تہوار مقرر کرلینا نہ صرف جائز نہیں بلکہ دین میں اضافہ (یعنی بدعت جاری) کرلینے کے مترادف ہے جبکہ دوسری طرف عیدین کی شکل میں جو دو تہوار ہمارے لئے آنحضرت ﷺ نے مقرر فرما دیے ہیں ان میں بھی خوشی کے جذبات سے مغلوب ہوکر کسی ایسے اقدام کی اجازت نہیں جو اسلامی اقدار کے منافی یا اسلامی روح کے خلاف ہو خواہ وہ اسراف وتبذیر کی صورت میں ہو یا بے ہودگی اور جنسی بے راہ روی کی شکل میں!

اس پس منظر میں مذہبی گروہ کا کہنا ہے کہ 'بسنت' ہندوانہ تہوار ہے جبکہ 'ویلنٹائن ڈے' جنسی بے راہ روی میں ڈوبے عیسائی معاشرے کا من گھڑت تہوار ہے لہٰذا انہیں منانا غیر مسلم اقوام کی مشابہت کرنا ہے خواہ اسے منانے کی شکل من وعن وہی ہو جو اُن اقوام کے ہاں پائی جاتی ہے یا اس سے قدرے مختلف؛ بہرصورت یہ غیر مسلم اقوام کی مشابہت میں داخل ہے، جس کی وعید خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے:

«من تشبه بقوم فهو منهم» (ابوداود:۴۰۳۱)

''جس نے کسی (غیر) قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے۔''

سیکولر نقطہ نظر

بسنت اور ویلنٹائن ڈے کے بارے میں سیکولر اور آزاد خیال دانشور طبقہ کی رائے یہ ہے کہ بسنت مذہبی نہیں بلکہ علاقائی تہوار ہے اور ویلنٹائن ڈے خوشیاں اور محبتیں بانٹنے کا دن۔ اسلام علاقائی تہواروں کی مذمت نہیں کرتا بلکہ ''ہر خطے کے کلچر کو اپنے دامن میں سمو لینے کی صلاحیت رکھتا ہے، سوائے ان باتوں کے جن سے انسان کے اخلاقی وجود کو کوئی عارضہ ہوسکتا ہے۔'' (بسنت کا مسئلہ، از خورشید ندیم، روزنامہ جنگ، ۱۶/فروری ۲۰۰۴ء)

یہی بات ایک اور 'دانشور' نے اس انداز میں کہی ہے:

''موسم بہار کا تہوار منانے میں کیا خرابی ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اسلام نے مقامی رسوم ورواج کو کبھی پامال کیا اور نہ معصوم مسرتوں کو روندا۔ صرف یہ کہ قرینہ باوقار اور شائستہ ہونا چاہئے۔ ہم مدینہ کے ایک خاندان کو دیکھتے ہیں جہاں دوسو سال تک ایک دل آویز رسم جاری رہی۔ ہر صبح اور ہر شام ایک پکارنے والا پکار کر کہتا: جسے گوشت، روغن اور لذیذ کھانا درکار ہو ہمارے ہاں چلا آئے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد یہ گھرانا مسلمان ہوا اور رسم جاری رہی۔ ایک روایت کے مطابق دس روز تک خود آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس گھر سے کھانا بھیجا گیا۔[1] بسنت کی حمایت کرنے والوں نے جب یہ کہا کہ تہوار اس قوم کی ضرورت ہیں تو انہوں نے سچ کہا۔ قدم قدم پر اس سماج میں رکاوٹیں ہیں۔ صحت مند تفریحات کا اہتمام نہیں۔ لوگوں کی

روزمرہ زندگیاں پھیکی اور بدمزہ ہی نہیں بلکہ بوجھل اور مجروح ہوچکیں ......''

(بسنت، کالم نگار ہارون الرشید، روزنامہ جنگ، ۲۱ر فروری ۲۰۰۴ء)

علاقائی تہواروں کو اسلام کے دامن میں سمونے کی ایک اور دلیل موصوف نے یہ بھی دی ہے

''ایران میں اشاعتِ اسلام کے بعد بھی نوروز کا تہوار منایا جاتا۔ علما اس کی حوصلہ افزائی تو نہ کرتے تھے، لیکن کچھ زیادہ حوصلہ شکنی بھی نہیں۔ ہم صوفیوں کے ایک گروہ کو ان تقریبات میں شریک دیکھتے ہیں۔ بارہ سو برس ہوتے ہیں، دشت سوس کے ایک گاؤں میں احمد اپنے مرشد حسین بن منصور حلاج کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آمدِ بہار کی مبارکباد پیش کرے۔ حسین نے جنہیں شہادت کے رتبے پر فائز ہونا اور آنے والی تمام صدیوں میں ایک مہکتا ہوا استعارہ بننا تھا، سر اُٹھا کر اسے دیکھا اور یہ کہا: ''میرا نوروز ابھی نہیں آیا......'' [۲] (ایضاً)

سیکولر طبقہ کی نمائندگی کرنے والوں کا کہنا ہے:

''یہ صحیح ہے کہ بسنت کے تہوار کے ساتھ بھی بہت سی خرابیاں وابستہ ہوگئی ہیں، ضرورت ہے کہ ان خرابیوں کی اصلاح ہو، لیکن اس کا یہ طریقہ نہیں کہ ہم بسنت ہی کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے لئے دلائل تراشنے لگیں یا اسے غیر مسلم قوم سے متعلق قرار دیں۔ اس کا صحیح طریقہ یہی ہوسکتا ہے کہ ہم لوگوں کو مسلسل متوجہ کرتے رہیں کہ کیسے وہ اس تفریح سے زیادہ حظ اٹھا سکتے ہیں اور کیسے خرابیوں سے بچ سکتے ہیں جن کے نتیجے میں انسانی جان بھی جاسکتی ہے۔'' ('بسنت کا مسئلہ' از خورشید ندیم، روزنامہ جنگ، ۱۶ر فروری ۲۰۰۴ء)

ویلنٹائن ڈے کے حوالہ سے اس طبقہ فکر کی رائے یہ ہے:

''اس روز اگر خاوند اپنی بیوی کو از راہِ محبت پھول پیش کرے یا بیوی اپنے سرتاج کے سامنے چند محبت آمیز کلمات کہہ لے تو اس میں آخر حرج کیا ہے؟'' [۳]

---

① یہ سخاوت اور انسان دوستی کی اعلیٰ قدر کی مثال ہے اسے لہو ولعب کی بے مقصد رسموں سے آخر کیا نسبت؟ کہاں اعلیٰ کردار کا نمونہ اور کہاں سفلی جذبات کا کھیل! ؎ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک!

② غالی صوفی حسین بن منصور حلاج کا کردار اہل علم کے ہاں کتنا قابل قدر ہے کہ اس کو نمونہ کے طور پر پیش کیا جائے؟ اہل علم اس سے بخوبی آگاہ ہیں!!

③ خاوند بیوی کی محبت پر اعتراض کا کسی کو حق حاصل نہیں، یقیناً یہ پسندیدہ عمل ہے لیکن اظہارِ محبت کے طور طریقوں کے لئے نام نہاد 'ویلنٹائن ڈے' کا انتخاب ٹھیک نہیں۔ ...... مرتب

لفنگوں اور اوباشوں کا رویہ

بسنت اور ویلنٹائن ڈے کے حوالہ سے اوباش طبقہ کا کردار سیکولر سوچ کی عکاسی کرتا ہے کیونکہ یہ تہوار دراصل اسی طبقہ کے لوگ مناتے ہیں جب کہ ان من چلوں کی تائید کے لئے سیکولر طبقہ نام نہاد دانشوری پر اتر آتا ہے۔ مزید برآں مغربی تہذیب کی دلدادہ این جی اوز اسلام کے خلاف سازش کے طور پر ان کے ساتھ نہ صرف شریک ہوتی ہیں بلکہ ان کی تفریح میں لہو ولعب اور شور وغل کو مہمیز دیتی ہیں تاکہ ایسی تفریح کے پردہ میں غیر اسلامی کلچر کو پروان چڑھانے کے مواقع پیدا کئے جاسکیں۔

یہ طبقہ کن لوگوں پر مشتمل ہے؟ اور یہ تہوار کس 'شان وشوکت' سے منایا جاتا ہے؟ اس کا مشاہدہ تو بسنت کے شب وروز میں لاہور اور دیگر بڑے شہروں کی پررونق عمارتوں اور وڈیروں کی کوٹھیوں بلکہ 'کوٹھوں' پر کیا جاسکتا ہے جبکہ اس کا دھندلا سا عکس متعلقہ دنوں کے اخبارات اور میگزینوں کے صفحات پر بھی دکھائی دیتا ہے۔

مذکورہ تہوار منانے والا اصلی طبقہ تو یہی ہے اور یہ کبھی نہیں چاہے گا کہ کوئی ان کی عیاشی ودلربائی میں رکاوٹ بنے۔ انہیں اپنے تہوار کے لئے چند دن ہی درکار ہیں، اس کے علاوہ باقی سارا سال پتنگ بازی پر پابندی رہے، اس سے انہیں کوئی غرض نہیں، لیکن ان کی تفریح کے خاص ایام کو پھیکا کرنے کی کوئی کوشش ہو تو یہ فوراً حقِ آزادی، تفریحِ طبع وغیرہ کا وِرد کرنے لگتے ہیں اور میڈیا بھی ان کی ہم نوائی میں خم ٹھونک کر کھڑا ہوجاتا ہے جبکہ 'سرکار' کے لئے پہلے ہی خوشی کے چند لمحات محفوظ کردیئے جاتے ہیں، اس لئے ان کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز اور ان کی طرف بڑھنے والا ہر قدم روک دیا جاتا ہے لہٰذا انہی کا پلڑا بالآخر بھاری ثابت ہوتا ہے۔

تجزیہ وتاریخی پس منظر

بسنت، پتنگ بازی اور ویلنٹائن ڈے کے حامیوں اور مخالفوں کے دلائل وآرا کے تجزیہ کے علاوہ صحیح نقطہ نظر کی توضیح کے لئے ضروری ہے کہ مذکورہ تہواروں کا تاریخی پس منظر بھی

بیان کردیا جائے۔

پتنگ سازی اور پتنگ بازی

پتنگ سازی اور پتنگ بازی کا آغاز کب اور کس مقصد کے لئے ہوا؟ اس کے بارے میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں، تاہم معروف یہی ہے کہ پتنگ سازی کا آغاز ہزاروں سال قبل مسیح چین سے ہوا پھر چینی تاجروں نے اسے کوریا، ایشیا اور برصغیر میں متعارف کروایا اور آج بھی پتنگ سازی کی صنعت میں چین ہی سب سے آگے ہے۔ باقی رہا پتنگ بازی کا مسئلہ تو یہ مختلف مقاصد کے لئے کی جاتی رہی ہے، مثلاً:

① تفریح طبع، کھیل تماشہ اور مقابلہ بازی کے لئے اور آج بھی دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی پتنگ بازی ہوتی ہے، عام طور پر اس میں کھیل ہی کی نیت کارفرما ہوتی ہے۔

② پیغام رسانی کے لئے: کہا جاتا ہے کہ جنگِ عظیم اوّل میں برطانوی، فرانسیسی، اٹالین اور روسی افواج نے دشمن کی نقل وحرکت کا اندازہ لگانے اور اپنی افواج کو سگنلز دینے کے لئے پتنگ بازی سے کام لیا تاہم ہوائی جہاز کی ایجاد اور افواج میں فضائیہ کا شعبہ قائم ہوجانے کے بعد پتنگ باز فوجی یونٹس کو ختم کردیا گیا۔ اسی طرح محبوب اپنی محبوبہ کو پیغام پہنچانے کے لئے پتنگ بازی سے فائدہ اُٹھاتا۔

③ دیگر فوجی مقاصد کے لئے: کہا جاتا ہے کہ چین کے ایک جنرل ہان ہنسن نے پتنگ اُڑا کر جائزہ لیا کہ اس کے فوجیوں کو شہر کے اندر پہنچنے کے لئے کتنی لمبی سرنگ کھودنا پڑے گی۔ یہ فاصلہ معلوم کرنے کے بعد وہ سرنگ کھود کر شہر کے اندر داخل ہوگیا اور دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔

④ سائنسی مقاصد کے لئے: پتنگ بازی کو سائنس دانوں نے بھی اپنی ایجادات کے تجربات میں استعمال کیا۔ ہوائی جہاز کی ایجاد کو بھی پتنگ بازی کی مرہونِ منت قرار دیا جاتا ہے۔ بنجمن فرینکلن، جس نے ۱۷۵۲ء میں بجلی ایجاد کی، نے آسمانی بجلی اور لیبارٹری میں

پیدا ہونے والی بجلی کا موازنہ کرنے کے لئے پتنگ بازی کا استعمال کیا۔ الیگزینڈر گراہم بیل نے ہوا کی رفتار، بیرومیٹر کا پریشر اور ہوا میں نمی جاننے کے لئے مسلسل ۴۰ سال تک پتنگوں کے تجربات کیئے۔ ۱۷۴۹ء کو سکاٹ لینڈ میں الیگزینڈر رولسن نے موسمی درجہ حرارت ریکارڈ کرنے کے لئے پتنگ کے ساتھ تھرما میٹر باندھ کر اُڑایا۔ اسی طرح ہرگریو نے ۱۸۹۳ء میں چوکور ساخت کی پتنگیں اس مقصد کے لئے ایجاد کیں جو فوراً ہی دنیا بھر میں ہوا کا دباؤ معلوم کرنے کے لئے مقبول ہوگئیں۔

⑤ مذہبی مقاصد کے لئے: جس طرح پتنگ بازی کو دیگر مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا اسی طرح اسے مذہبی مقاصد کے لئے بھی اختیار کیا گیا۔ مثلاً چین ہی کے لوگ توہم پرستی کے پیش نظر مختلف ساخت اور مختلف رنگوں کے پتنگ اپنے مذہبی دیوتاؤں کو مختلف پیغام پہنچانے کے لئے اُڑانے لگے۔ اسی طرح جاپان اور کوریا کے لوگوں نے اس توہم پرستی میں پتنگ بازی کو اختیار کیا کہ اس سے بدروحیں بھاگتی اور فصلیں زیادہ پیداوار دیتی ہیں۔ نیپال کے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ پتنگوں سے دیوتاؤں کو یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ اب زمین پر بارش کی ضرورت نہیں۔ ہندو اور بدھ مت کے پیروکار پتنگ بازی کے تہوار کو 'درگا دیوی' سے منسوب کرتے ہیں۔ درگا دیوی کو ان کے ہاں ایسی دیوی ماتا خیال کیا جاتا ہے جو دُکھی انسانیت کو برائیوں کے چنگل سے چھڑاتی ہے۔ اسی طرح لاہور میں، 'بابا گڈی سائیں' کے نام سے ایک دربار ہے جو شاہی قلعہ کے عقبی گیٹ کے بالکل سامنے واقع ہے۔ اس کا نام 'گڈی سائیں' اس لئے معروف ہوا کہ لوگوں کے بقول بابا جی پتنگ اُڑا کر ان کی مشکلات دور کردیا کرتے تھے اور لوگ بھی پتنگیں اور ڈوریں انہیں بطورِ نذرانہ پیش کرتے۔

یہ تو تھی پتنگ سازی اور پتنگ بازی کی مختصر تاریخ، اب آیئے 'بسنت' کا جائزہ لیتے ہیں:

'بسنت' ہندوانہ مذہبی تہوار

جن خطوں میں موسمی تغیرات 'بہار' کی فضا مہیا کرتے ہیں، وہاں عام طور پر خوشی اور تفریح کے لئے لوگ اپنے اپنے انداز میں جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً ایران میں موسم بہار کی آمد پر نو دن طویل جشن منایا جاتا ہے جسے 'نوروز' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں 'درگا دیوی' کو خوش کرنے کے لئے بسنت کا تہوار منایا جاتا جیسا کہ البیرونی ہندوستان کی علاقائی تاریخ پر اپنی مستند تصنیف 'کتاب الہند' باب ۷۶ میں 'عیدین اور خوشی کے دن' کے عنوان کے تحت ہندوستان میں منائے جانے والے مختلف مذہبی تہواروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسی مہینہ میں استوائے ربیعی ہوتا ہے جس کا نام 'بسنت' ہے۔ اسکے حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں، دیوتاؤں کی نذر چڑھاتے ہیں"

گویا بسنت ہندوؤں کا مذہبی تہوار تھا بلکہ اس کی اہمیت ان کے ہاں 'عید' سے کم نہ تھی۔

بسنت اور پتنگ بازی کا اکٹھ

بسنت اور پتنگ بازی کے پس منظر سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ بسنت ہندوؤں کا ایک مذہبی تہوار تھا جب کہ پتنگ کو کھیل وتفریح کے علاوہ اگرچہ سائنسی تجربات، عسکری مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور مذہبی توہمات کے تحت بھی اسے اُڑایا جاتا تھا۔ یعنی یہ دو الگ الگ چیزیں تھیں، پھر ان کا اختلاط کیسے ہوا؟ اس کا پس منظر بڑا دل خراش ہے جو اُمت ِمسلمہ کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں متحدہ پنجاب مسلمانوں کے زیرنگیں تھا کہ سیالکوٹ کے ایک کھتری (ہندو) کا سترہ سالہ لڑکا 'حقیقت رائے باغ مل پوری' مسلمانوں کے ایک سکول میں زیر تعلیم تھا۔ وہاں کسی موقع پر اس نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور سیدہ فاطمہ الزہراؓ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ اس توہین پر حقیقت

رائے کو گرفتار کر کے عدالتی کارروائی کے لئے لاہور بھیجا گیا۔ وہاں اس نے اقرارِ جرم کرلیا۔ لٰہذا لاہور کے مسلمان گورنر زکریا خان کے حکم پر اسے پھانسی دے دی گئی۔ یہ ۱۷۳۴ء یا ۱۷۳۷ء کا واقعہ ہے۔ اس پر نہ صرف ہندو آبادی کو شدید دھچکا لگا بلکہ سکھوں نے بھی اس غم میں برابر کی شرکت کی، کیونکہ اس کی شادی ایک سکھ لڑکی سے ہوئی تھی۔ حقیقت رائے نے چونکہ اسلام دشمنی میں رسالت مآب ﷺ اور ان کے اہل بیتؓ کے بارے میں گستاخی کا ارتکاب کیا تھا اور اس کی جان بخشی کی صورت اگرچہ یہ تھی کہ وہ تائب ہوکر اسلام قبول کرلیتا مگر اس نے اپنے دھرم کے مقابلہ میں اسلام کو ٹھکرا دیا اور جان کی بازی لگا دی۔ لٰہذا ہندوؤں اور سکھوں نے اسے 'ہیرو' کا درجہ دے دیا۔

حقیقت رائے کے اس واقعہ سے قریب قریب سبھی اتفاق کرتے ہیں۔ تاہم اس کی تفصیلات میں اختلافِ رائے ہے۔ بعض مؤرخین کے بقول پنجاب میں بسنت کا میلہ اسی حقیقت رائے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ (جیسا کہ ہندو مؤرخ ڈاکٹر بی ایس نجار نے اپنی کتاب "Punjab Under the Later Mughals" کے ص ۲۷۹ پر لکھا ہے) جبکہ بعض کے نزدیک 'بسنت' میلہ اس سے بھی پہلے سے چلا آتا تھا جیسا کہ البیرونی کی کتاب الہند میں ہے لیکن جس روز حقیقت رائے کو پھانسی دی گئی، اتفاق سے وہ 'بسنت' ہی کا دن تھا۔ چنانچہ متحدہ پنجاب کے غیر مسلموں نے اس اتفاقی دن سے فائدہ اٹھایا اور جہاں حقیقت رائے کو پھانسی دی گئی تھی وہاں اس کا مزار بنا کر یہی تہوار وہ نئی آن شان سے منانے لگے بلکہ انہوں نے جشن کے طور پر پتنگ اڑانے شروع کردیئے۔ اس طرح بسنت اور پتنگ لازم وملزوم ہوتے چلے گئے......!

واضح رہے کہ متذکرہ جرم کے بعد حقیقت رائے کو پھانسی لاہور میں علاقہ گھوڑے شاہ میں 'سکھ نیشنل کالج' کی گراؤنڈ میں دی گئی۔ قیامِ پاکستان سے پہلے ہندوؤں نے اس جگہ یادگار کے طور پر ایک مندر تعمیر کیا، لیکن یہ مندر آباد نہ ہوسکا اور قیام پاکستان کے چند برس بعد سکھ

نیشنل کالج کے آثار بھی مٹ گئے اور اب یہ جگہ انجینئرنگ یونیورسٹی کا حصہ بن چکی ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت، ۴ فروری ۱۹۹۴ء)

بسنت کو ہندوؤں کے ہاں پہلے بھی مذہبی تہوار کی حیثیت حاصل تھی جبکہ حقیقت رائے کی پھانسی کے بعد اس میں مزید مذہبی رنگ شامل ہوگیا اور آج بھی اسے مذہبی حیثیت ہی سے منایا جاتا ہے۔ ایک صاحب کا آنکھوں دیکھا حال ملاحظہ فرمائیے:

''بسنت تو ہندو کا ایک مذہبی تہوار ہے اور اس کے لئے خاص طور پر اہتمام کیا جاتا ہے، گذشتہ سال جنوری میں الہ باد (بھارت) کے مقام پر جو 'مہا کنبھ میلہ' ہوا تھا اس میں بڑے بڑے اچاریوں اور مہنتوں نے شبھ گھڑیوں کی تقسیم کی تھی۔ اس کے مطابق ۲۹ جنوری کے روز 'بسنت پنچمی' کا تہوار منوایا گیا تھا۔ میں نے خود اس روز اپنی آنکھوں سے دہلی کی پرانی سبزی منڈی کے پاس بسنت کا مذہبی جلوس دیکھا تھا جو کالی کے مندر کی طرف جارہا تھا۔ اسی طرح میں نے آگرہ کے ایک کالج کے پرنسپل سے بسنت کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: 'بسنت پنچمی ماگھ یا بھاگون کے مہینہ میں منائی جاتی ہے۔ اس دن گاؤں گاؤں، شہر شہر میں جگہ جگہ میلے لگتے ہیں۔ کبڈی، ہاکی، فٹ بال اور کشتی وغیرہ کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ اس میں سرسوتی اور کالکا دیوی کی پوجا کی جاتی ہے۔ بچے، بزرگ اور عورتیں وغیرہ پیلے کپڑے پہنتے ہیں۔ گھروں میں پیلا حلوہ اور پیلے چاول پکائے جاتے ہیں، بچے اور نوجوان پتنگیں اڑاتے ہیں، چاروں طرف خوشحالی اور خوشی کا ماحول رہتا ہے۔''

(رانا شفیق خاں پسروری، ہفت روزہ اہلحدیث بابت ۲۱/فروری ۲۰۰۳ء، ص۱۹)

خلاصۂ کلام

پتنگ اور بسنت کے نام نہاد جشن بہاراں کے بارے میں گذشتہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ

① پتنگ سازی کا آغاز ہزاروں سال قبل مسیح ہوا جبکہ دنیا بھر میں اسے اصلاً تو تفریح کی غرض سے، لیکن اس کے علاوہ اسے سائنسی تجربات، عسکری مقاصد، پیغام رسانی جیسے مفید کاموں کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح مذہبی توہمات وغیرہ کے تحت بھی اسے

منایا جاتا رہا ہے۔

② 'بسنت' ہندوؤں کا قدیم مذہبی تہوار تھا اور بالفرض اگر یہ علاقائی تہوار تھا تو تب بھی اسے غیر مسلم ہی مناتے تھے مزید برآں اس پر ہندوانہ عقیدہ کے مطابق موسموں کا مذہبی تصور غالب تھا۔

③ حقیقت رائے کے واقعہ نے اسے مزید مذہبی رنگ دے دیا۔

ویلنٹائن ڈے؛ عاشقوں کا تہوار

بسنت کا شرعی اعتبار سے جائزہ لینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ 'ویلنٹائن ڈے' کا تاریخی پس منظر بھی پیش کر دیا جائے، کیونکہ پاکستان میں جس طرح بسنت اور ویلنٹائن ڈے کا 'ملاپ' ہوتا جارہا ہے اور دونوں تہواروں کے منانے کا انداز بھی ایک جیسا ہی ہے اسی طرح ان کی شرعی حیثیت بھی قریب قریب ایک ہی ہے۔

'ویلنٹائن ڈے' کیا ہے اور کس طرح یہ شروع ہوا؟ اس کے بارے میں کئی روایات ملتی ہیں تاہم ان میں یہ بات مشترک ہے:

''ویلنٹائن ڈے (جو ۱۴ر فروری کو منایا جاتا ہے) محبوبوں کے لئے خاص دن ہے۔''

(انسائیکلوپیڈیا بک آف نالج)

''اسے عاشقوں کے تہوار (Lover's Fesitival) کے طور پر منایا جاتا ہے۔''

(انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا)

اسے عاشقوں کے تہوار کے طور پر کیوں منایا جاتا ہے؟ اس کے بارے میں بک آف نالج کا مذکورہ اقتباس لائق توجہ ہے:

''ویلنٹائن ڈے کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ اس کا آغاز ایک رومی تہوار لوپر کالیا (Luper Calia) کی صورت میں ہوا۔ قدیم رومی مرد اس تہوار کے موقع پر اپنی دوست لڑکیوں کے نام اپنی قمیصوں کی آستینوں پر لگا کر چلتے تھے۔ بعض اوقات یہ جوڑے تحائف کا

تبادلہ بھی کرتے تھے۔ بعد میں جب اس تہوار کو سینٹ 'ویلنٹائن' کے نام سے منایا جانے لگا تو اس کی بعض روایات کو برقرار رکھا گیا۔ اسے ہر اس فرد کے لئے اہم دن سمجھا جانے لگا جو رفیق یا رفیقہ حیات کی تلاش میں تھا۔ سترہویں صدی کی ایک پراُمید دوشیزہ سے یہ بات منسوب ہے کہ اس نے ویلنٹائن ڈے والی شام کو سونے سے پہلے اپنے تکیہ کے ساتھ پانچ پتے ٹانکے اس کا خیال تھا کہ ایسا کرنے سے وہ خواب میں اپنے ہونے والے خاوند کو دیکھ سکے گی۔ بعد ازاں لوگوں نے تحائف کی جگہ ویلنٹائن کارڈز کا سلسلہ شروع کردیا۔''

('ویلنٹائن ڈے' از محمد عطاء اللہ صدیقی، ص۳)

۱۴ فروری کا یہ 'یومِ محبت' سینٹ ویلنٹائن سے منسوب کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کے بارے میں محمد عطاء اللہ صدیقی رقم طراز ہیں:

''اس کے متعلق کوئی مستند حوالہ تو موجود نہیں البتہ ایک غیر مستند خیالی داستان پائی جاتی ہے کہ تیسری صدی عیسوی میں ویلنٹائن نام کے ایک پادری تھے جو ایک راہبہ (Nun) کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہوئے۔ چونکہ عیسائیت میں راہبوں اور راہبات کے لئے نکاح ممنوع تھا۔ اس لئے ایک دن ویلنٹائن صاحب نے اپنی معشوقہ کی تشفی کے لئے اسے بتایا کہ اسے خواب میں بتایا گیا ہے کہ ۱۴ فروری کا دن ایسا ہے اس میں اگر کوئی راہب یا راہبہ صنفی ملاپ بھی کرلیں تو اسے گناہ نہیں سمجھا جائے گا۔ راہبہ نے ان پر یقین کیا اور دونوں جوشِ عشق میں یہ سب کچھ کر گزرے۔ کلیسا کی روایات کی یوں دھجیاں اُڑانے پر ان کا حشر وہی ہوا جو عموماً ہوا کرتا ہے یعنی انہیں قتل کردیا گیا۔ بعد میں کچھ منچلوں نے ویلنٹائن صاحب کو 'شہیدِ محبت' کے درجہ پر فائز کرتے ہوئے ان کی یاد میں دن منانا شروع کردیا۔ چرچ نے ان خرافات کی ہمیشہ مذمت کی اور اسے جنسی بے راہ روی کی تبلیغ پر مبنی قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال بھی عیسائی پادریوں نے اس دن کی مذمت میں سخت بیانات دیئے۔ بنکاک میں تو ایک عیسائی پادری نے بعض افراد کو لے کر ایک ایسی دکان کو نذرِ آتش کردیا جس پر ویلنٹائن کارڈ فروخت ہورہے تھے۔''

آج کل یورپ و امریکہ میں ویلنٹائن ڈے کیسے منایا جاتا ہے، اس کی تفصیلات کو جاننے کے لئے محترم صدیقی کا پیش کردہ درج ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

''ہمارے ایک فاضل دوست جو نہ صرف امریکہ سے بین الاقوامی قانون میں پی.ایچ.ڈی کرکے آئے ہیں بلکہ وہاں ایک معروف یونیورسٹی میں پڑھانے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے چشم دید واقعات کی روشنی میں اس کا پس منظر بیان کیا کہ حالیہ برسوں میں امریکہ اور یورپ میں اس دن کو جوش وخروش سے منانے والوں میں ہم جنس پرستی میں مبتلا نوجوان لڑکے اور لڑکیاں (Gay) پیش پیش تھیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سان فرانسسکو میں ویلنٹائن ڈے کے موقع پر ہم جنس پرست خواتین وحضرات کے برہنہ جلوس دیکھے۔ جلوس کے شرکا نے اپنے سینوں اور اعضاے مخصوصہ پر اپنے محبوبوں کے نام چپکا رکھے تھے۔ وہاں یہ ایسا دن سمجھا جاتا ہے جب 'محبت' کے نام پر آوارہ مرد اور عورتیں جنسی ہوسناکی کی تسکین کے شغل میں غرق رہتی ہیں۔ جنسی انارکی کا بدترین مظاہرہ اسی دن کیا جاتا ہے۔'' (ایضاً: ص۳ تا ۴)

پاکستان میں گذشتہ دو تین سالوں سے اسے کس انداز میں منایا جارہا ہے اس کا اندازہ ۱۴ فروری سے ایک دو روز آگے پیچھے کے کسی بھی قومی اخبار پر سرسری نگاہ ڈال کر کیا جاسکتا ہے۔ ایک تازہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

راقم کے ایک دوست نے بتایا کہ ۱۴ فروری ۲۰۰۴ء (ہفتہ) کو جب میں اپنے کام سے واپس گھر آرہا تھا تو راستے میں ایک جگہ میں نے دیکھا کہ ۲۵،۳۰ نوجوان جنہوں نے سرخ قمیصیں/شرٹیں پہن رکھی ہیں اور ہاتھوں میں گلاب کے پھول اٹھا رکھے ہیں، ایک سادہ مزاج آدمی کو پیٹ رہے ہیں۔ میں نے انہیں سمجھانے اور روکنے کی کوشش کی تو وہ مجھے بھی دھکے مارنے لگے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ نوجوانوں/مستانوں کی ٹیم ویلنٹائن ڈے منانے کے شوق میں راہ گزرتی خواتین کو تنگ کرنے اور پھول پیش کرنے کا مظاہرہ کررہی تھی۔ اس شخص نے انہیں ایسی فحش حرکتیں کرنے سے منع کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں یہ سب اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس نے کہا: ''میں نے سوچا کہ پولیس کو فون کیا جائے مگر قریب کہیں فون کی سہولت میسر نہ تھی۔ پھر میں اس معمولی واردات کو نظر انداز کرکے آگے بڑھ گیا۔''

اگرچہ بظاہر یہ واقعہ چھوٹا ہوگا مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ سرکاری سطح پر اگر ایسے

اقدامات کی روک تھام نہ کی گئی تو آئندہ چند برسوں میں جنسی انارکی اور اباحیت کا ایک نہ تھمنے والا سیلاب اس معاشرے کی رہی سہی اسلامی اقدار بہالے جائے گا۔

بسنت اور ویلنٹائن ڈے کی شرعی حیثیت

بدعتی تہوار

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بسنت اور ویلنٹائن ڈے الگ الگ قوموں کے دو تہوار ہیں۔ بسنت ہندوؤں کا اور ویلنٹائن ڈے عیسائیوں کا۔ ہندوؤں کے ہاں بسنت میں مذہبی رنگ بھی شامل ہے جبکہ عیسائیوں کے ویلنٹائن ڈے کو ان کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ تاہم اباحیت کی جو تحریک مغرب میں عروج پر ہے، اس کے مقابلہ میں اس فحش تہوار پر کسی قسم کی قدغن لگانا خود عیسائی مذہب کے 'ذمہ داروں' کے لئے ممکن نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ ایک مسلم معاشرہ غیر مسلم تہواروں کو منانے کی گنجائش رکھتا ہے یا نہیں؟ تو مذہبی نقطہ نظر سے اس کا جواب نفی میں ہے۔ کوئی شخص سفلی خواہشات کی تکمیل کے لئے ان تہواروں میں شرکت کرنا چاہے تو کرے، لیکن اگر کوئی نام نہاد دینی رہنما یہ دعویٰ کرے کہ دین اسلام بھی اس معاملہ میں اس کی پشت پناہی کرتا ہے تو یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ پیغمبر اسلام نے ہمارے لئے خوشی کی غرض سے دو تہوار (عیدین) مقرر کئے جبکہ باقی تمام تہواروں کی آپؐ نے ممانعت فرما دی۔ آپؐ کے بعد کسی کو یہ اتھارٹی حاصل نہیں کہ وہ کسی اور تہوار کو اسلام کا حصہ بنائے۔ سیکولر طبقہ نے علاقائی رواج اور تہواروں میں اصولی فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے کئی ایک شبہات پیدا کئے ہیں جن کا ازالہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس اُصولی فرق کو واضح نہ کر دیا جائے۔

تہوار اور رسم و رواج میں فرق

ہر قوم اور معاشرے میں کچھ روایات خالصتاً اچھی ہوتی ہیں اور کچھ بری اور کچھ ایسی بھی جن میں خیر و شر کا اختلاط ہوتا ہے۔علاوہ ازیں ہر قوم کے کچھ تہوار بھی ہوتے ہیں جن میں قوم کا ہر فرد شریک ہوتا ہے خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔روایات اور تہواروں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر جاننے کے لیے ہم تہواروں سے بات شروع کرتے ہیں۔

دیگر اقوام کی طرح اہل عرب بھی کئی ایک تہوار منایا کرتے تھے مگر آنحضرت ﷺ نے ان کے کسی تہوار کو اپنایا اور نہ اہل ایمان کو ان میں شرکت کی کبھی اجازت دی۔[①] تاہم خوشی اور تفریح کے جذبات چونکہ انسانی فطرت کا حصہ ہیں جنہیں کچلا نہیں جا سکتا، اس لیے آپ نے جاہلانہ تہواروں کے برعکس مسلمانوں کے لیے دو مستقل تہوار مقرر فرما دیئے جن میں عبادت (نماز) اور ذکر الٰہی کا اہتمام بھی ہوتا اور کھیل کود کا مظاہرہ بھی۔[②] یہ باتیں مستند کتب احادیث کی روایات سے ثابت ہیں۔انہی میں سے ایک روایت کو امام نسائی نے اپنی سنن میں 'جاہلانہ تہوار' کے عنوان کے تحت اس طرح بیان کیا ہے:

---

① البتہ دعوت و تبلیغ کے لیے غیر مسلموں کے تہوار میں لوگوں کے اکٹھ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپؐ شرکت فرما لیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عوف بن مالک سے مروی ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں کے ایک تہوار (عید) کے موقع پر آپؐ نے ان کے کنیسہ میں تشریف لے گئے اور میں بھی آپ کے ہمراہ تھا اور وہاں آپؐ نے انہیں تبلیغ فرمائی...... پھر واپس تشریف لے آئے۔ (دیکھئے: مسند احمد ۶/ ۲۵، حاکم ۳/ ۴۱۵، مجمع الزوائد ۷/ ۱۰۵) بعض لوگ غیر مسلموں کے تہواروں میں آنحضرت کی اس طرح کی شرکت سے بسنت میلہ منانے کا جواز کشید کرنے کی ناروا کوشش کرتے ہیں حالانکہ غیر مسلموں کے کسی تہوار میں تبلیغ کے لیے شرکت کرنے اور اسے انہی کے ڈھب سے منانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسی طرح بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ ''نبی اکرم ﷺ عکاظ کے میلے میں شرکت فرماتے تھے جب کہ اس کا انتظام و انصرام کفار مکہ کے پاس تھا۔لہٰذا کفار کے میلوں میں شرکت جائز ٹھہری'' حالانکہ یہاں بھی وہی کج فہمی ہے جو اوپر والی صورت میں ہے۔یعنی کسی تہوار میں لوگوں کے اجتماع سے کوئی تبلیغی فائدہ اٹھانا اور بات ہے اور اس کو منانے کے لیے اس میں عملاً شرکت کرنا اور بات۔ یوں بھی عکاظ ان معنوں میں کوئی دینی تہوار یا

حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ دورِ جاہلیت میں مدینہ کے لوگ سال میں دو تہوار منایا کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو (صحابہ کرامؓ سے) فرمایا:

ثقافتی میلہ نہیں تھا بلکہ دراصل یہ تجارتی بازار تھا۔ اسی لیے روایات میں اس کے بارے میں 'سوق عکاظ' کے الفاظ ملتے ہیں اور یہ تجارتی بازار مکہ مکرمہ میں حرمت والے مہینوں میں منعقد ہوتا تھا اس کے علاوہ نہیں۔ اس لیے کہ اس دور میں لوٹ مار اور قتل وغارت گری ایک پیشہ تھا اور سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے اس کا سد باب ممکن نہ تھا، لہٰذا باہر سے جو تجارتی قافلہ بھی مکہ کے قرب وجوار سے گزرتا اسے لوٹ لیا جاتا، اسی خوف سے لوگ اپنا مال لے کر مکہ کا رخ نہیں کرتے تھے مگر حرمت والے مہینوں میں چور ڈاکو چونکہ اس طرح کا کوئی ارتکاب نہیں کرتے تھے اس لیے ان ایام میں یہ تجارتی بازار خوب گرم ہوتا اور حج کیلئے دنیا بھر سے لوگ اپنے مال واسباب کے ساتھ یہاں جمع ہوتے۔ اس دور کے مخصوص دینی نظریات وتصورات کی رو سے یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ اس تجارتی میلہ میں جوا، شراب اور زنا کاری وغیرہ جیسے اخلاق سوز مظاہر بھی دیکھنے میں آتے ہوں کیونکہ یہ سب چیزیں ان کی ثقافت کا حصہ بن چکی تھیں اور آنحضرت ﷺ اس میں اگر کبھی شریک ہوئے تو محض تبلیغ کیلئے نہ کہ ان کے اس حیاباختہ ثقافت کو فروغ دینے کیلئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے غالب آجانے کے بعد تجارتی شکلوں میں تو ارتقا ہوا مگر جرائم اور بے حیائی کا ذریعہ بننے والی تمام صورتوں کا سد باب ہوگیا۔

ممکن ہے کہ موسم حج میں حاجیوں کو تجارت کی اجازت مل جانے کی وجہ سے یہ تجارتی بازار آہستہ آہستہ حج کی صورت بڑھنے والی تجارتی آمدورفت میں ہی ضم ہوگیا ہو۔ حج کا موجودہ اجتماع بھی اس لحاظ سے مکہ مکرمہ کی تجارتی درآمد وبرآمد میں غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے اور موجودہ سعودی عرب کی حکومت کے مالی استحکام میں حج کے دوران ہونے والی عالمی پیمانے کی تجارت کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ الغرض عکاظ کے بازار کو بسنت کے حالیہ تہوار سے تشبیہ دینا سوءِ فہم کا نتیجہ ہے، نبی اکرم ﷺ کے بازار عکاظ میں تبلیغی مقاصد کے لیے جانے سے بسنت کے تہوار کے جائز ہونے پر استدلال قیاس مع الفارق ہے۔

② بعض لوگ حضرت عائشہ کے ساتھ نبی کریمؐ کا حبشیوں کی کھیل کود اور بھاگ دوڑ کے مقابلوں کو دلچسپی سے دیکھنے پر بھی یہ دعویٰ کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ اسلام میں کھیل کود کے لیے میلوں ٹھیلوں کی گنجائش ہے۔ یہاں بھی دو باتوں کو خلط ملط کر کے یہ لوگ اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلام کو تفریح سے دشمنی نہیں اور صحت مند تفریح کی اسلام یقیناً حوصلہ افزائی کرتا ہے، لیکن بسنت اور ویلنٹائن ڈے پر کھیل ہونے کی حیثیت سے ہی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ مذہبی طبقہ جس بنیاد پر ان کی مذمت کرتا ہے وہ کھیل کود کی بجائے غیر اسلامی تہوار اور مغرب کے فاسقانہ تصورِ محبت کو فروغ دینا ہے۔ لاہور میں 'میلہ مویشیاں' کے نام سے سالہا سال سے جو تفریحی پروگرام منعقد ہوتے ہیں، مذہبی طبقہ نے اس پر کبھی حرمت اور غیر مسلموں کی مشابہت کا حکم نہیں لگایا۔ گو کہ اس میں اب تفریح کی بعض ایسی صورتیں آہستہ آہستہ جڑ پکڑ رہی ہیں جو اسلام کے تصور تفریح کے منافی ہیں۔ مثلاً بینڈ باجے، مرد وزن کا اختلاط اور بے پردگی، اسراف کا پہلو بھی ان میں توجہ کا متقاضی ہے جبکہ بسنت اور ویلنٹائن ڈے تفریح کے علاوہ اور بہت کچھ اپنے جلو میں ساتھ لے کر آتے ہیں، جن سے ہماری دینی اَساس اور معاشرتی روایات کو بہت سے خطرات لاحق ہیں!! مرتب

«وقد أبدلكم الله بهما خيرا منهما: يوم الفطر و يوم الأضحى »

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دونوں تہواروں کے بدلہ میں دو اور تہوار عطا کردیئے ہیں جو ان سے بہتر ہیں اور وہ ہیں: عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔'' (صحیح سنن نسائی: ۱۴۶۵)

اس روایت میں مدینہ کے غیر مسلموں کے دو تہواروں کا ذکر ہے روایات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے علاقائی تہوار تھے اور ان میں مذہبی رنگ شامل نہیں تھا مگر اس کے باوجود آپ نے انہیں اپنی امت کے لیے ناجائز قرار دے دیا اور اگر ان میں مذہبی رنگ بھی شامل ہوتا تو پھر ان کی ممانعت اور قوی ہو جاتی۔ بلکہ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کے بعض تہوار ایسے بھی تھے جن میں مشرکانہ عقائد کی شکل میں ان کا مذہبی رنگ بھی شامل تھا یہ تہوار 'عرس' کی شکل میں مختلف دنوں میں منائے جاتے تھے جیسا کہ معروف مؤرخ جناب شبلی نعمانی اپنی سیرت النبیؐ میں امام ابن اسحاق کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ

''ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلہ میں ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے۔ ان لوگوں کے دل میں دفعتہً یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہیں جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ کسی کا نقصان کرسکتا ہے نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔'' (ج ا رص ۸۷)

یہ اسلام سے پہلے کا واقعہ ہے پھر یہ حضرات موحدانہ تعلیمات پر مبنی دین کی تلاش کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اس کے بعد کیا ہوا اس کی تفصیل مذکورہ کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ بتوں کے ناموں پر بھی عرب میں عرس منائے جاتے تھے مگر آپؐ نے ان کی پوجا پاٹ اور نذر و نیاز وغیرہ کے لیے کبھی ان میں شرکت نہ فرمائی بلکہ آپؐ نے چونکہ مشرکانہ عقائد کی سخت تردید فرمائی اور فتح مکہ کے بعد ان تمام بتوں کو نذر آتش کروا دیا، اس لیے یہ مذہبی عرس اور تہوار بھی اپنی موت آپ مر گئے۔

ان تہواروں کے حوصلہ شکنی میں آپؐ کتنے حساس تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ کے پاس ایک صحابیؓ آیا اور کہنے لگا کہ میں نے 'بوانہ' نامی

مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی منت مانی ہے (کیا میں اسے پورا کروں؟) آپؐ نے فرمایا: کیا دورِ جاہلیت میں وہاں کسی بت کی پوجا تو نہیں ہوا کرتی تھی؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر آپؐ نے پوچھا: «هل كان فيها عيد من أعيادهم؟» ''کیا وہاں مشرکین کے تہواروں رمیلوں میں سے کوئی تہوار تو منعقد نہیں ہوا کرتا تھا؟'' اس نے کہا: نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ

''پھر اپنی نذر پوری کرو، کیونکہ جس نذر میں اللہ کی نافرمانی کا عنصر پایا جائے اسے پورا کرنا جائز نہیں۔'' (ابوداؤد؛۳۳۱۳)

گویا آپؐ نے سائل سے جو دو باتیں پوچھیں، یہ دونوں گناہ کی صورتیں تھیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک صورت بھی ہوتی تو آپؐ نے اس صحابی کو اپنی نذر پوری کرنے سے ضرور منع کر دینا تھا۔ گویا غیر مسلموں کے تہواروں کو منانا تو بہت دور کی بات، جہاں وہ تہوار منایا کرتے تھے وہاں کوئی ایسا کام کرنا جو ان کی مشابہت کا شک پیدا کرے وہ بھی آنحضرت ﷺ کے نزدیک جائز نہیں۔

آپ کے بعد صحابہ کرام نے بھی غیر مسلموں کے تہواروں کے بارے میں یہ تصور قائم رکھا مثلاً عہدِ خلافتِ راشدہ میں جب ایران فتح ہوا تو صحابہ کرامؓ نے وہاں کے آتش پرستوں کے مروّجہ تہواروں کو کسی رنگ میں بھی اختیار نہیں کیا۔ بلکہ آتش پرست اگر اپنے تہوار مناتے تھے، تو وہ بھی از راہِ معاہدہ چاردیواری میں یہ تہوار منانے کے پابند تھے۔ اس تاریخی حقیقت سے سیکولر طبقہ چشم پوشی کر رہا ہے مثلاً 'بسنت' کے حامی ایک صاحب لکھتے ہیں:

''ایران میں اشاعتِ اسلام کے بعد بھی 'نوروز' کا تہوار منایا جاتا۔ علما اس کی حوصلہ افزائی تو نہ کرتے تھے، لیکن کچھ زیادہ حوصلہ شکنی بھی نہیں......''

('بسنت' کالم نگار ہارون الرشید، روزنامہ جنگ، ۲۱رفروری ۲۰۰۴ء)

اس سے ہمیں اختلاف نہیں کہ اشاعتِ اسلام کے بعد بھی ایران میں نوروز کا تہوار منایا جاتا رہا، مگر اصل سوال یہ ہے کہ اسے منانے والے کون تھے؟ کیا فاتح مسلمان بھی یہ تہوار مناتے تھے؟ اگر ایسا ہے تو پھر کسی ایک صحابی یا تابعی ہی کا موصوف نام بتا دیں جو اس تہوار

میں شریک ہوئے؟ اگر آج کے نام نہاد مسلمان 'نوروز' مناتے ہیں تو یہ ان کی جہالت و سرکشی اور ہوائے نفس کا نتیجہ ہے ورنہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے نہ اسلام کو حقیقی طور پر سمجھنے والے اوّلین گروہ (صحابہؓ) کے عمل سے اس کی کوئی تائید ہوتی ہے!

یہ تو تھا تہواروں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر اب آیئے معاشرتی روایات کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر معلوم کرتے ہیں:

ہم یہ ذکر کر چلے ہیں کہ ہر معاشرے میں کچھ عادات اور روایات اچھی، کچھ بری اور کچھ ملی جلی ہوتی ہیں ان کی امتیازی حیثیت کی وجہ سے انہیں 'رسومات' بھی کہا جا سکتا ہے اور بار بار ان کا اظہار ہوتے رہنے کی حیثیت سے انہیں 'رواج' کے لفظ سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔ ان روایات (یعنی رسم ورواج) وغیرہ کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر دو جملوں میں بیان کیا جا سکتا ہے یعنی خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ ...... ''جو اچھی چیزیں ہیں انہیں اختیار کرو اور جو بری ہیں ان سے اجتناب کرو'' یعنی اگر کسی معاشرے کی کوئی روایت رواج یا رسم اچھی ہو اور اسلامی مزاج کے منافی نہ ہو تو اسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک صاحب نے عرب معاشرے کی جودوسخا کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے: ''ایک روایت کے مطابق دس روز تک خود آنجناب کے لیے اس گھر سے کھانا بھیجا گیا'' تو اس روایت کے حوالے سے اس بات سے قطع نظر کہ سیرت کی مستند کتابوں میں اس کا کہیں ذکر ہے بھی یا نہیں۔ ہم یہ واضح کرنا چاہیں گے کہ جودوسخا عرب معاشرے کی ایک اچھی روایت تھی جسے آپؐ نے نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اپنے متعدد فرامین میں اس کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ مگر یہ کوئی تہوار نہیں تھا کہ اس بنیاد پر ہم غیر اسلامی تہواروں کا جواز نکالنے بیٹھ جائیں!

اسی طرح عرب معاشرے میں رواج تھا کہ جب کسی مصیبت یا دشمن کی آمد وغیرہ سے لوگوں کو مطلع کرنا ہوتا تو ایک قاصد روانہ کیا جاتا جو اپنے اونٹ کو زخمی کرتا، کپڑوں کو پھاڑتا، سر میں خاک ڈالتا اور پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر یا صباحاہ! یا ویلاہ! وغیرہ کی الفاظ بلند کرتا جسے سن کر تمام لوگ اپنے کام کاج چھوڑ کر جمع ہو جاتے۔ خود نبی اکرمؐ نے بھی اس مفید رواج سے بوقت

ضرورت فائدہ اٹھایا مگر اس میں موجود غیر اخلاقی حرکتوں (یعنی جانور زخمی کرنے ، کپڑے پھاڑنے وغیرہ) کو اختیار نہ کیا۔

اسی طرح وہ معاشرتی روایات جو سرا سر شر پر مبنی تھیں انہیں آپ ﷺ نے اختیار نہ فرمایا بلکہ ان کی ہر طرح سے حوصلہ شکنی فرمائی مثلاً اس دور میں رواج تھا کہ باپ کی منکوحہ بڑے بیٹے کو وراثت میں ملتی ۔غیر مرد کا نطفہ لینے کے لیے بیوی سے بدکاری کروائی جاتی (جسے ہندومت میں 'نیوگ' کہا جاتا ہے) بچیوں کو زندہ درگور کیا جاتا......وغیرہ آپ نے شر پر مبنی یہ تمام رسومات اور رواج ختم کر دیئے۔

معلوم ہوا کہ معاشرتی روایات اگر اچھی ہوں اور اسلام کے منافی نہ ہوں تو انہیں اختیار کیا جاسکتا ہے مگر کسی تہوار کے بارے میں اسلام کا یہ نظریہ نہیں ہے۔ لہٰذا اسلام کے صرف دو ہی تہوار (عیدین) ہیں اس کے علاوہ کسی اور تہوار کو اسلام میں داخل کرنا 'بدعت' کے مترادف ہے خواہ وہ تہوار بسنت اور ویلنٹائن ڈے کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں۔

تہوار کے بارے میں اس سخت موقف کی وجہ غالبا یہ ہے کہ تہوار چونکہ کسی قوم کی شان وشوکت کے مظہر اور قومی وحدت کا شعار ہوتے ہیں جن میں اس قوم کا تشخص دوبالا ہوتا ہے اسلام اپنا ایک برتر تشخص اور الٰہی تصور وفلسفہ رکھتا ہے۔ جس میں کسی غیر قوم کے قومی شعارات کی کوئی گنجائش نہیں۔

علاقائی ثقافت اور مذہب میں فرق

رسم اور تہوار کے اس اُصولی فرق کی توضیح کے بعد ہم ایک اور اصولی غلطی کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں۔ اول الذکر غلط فہمی کی طرح یہ غلط فہمی بھی سیکولر طبقہ کی پیدا کردہ ہے۔ اس غلط فہمی کو ایک سیکولر کالم نگار نے اس انداز میں پیش کیا ہے:

"بعض لوگ معترض ہیں کہ بسنت کا تہوار مذہبی طور پر 'حرام' ہے حالانکہ کسی بھی علاقہ کی ثقافت کا مذہب سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں سب سے بڑی مشکل اور ہماری سوچ کا

اندوہناک پہلو یہ ہے کہ ہم نے آج تک مذہب اور ثقافت میں پائے جانے والے بنیادی فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔''

('بسنت، لاہور کا ثقافتی تہوار' از نذیر احمد چوہدری ص ٢٦)

موصوف کی یہ بات کہ ''کسی بھی علاقہ کی ثقافت کا مذہب سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا'' محل نظر ہے کیونکہ

① علاقائی ثقافت تو وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ تبدیل یا ارتقا پذیر ہوتی رہتی ہے جبکہ مذہب بالخصوص دین اسلام اپنی محکم روایات اور اصول و اقدار رکھتا ہے جس میں علاقائی تبدیلیاں اس انداز سے ہرگز اثر انداز نہیں ہوسکتیں کہ اس کے ان بنیادی احکام ہی کو ردوبدل کا نشانہ بنا ڈالیں بلکہ اگر عملاً مذہب ہی ردّوبدل کا شکار ہوجائے تو وہ اپنی الہامی حیثیت کھو دیتا ہے۔

② مذہب اور ثقافت کا ٹکراؤ خود واقعاتی طور پر ثابت ہے۔ مثلاً 'ویلنٹائن ڈے' جس نے مغربی ثقافت کی اہمیت حاصل کرلی ہے، عیسائی مذہب اس کے خلاف ہے۔ اسی طرح جب مسلمان برصغیر میں آئے تو یہاں کی ثقافت اسلامی اصولوں کے خلاف تھی۔ بیوہ کوستی کرنا، گائے کا پیشاب پینا اور گوشت کو حرام سمجھنا، میت کو نذر آتش کرکے دریا برد کرنا، کرپال پہننا، بندیا لگانا اور ایسی ہی سینکڑوں باتیں جو برصغیر کی علاقائی ثقافت کا حصہ تھیں اور اب بھی جزوی تبدیلیوں کے باوصف حصہ ہیں، اسلامی تعلیمات کے یکسر منافی تھیں چنانچہ غیرت مند مسلمانوں نے ان تمام چیزوں سے اجتناب کیا۔

③ اگر مذہب اور ثقافت میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا تو پھر مسلمانوں کو فوری طور پر ان تمام ہندوانہ چیزوں کو اپنا لینا چاہئے تھا یا کم از کم جو لوگ اس کے حق میں ہیں انہیں تو ہندوانہ لباس پہن کر، بندیا لگا کر اور کرپال ڈال کر اس کا فخریہ اظہار کرنا چاہئے!

④ اگر علاقائی کلچر مذہب کے منافی نہیں ہوتا یا مذہب علاقائی کلچر کو من وعن اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے تو پھر لامحالہ دو صورتیں پیدا ہوں گی: ایک تو یہ کہ اس سے مراد خاص علاقائی

کلچر ہے اور دوسری یہ کہ اس سے ہر خطے کا علاقائی کلچر مراد ہے۔ اول الذکر صورت میں ضرورت ہے کہ اسلام صرف عربوں کا دین ٹھہرے اور اسے آفاقی حیثیت سے محروم کردیا جائے۔ ثانی الذکر صورت میں یہ دین اکبری کی طرح محض 'ملغوبہ' بن جائے گا کہ جس علاقے میں بھی یہ پہنچے وہاں کی ثقافت اور علاقائی کلچر میں ڈھل جائے اور اس طرح اس کی وہ امتیازی حیثیت از خود فنا ہوجائے گی جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا اور جس امتیازی حیثیت کو منوانے کے لئے مال و جان کی بے پناہ قربانیاں اور صبر و استقامت کی لازوال داستان ہمارے اسلاف نے رقم کی ہے، وہ پامال ہوجائے گی۔

دراصل ہندومت میں مذہب و ثقافت تقریباً مدغم ہیں۔ جن چیزوں کو ان کے ہاں علاقائی ثقافت کا درجہ حاصل ہے وہی ان کے مذہب کی تائید لئے کھڑی ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی شادی بیاہ کی رسومات کی مثال بڑی واضح ہے جبکہ مغربی معاشرے میں پاپائیت کی شکست کے بعد مذہب کو ثانوی حیثیت دے دی گئی ہے۔لیکن اسلام کا معاملہ بالکل منفرد ہے۔ دین اسلام اوّل تو آخری الہامی دین ہے اور پھر اس کے اصول وضوابط کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ یہ تاقیامت پیش آنے والے تمام مسائل کا حل پیش کرنے اور راہِ عمل متعین کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔اس کے اصول وضوابط منجانب اللہ طے ہیں۔ جن کی روشنی میں کسی بھی علاقائی مسئلہ اور زمانی واقعہ کا تجزیہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ علاقائی ثقافت کے معاملے میں بھی اسلام ہی کسوٹی ہے جس پر ہر مشتبہ چیز کو تولا اور حق و باطل میں نکھار پیدا کیا جاسکتا ہے۔مگر یہ ہر بندے کے کرنے کا کام نہیں بلکہ اس کا حق وہی لوگ رکھتے ہیں جو راسخ فی الدین علما ہیں۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ 'بسنت علاقائی تہوار ہے' اس میں کوئی شک نہیں بلکہ خود موصوف نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ''بسنت بنیادی طور پر ہندوؤں کا تہوار ہے مگر مسلمانوں نے اس میں دلچسپی لینا شروع کردی۔'' (ص:۱۸) لیکن شرعی نقطہ نگاہ سے اصل سوال یہ ہے کہ اسلام اس علاقائی ہندوانہ تہوار (جس میں ان کا مذہبی رنگ بھی شامل ہے) کو منانے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب اُصولی لفظوں میں ہم دے چکے ہیں کہ ''اسلام دو تہواروں (عیدین) کے علاوہ

کسی اور تہوار منانے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا خواہ وہ مذہبی تہوار ہو یا علاقائی!''

واقعاتی حقائق بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ جب سرزمین ہند پر مسلمانوں نے قدم رکھے تو یہاں بھی بیسیوں تہوار، سینکڑوں رسوم وروایات، اور ہزاروں بدعات وخرافات تھیں، مگر مسلمانوں نے ہمیشہ اپنی مسلم شناخت برقرار رکھنے کی کوشش کی اور ان تہواروں سے اپنے آپ کو دور رکھا۔

اسی طرح ایک صاحب نے حسین بن منصور حلاج کے حوالے سے جو یہ بات ذکر کی کہ انہوں نے کہا: ''میرا نوروز ابھی نہیں آیا؟'' تو ان کے یہ کہنے سے 'نوروز' یا کسی اور تہوار کا جواز آخر کیسے نکل آیا؟ اس سلسلہ میں واضح رہے کہ اگر کسی زمانہ یا علاقہ میں مسلمانوں کے بعض افراد یا حکمران طبقہ کسی غیر اسلامی تہوار یا غیر اسلامی رسوم وروایات پر عمل پیرا ہو جائے تو اس سے وہ غیر اسلامی تہوار یا رسم ورواج اسلامی نہیں بن جائیں گے، کیونکہ اسلام وہی ہے جو چودہ سو سال پہلے محمد عربیؐ پر مکمل کر دیا گیا۔ بعد کے ادوار میں خود مسلمانوں کے اعمال جیسے تیسے بھی ہوں، ان کو پرکھنے کی کسوٹی قرآن وحدیث ہے نہ کہ بعض مسلمانوں کا طرزِ عمل!

تہواروں، میلوں ٹھیلوں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر تو اوپر واضح ہو چکا کہ اسلام صرف دو تہواروں کی اجازت دیتا ہے اور ان کے علاوہ کوئی تہوار خواہ اس کی نوعیت مذہبی ہو یا علاقائی، تاریخی ہو یا موسمی، اسلام اسے غلط قرار دیتا ہے، لیکن ان حقائق اور اصولی باتوں کے باوجود اگر کوئی صاحب یہ دعویٰ کریں کہ ''بسنت میلہ منانے سے کون سا اسلامی ضابطہ مجروح ہوتا ہے؟'' تو پھر ان کی اس سوچ پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔

ان تہواروں کے غیر اسلامی ہونے کی وجوہات اخلاقی اور سماجی بھی ہیں، مثلاً:

فحاشی وبے حیائی کی ترویج اور جنسی بے راہ روی

اسلام ایک مقدس دین ہے جو پاکیزہ اقدار ہی کو فروغ دیتا ہے جبکہ ان تمام ذرائع ووسائل کا بھی دروازہ بند کرتا ہے جو معاشرتی استحکام میں رخنہ اندازی کا باعث ہوں۔ اسی

لئے فحاشی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِيْ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِيْ الدُّنْيَا وَالاٰخِرَةِ﴾ (النور:۱۹) ''یقیناً جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش (و بے حیائی) پھیلے وہ دنیا اورآخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔''

بسنت اور ویلنٹائن ڈے دونوں ہی فحاشی و بے حیائی کے فروغ کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ ویلنٹائن ڈے تو ہے ہی فحاشی کا دوسرا نام جبکہ بسنت میلہ جس کا اکٹھ ویلنٹائن ڈے سے خود بخود ہوتا جا رہا ہے، بھی مسلم معاشرے کو سفلی خواہشات، جنسی انارکی اور اباحیت کی طرف دھکیل رہا ہے۔ جب بسنت کے موقع پر ہر دوسرے گھر سے فحش گانوں کی صدائیں بلند ہورہی ہوں اور بسنت نائٹ کے موقع پر ملک کا نودولتیا طوائفوں کی 'خدمات' حاصل کرکے طوفانِ بدتمیزی بھی پیدا کررہا ہو تو ڈر لگتا ہے کہ نجانے کب اللہ کے عذاب کا بھی سنگین کوڑا اس اُمت پر برس پڑے جو عاد وثمود اور قومِ لوط پر برسا تھا!!

غیر مسلموں سے مشابہت

مسلمانوں کے دینی شعار اور ثقافتی طور طریقے اپنے ہیں جن میں غیر مسلموں کی نقالی ومشابہت سے بچنے کا پرزور حکم دیا گیا ہے۔حدیث ِنبوی ہے: «من تشبه بقوم فهو منهم» ''جس نے غیر مسلموں کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے۔'' (ابوداؤد:۴۰۳۱)

مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنی دینی روایات کا تحفظ کرسکیں جبکہ تمام اچھی چیزیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں مثلاً مفید سائنسی ایجادات وغیرہ خواہ وہ کافروں ہی سے کیوں نہ ملیں، اسلام ان کے استفادہ سے ہرگز منع نہیں کرتا مگر ان نام کے مسلمانوں پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو غیر مسلموں کی دین و اخلاق سے عاری عادات کو تو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں،لیکن جو جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی ترقی ان سے لینی چاہیے، اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتے......!!

اب ویلنٹائن ڈے کے موقع پر اجتماعی شادیوں کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے۔ اجتماعی شادی کا رواج غیر شرعی تو نہیں، لیکن اسے ویلنٹائن ڈے کے ساتھ ملانا مناسب نہیں۔ اسی طرح میاں بیوی کا آپس میں تحائف کا تبادلہ اور خوشی ومحبت کا اظہار یقیناً مستحب ہے مگر ویلنٹائن ڈے کی مناسبت سے آپس میں تحائف کا تبادلہ کرنا اور خاص اسی روز ایک دوسرے کو پھول پیش کرنا غیر مسلموں کی نقالی کے پیش نظر نامناسب ہے لہٰذا ایسے موقع پر اس طرح کے عمل سے اجتناب ضروری ہے۔

پتنگ بازی سے انجانی ہلاکتیں اور معاشی نقصانات

کسی اجتماعی پروگرام کے انعقاد میں فتنہ وفساد یا معصوم لوگوں کی ہلاکت کا معمولی اندیشہ بھی ہو تو ہماری حکومت ایسے پروگرام کے انعقاد کی بالکل اجازت نہیں دیتی۔ واقعتاً امن عامہ کے قیام کا یہ اہم تقاضا ہے، لیکن بسنت میلہ کے موقع پر ان گنت ہلاکتوں کا نہ صرف یقینی خدشہ ہوتا ہے بلکہ جہاں ہر سال اس موقع پر بیسیوں انجان ہلاک ہو جاتے ہیں وہاں سینکڑوں افراد زخمی بھی ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود 'بسنت میلہ' پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی بلکہ المیہ یہ ہے کہ گزشتہ سال پتنگ بازی پر پابندی تو عائد کی گئی مگر عین بسنت کے موقع پر پورے ایک ماہ کے لئے یہ پابندی اٹھالی گئی پھر جب بسنت اپنے یقینی نقصانات اور بے شمار ہلاکتوں کے ساتھ روانہ ہوگئی تو دوبارہ اس پر پابندی عائد کردی گئی۔

راہ جاتے ہمارے سامنے موٹر سائیکل سواروں کے گلے پر ڈور پھرنے اور شہ رگ کٹنے سے سڑک پر تڑپ تڑپ کر جان دینے کے جو واقعات رونما ہو رہے ہیں، ان کا تسلسل تو سارا سال ہی جاری رہتا ہے جس کے پیش نظر ضروری ہے کہ پورے سال کے لئے اس خونی کھیل پر پابندی لگا دی جائے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ گردن کٹنے کا معاملہ دھاتی یا کیمیکل ڈور سے پیش نہیں آتا بلکہ شیشے کی مانجھا لگی ڈور ہی گردن کاٹنے کا ذریعہ بنتی ہے اور دکانوں پر دستیاب ہر ڈور پر یہ مانجھا لگا ہوتا ہے بلکہ جس ڈور پر مانجھا نہ لگا ہو، اسے ڈور ہی نہیں کہا جاتا۔

اسی طرح واپڈا اور لیسکو کا جو نقصان پتنگ بازی میں دھاتی تار کے استعمال سے ہوتا ہے وہ ایک الگ داستان ہے۔ علاوہ ازیں پتنگ بازی کے کھیل میں جو باہمی لڑائیاں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں وہ اس پر مستزاد ہیں۔ مذکورہ بالا نقصانات کے پیش نظر اس کھیل کی کسی طور اجازت نہیں دی جانی چاہیئے۔

پتنگ بازی کے حامی بعض افراد یہاں یہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ ان نقصانات کا کوئی اور حل نکالنا چاہیئے نہ کہ پتنگ بازی کی تفریح کو بند کر دیا جائے۔

بظاہر تفریح کا پہلو درست نظر آتا مگر یہاں صورت حال یہ ہے کہ پتنگ بازی سے پیدا ہونے والے مضر اثرات اتنے شدید ہیں کہ جب تک کہ خود پتنگ بازی پر پابندی نہ لگائی جائے ان نقصانات کا ازالہ نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً لاہور شہر کے تمام راستے اور سڑکیں دن رات زیرِ استعمال رہتی ہیں اور پورا شہر آباد ہے جبکہ لاہور کے کسی بھی علاقے میں خواہ اندرونِ شہر موجود پارک اور کھیلے میدان ہی کیوں نہ ہوں، پتنگ بازی کی وجہ سے کٹنے والی پتنگوں کی ڈوریں لامحالہ ان راستوں اور سڑکوں پر گریں گی جہاں سے موٹر سائیکل سواروں کی جانیں مسلسل خطرے میں رہیں گی۔ اس کا تو آخری حل یہی تجویز کیا جا سکتا ہے کہ سائیکل اور موٹر سائیکل سواری ہی پر پابندی لگا دی جائے!!

فضول خرچی

اگر کسی موقع پر غیر ضروری خرچ کیا جائے تو اسے 'اسراف' کہتے ہیں یا ایسی جگہ پر خرچ کیا جائے جہاں خرچ ٹھیک نہیں تو اسے 'تبذیر' کہا جاتا ہے۔ قرآن وسنت میں اسراف وتبذیر (یعنی فضول خرچی کی ہر صورت) کی سخت مذمت کی گئی ہے مثلاً قرآنِ مجید میں ہے:

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلاَ تُسْرِفُوْا إِنَّهٗ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (الاعراف:۳۱)

''(اے بنی آدم!) کھاؤ، پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں فرماتا جو حد سے تجاوز کرتے ہیں۔''

دوسری جگہ فضول خرچی کی مذمت میں اس سے بھی سخت انداز اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ

ارشاد ہے: ﴿وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُوْرًا﴾ (الاسراء:۲۶،۲۷) ''فضول خرچی نہ کرو، یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔''

یہ تو تھا اسراف وتبذیر کے بارے میں قرآنِ حکیم کا حکم، اب ان آیات کی روشنی میں آپ پاکستانی مسلمانوں کی موجودہ روش کا جائزہ لیں جہاں ایک طرف ویلنٹائن ڈے اور بسنت میلہ کے مسرفانہ تہواروں پر کروڑوں روپے نذر کئے جاتے ہیں اور دوسری طرف ملکی معیشت کی ابتری کا یہ حال ہے کہ پاکستان کا ہر نومولود عالمی بنکوں کا مقروض بن کر اس سرزمین پر آنکھ کھولتا ہے۔

اسی طرح پاکستان کا چالیس فیصد طبقہ وہ ہے جو خطِ غربت کے نیچے زندگی بسر کر رہا ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں دوشیزائیں ایسی ہیں جو والدین کی دہلیز پر محض اس لئے بوڑھی ہو رہی ہیں کہ ان کے والدین ان کے نکاح کا واجبی خرچہ بھی نہیں رکھتے۔ اسی طرح ہزاروں ماں باپ ایسے ہیں جو وسائل کی عدم دستیابی کی وجہ سے اپنی اولاد کو تعلیم دلوانے سے قاصر ہیں۔ ان گنت افراد ایسے ہیں جن کے پاس روزگار کے مواقع نہیں اور بے شمار گھرانے ایسے ہیں جنہیں دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ غربت و جہالت، بے روزگاری اور دیگر معاشرتی پریشانیوں سے اہل پاکستان کو آگاہ کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، اس لئے ان کے تذکرہ سے مقصود صرف یہ ہے کہ بسنت میلہ پر روپیہ ضائع کرنے والے اس طرف توجہ دیں اور اپنی رقم کو وہاں خرچ کریں جہاں اس کے خرچ کی اشد ضرورت ہے اور یہی خرچ دنیا میں باعث برکت اور آخرت میں باعث اجر وثواب بھی ہے۔

حق داروں کی حق تلفی

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر بہت سے حقوق ہیں۔ جنہیں حقوق العباد کہا جاتا ہے۔ مسلم معاشرے میں ان حقوق کی پاسداری کی حد سے زیادہ ترغیب دلائی گئی ہے۔ مگر بسنت میلہ کے موقع پر ان حقوق کی صریح پامالی ہوتی ہے۔ ہماری آبادیاں 'میدانِ جنگ' کا

منظر پیش کر رہی ہوتی ہے، بجلی کی بار بار ٹرپنگ، فائرنگ، دھماکوں اور باجوں کا کان پھاڑتا شور، اور ہو ہو کا ایسا عالم چوبیس گھنٹوں کے لئے برپا ہوتا ہے کہ عام آدمی کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے جب کہ بیماروں کی زبانیں بدعاؤں کے لئے مجبور ہو جاتی ہیں۔ مگر بسنت کے شیدائیوں اور مست حال اوباشوں کو اس کی مطلق پرواہ نہیں ہوتی۔ اگر یہ مسلمان ہیں تو انہیں نبی اکرم ﷺ کے ان فرامین کو غور وفکر سے بار بار پڑھنا چاہیے:

«المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده» (بخاری:۱۰)

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''

«من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فلا يؤذ جاره» (بخاری:۶۰۱۸)

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دے۔''

تفریح کے لیے پتنگ بازی کا مسئلہ

اگر یہ مان لیا جائے کہ پتنگ بازوں کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اسے مذہبی رنگ میں نہیں بلکہ تفریحی انداز پر مناتے ہیں تو اس لحاظ سے بظاہر پتنگ بازی ایک کھیل معلوم ہوتا ہے مگر پھر بھی اسے دوسرے کھیلوں کی طرح حدود و قیود کا پابند بنانا ہوگا۔ بلکہ دنیا کے وہ ممالک جہاں اسے ایک کھیل کی حیثیت حاصل ہے وہاں اس کی سخت شروط وقیود لاگو ہیں جن کی خلاف ورزی کی صورت میں سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ شرعی اور اقتصادی نقصانات سے قطع نظر پتنگ بازی کے کھیل کے لیے یہ پابندی ضروری ہے کہ مقامی اور عوامی مقامات کی بجائے آبادی سے دور کھلے میدانوں اور دریاؤں یا سمندروں کے ساحلوں پر اس کا اہتمام کر لیا جائے۔ اس لئے اگر کوئی من چلا اسے کھیل سمجھتے ہوئے اپنا شوق پورا کرنا ہی چاہتا ہے تو اسے آبادی اور آمدورفت کے مقامات سے دور کہیں جنگل میں یا دریا کے کنارے بھیج دینا چاہیئے تاکہ وہ اپنا شوق بھی پورا کر لے اور کسی معصوم جان کا ضیاع بھی نہ ہو اور عام شہریوں کے سکون میں خلل بھی واقع نہ ہو۔

بسنت کیا ہے؟

ایک ہندو تہوار جو سکھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام کا جشن بن گیا!!

مؤرخہ ۹ رفروری ۲۰۰۳ء کو پاکستان کے موقر ترین اخبار 'نوائے وقت' نے 'بسنت کیا ہے؟' کے عنوان سے صفحہ اوّل پر تفصیلی خبر مضمون کے انداز میں شائع کی۔ ۲۰۰۳ء میں ۱۰ رفروری کو لاہور میں بسنت کا بیہودہ جشن منایا گیا۔ نوائے وقت جیسے سنجیدہ اخبار نے عوام الناس کو بسنت کی حقیقت کے متعلق آگاہ کرنے کے لیے جو تحقیقی مواد منتخب کیا، اس کا ۸۰ فیصد سے زیادہ حصہ محمد عطاء اللہ صدیقی کے تحقیقی مضمون 'بسنت محض موسمی تہوار نہیں!' سے لیا گیا جو 'محدث' کے فروری ۲۰۰۱ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ یہ ذہن نشین رہے کہ ادارہ 'محدث' نے اس مضمون کو کتابچہ کی صورت میں شائع کر کے اہل قلم اور صحافی برادری میں وسیع پیمانے پر تقسیم کیا تھا۔ اس مضمون کو مختلف اخبارات اور رسائل نے اپنی اشاعت کا حصہ بنا کر اس تحریکی مشن میں اپنی کاوشوں کو شامل کیا جس کا آغاز نہیں تو باقاعدہ منظّم مخالفت ادارۂ 'محدث' نے ۲۰۰۱ء میں شروع کی تھی۔ 'نوائے وقت' جیسے مؤقر جریدے کی طرف سے اس مضمون کو صفحہ اوّل کی خبر کی صورت میں شائع کرنا جہاں اس مضمون کے مصنف کی تحقیقی کاوش کی پذیرائی ظاہر کرتی ہے، وہاں اس سے خود ادارہ نوائے وقت کا مجاہدانہ کردار بھی کھل کر سامنے آتا ہے جو اس عظیم المرتبت اخبار نے ہر کج روی اور ثقافتی بگاڑ کے خلاف بھرپور انداز میں ادا کیا ہے۔

نوائے وقت کی خبر کا تفصیلی متن ملاحظہ فرمائیے۔ (مرتب)

لاہور (نیوز ڈیسک) ایک معاصر اخبار میں سرخی لگی ہے کہ ''آج لاہور بسنتی رنگ میں نہا جائے گا!!'' پچھلے چند سالوں میں 'موج میلہ مافیا' نے مخصوص مقاصد کے تحت بسنت کو بتدریج ایک قومی تہوار میں تبدیل کر دیا ہے۔ بسنت کیا ہے؟ آپ کے علم میں اضافہ کے لئے مندرجہ

تفصیلات حاضر ہیں:

بسنت سنسکرت کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے 'بہار' ...... جب موسم سرما رخصت ہونے لگے، سرسوں کے پھول کھل اُٹھیں تو یہ موسم 'بسنت رُت' کہلاتا ہے۔ مثل مشہور ہے: 'آئی بسنت؛ پالا اُڑنت'۔ اسی موسم کی مناسبت سے پیلے رنگ کو بسنتی رنگ کہا جاتا ہے۔

بسنت تہوار کس لئے؟

موسم بہار یا بسنت رُت ہر معاشرے میں خصوصی اہمیت کا حامل رہا ہے، چونکہ اس میں موسم نقطہ اعتدال پر آجاتا ہے۔ پھول کھل اُٹھتے ہیں، فصل پک جاتی ہے، قدیم دور کا انسان اس کی آمد پر بہت خوش ہوتا وہ سمجھتا کہ بہار کی آمد میں دیوتاؤں کی مہربانی کارفرما ہے۔ چونکہ تمام اعتقادات دیوی دیوتاؤں ہی سے منسوب تھے، اس لئے وہ دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے مختلف انداز سے اپنی مذہبی رسومات مناتا۔ بسنت کے ایک حامی مشتاق پھلروان لکھتے ہیں:

''انسان بہار کی طرح طرح خوشامد کرنے لگا۔ اسے منانے کے لئے نذرانے، ہدیے اور تحفے دینے لگا۔ وہ سمجھتا تھا کہ کسی روٹھے کو منانے کے لئے قیمتی تحفہ دینا چاہئے۔ سب سے قیمتی تحفہ تو انسانی جان ہے۔ چنانچہ بہار کی دیوی کو خوش کرنے کے لئے انسان ذبح کئے جانے لگے۔ انڈیا میں اب بھی درگا دیوی کو خون دیا جاتا ہے۔

بہار دیوی مصر میں آئسس، شام وعراق میں عشار، یونان میں وینس، ایران میں ناہید، روم میں اسیرس، چین میں شیس، ہند میں درگا اور عرب میں زہرہ کہلائی۔''

(کتابچہ: کیا بسنت صرف ہندوؤں کا تہوار ہے؟)

ہندو مذہب کے معتقدات، رسومات، میلوں اور دیگر مذہبی تہواروں کا ذکر کرتے ہوئے مشہور مسلمان مؤرخ 'البیرونی' لکھتے ہیں:

''**عید بسنت:** بیساکھ میں منائی جاتی ہے، اس مہینے استواء ربیعی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے۔ حساب سے (جوتش اور علم نجوم کے ذریعے) اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید

کرتے اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں۔'' (کتاب الہند اُردو ترجمہ، ص ۲۳۸)

مذکورہ بالا حقائق ثابت کرتے ہیں کہ بسنت خالص ہندوانہ تہوار ہے۔

پتنگ: ہندوؤں کی قدیم تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بسنت اور پتنگ کا باہم کوئی تعلق نہیں تھا۔ گو پتنگ بذاتِ خود مشرک اقوام میں معروف دیوتا مانا جاتا تھا اور اسے اُڑانا بہت سے کام نکالنے کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ پتنگ بازی کے ایک حامی لکھتے ہیں:

''مستند روایت یہی ہے کہ اس کی ابتدا چین سے ہوئی۔ تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ چین اور کوریا سے آنے والے بدھ پادریوں نے اسے مذہبی میلوں میں متعارف کروایا۔ چنانچہ بدھ مت، چینی اور جاپانی لوگ ایک خاص روز پتنگ بازی کا جشن مناتے ہیں۔ چین میں ہر سال ۹ ستمبر کو اور جاپان میں ۵ مئی کو پتنگ بازی کا دن منایا جاتا ہے۔

پتنگ بازی ہندوستان، چین اور جاپان میں مذہبی تعطیلات اور میلوں کا اہم حصہ رہی ہے۔ عبادت گاہوں اور درگاہوں پر مذہبی گروہ بدقسمتی، نحوست اور بیماری دور کرنے کے نسخہ کے طور پر پتنگ استعمال کرتے ہیں۔'' (نوائے وقت: ۲۰/فروری ۲۰۰۰ء)

ایک اخبار لکھتا ہے:

''اہل یونان آسمانی بلاؤں سے نجات حاصل کرنے کے لئے پتنگیں اُڑایا کرتے تھے۔''

(روزنامہ خبریں: ۸/فروری ۱۹۹۸ء)

مشتاق پھلروان جو پتنگ بازی کے حامی ہیں، لکھتے ہیں:

''بعض قبائل میں پتنگ کے بھجن گائے گئے، پتنگ کو دیوتا مانا گیا۔ اس سے دعائیں اور مرادیں مانگی جاتی ہیں، یہ اعتقاد بھی دیکھا گیا کہ پتنگ سے بھوت پریت نہیں آتے۔''

(کتابچہ 'بسنت و پتنگ')

بسنت اور پتنگ دو الگ الگ مشرکانہ عقائد اور تہواروں کا حصہ ہیں۔ لیکن ان دونوں کا باہم ربط و تعلق کیسے ہوا؟ اس کا پس منظر ہم مسلمانوں کے لئے اس قدر غیرت آموز ہے کہ اگر ہم میں ذرہ برابر بھی دینی حمیت ہو تو بسنت اور پتنگ کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔

دراصل ایک گستاخِ رسول 'حقیقت رائے دھرمی' کو بسنت پنچمی کے روز اس کے جرم کی پاداش میں پھانسی دی گئی تھی۔سکھوں نے بالآخر اس کا بدلہ ان تمام مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کر کے لے لیا جو اس وقوعہ میں کسی نہ کسی طریقے سے ملوث تھے۔انتقام لینے کی خوشی میں سکھوں اور ہندوؤں نے 'حقیقت رائے دھرمی' کے میلے کے روز اس کی سمادھ پر پتنگیں اُڑائیں۔کیونکہ اس کی پھانسی کا دن بسنت پنچمی تھا، اس لئے لاہور میں جو سکھوں کا پایہ تخت تھا، بسنت اور پتنگ لازم وملزوم سمجھے جانے لگے۔

بسنت کا ایک اور بھیانک روپ

قارئین! اب مندرجہ بالا واقعہ کے تاریخی شواہد بھی ملاحظہ فرمائیے ......

محمد حنیف قریشی اپنے مضمون 'بسنت کا تہوار تاریخ و مذہب کے آئینہ میں' میں لکھتے ہیں:

''یہ بات اکثر کہی جاتی ہے کہ بسنت ایک موسمی اور ثقافتی تہوار ہے جس کا مذہب اور قوم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، تاہم ایسے بزرگ ابھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہوں گے جو اس امر کی شہادت دیں گے کہ آزادی سے قبل بسنت کو عام طور پر ہندوؤں کا تہوار ہی سمجھا جاتا تھا اور لاہور میں ہی جوش وخروش سے منایا جاتا تھا۔ جہاں دو تین جگہ بسنت میلہ منعقد ہوتا تھا۔ ہندو مرد اور عورتیں باغبانپورہ کے قریب 'حقیقت رائے دھرمی' کی سمادھ پر حاضری دیتے اور وہیں میلہ لگاتے۔ مرد زرد رنگ کی پگڑیاں باندھے ہوتے اور عورتیں اسی رنگ کا لباس ساڑھی وغیرہ پہنتیں۔سکھ مرد اور عورتیں اس کے علاوہ گوردوارہ اور گورو مانگٹ پر بھی میلہ لگاتے۔ ہر جگہ خوب پتنگ بازی ہوتی۔ اندرونِ شہر میں بھی پتنگیں اڑائی جاتیں، مسلمان بھی اس میں حصہ لیتے مگر زرد کپڑوں کے لباس وغیرہ سے پرہیز کرتے۔ یہ سارا کھیل دن کو ہوتا، رات کو روشنیاں لگانے اور لاؤڈ سپیکر، آتش بازی یا اسلحہ کے استعمال کا رواج نہ تھا۔''

(ماہنامہ 'محدث': فروری ۲۰۰۱ء)

سکھوں کے اس مذہبی میلے کا ذکر کرتے ہوئے ہندو مؤرخ 'ایس بی نجار' نے اپنی کتاب Punjab Under the Later Mughals میں لکھا ہے کہ

''۱۷۰۹ تا ۱۷۵۹ میں پنجاب کا گورنر زکریا خان تھا۔ انہی دنوں ایک کھتری لڑکے 'حقیقت رائے باگھ مل پوری' نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلاف دشنام طرازی کی۔ معاملہ عدالت تک گیا۔ قاضی نے جو مسلمان تھا، اسے موت کی سزا سنائی۔ چنانچہ علاقہ گھوڑے شاہ میں (سکھ نیشنل کالج کی گراؤنڈ میں) اسے پھانسی دے دی گئی۔ یہ سال ۱۷۳۴ء کا واقعہ ہے۔ بعد ازاں خالصہ کمیونٹی نے آخر کار اس کا انتقام مسلمانوں سے لے لیا اور ان تمام مسلمانوں کو جو اس واقعہ سے متعلق تھے، انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا۔''

اسی کتاب کے صفحہ ۲۷۹ پر ڈاکٹر ایس بی نجار نے تحریر کیا ہے کہ

''پنجاب میں بسنت کا میلہ اس حقیقت رائے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔''

محترم محمد عطاء اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

''ہندوؤں نے حقیقت رائے دھرمی کو ہیرو کا درجہ دے دیا اور اس کی یاد میں بسنت میلہ منانا شروع کر دیا۔ چونکہ حقیقت رائے کی شادی ایک سکھ لڑکی سے ہوئی تھی اس لئے سکھ برادری بھی ہندوؤں کے غم میں برابر کی شریک تھی۔'' (ماہنامہ 'محدث': فروری ۲۰۰۱ء)

جب سکھ برسر اقتدار آئے تو انہوں نے اس واقعہ کے حوالے سے بسنت کا تہوار جوش وخروش سے منانا شروع کر دیا۔ چنانچہ مشہور انگریز مؤرخ الیگزینڈر برنر جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں لاہور آئے تھے، انہوں نے بسنت میلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''لاہور سے میلہ تک مہاراجہ کی فوج دو رویہ کھڑی ہوتی ہے۔ مہاراجہ گزرتے وقت اپنی فوج کی سلامی لیتا ہے۔ میلہ میں مہاراجہ کا شاہی خیمہ نصب تھا جس پر زرد رنگ کی ریشمی دھاریاں تھیں، مہاراجہ نے بیٹھ کر پہلے گرنتھ صاحب کا پاتھ سنا، پھر گرنتھی کو تحائف دیئے اور مقدس کتاب کو دس جزدانوں میں بند کر دیا۔ سب سے اوپر والا جزدان بسنتی مخمل کا تھا۔''

(نقوش: لاہور نمبر)

اورینٹل کالج لاہور کے سابق لیکچرار گیانی خزاں سنگھ نے 'تاریخ گوردوارہ شہید گنج' کے واقعہ کا ذکر بڑے جذباتی انداز میں یوں کیا ہے:

''تاریخ کے محقق اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بھائی حقیقت سنگھ نہیں، عام لوگ حقیقت رائے

دھرمی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ امرت دھاری اور تیار بر تیار سنگھ تھے۔ آپ کے ننھیال والے سکھ تھے جو کہ آپ کے ساتھ ہی نخاس چوک میں شہید کر دیئے گئے۔ آپ کے سسرال بھائی کشن سنگھ وڈالے والے کے گھر تھے۔ لاہور میں اس جگہ (شہید گنج) پر آپ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ ان کے بوڑھے پتا، ضعیف والدہ اور جوان بیوی کی آہیں اور فریادیں پتھروں کو بھی موم کر دینے والی چیخیں اور منتیں بھی اس وقت کے حکام کے دل میں رحم اور ترس کے جذبات پیدا نہ کر سکیں اور آپ نہایت سکون کے ساتھ سن ۱۸۰۳ بکرمی میں بسنت پنچمی کے دن دھرم کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گئے۔ بسنت پنچمی کے دن آپ کی سمادھ پر بڑا بھاری میلہ لگتا ہے۔''

گیانی خزاں سنگھ کی تحقیق کے مطابق حقیقت رائے ہندو نہیں بلکہ سکھ تھا۔ مندرجہ بالا سطور میں جس بے پایاں عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے اس سے یہ گمان گزرتا ہے کہ ہندو اور سکھ مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ کے گستاخ 'حقیقت رائے' کو وہی درجہ دیتے ہیں جو مسلمان غازی علم الدین شہید کو دیتے ہیں۔

ڈاکٹر سر گوکل چند نارنگ، تقسیم ہند سے قبل حکومت پنجاب میں لوکل گورنمنٹ کے وزیر تھے وہ اپنی انگریزی تصنیف 'مسٹر انفرمیشن آف سکھ ازم' میں بسنت میلے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''...... فیصلہ سنا دیا گیا اور فوراً ہی لاہور کے عین مرکز میں تمام ہندو آبادی کی آہوں اور بددعاؤں میں شریف لڑکے کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس کی کریا کرم میں امیر غریب سب شامل ہوئے اور اس کی راکھ لاہور کے مشرق میں چار میل دور دبا دی گئی۔ جہاں اس کی یادگار ابھی تک قائم ہے جس پر ہر سال بسنت پنچمی کے روز جو اس کی شہادت کا دن ہے میلہ لگتا ہے۔''

حیققت رائے کی یہ یادگار اس وقت کوٹ خواجہ سعید لاہور میں ہے۔ لوگ اسے 'بابے دی مڑھی' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک ایک گستاخِ رسول مقدس بابا ہے۔

('بسنت محض موسمی تہوار نہیں!' از ماہنامہ 'محدث' فروری ۲۰۰۱ء)

مندرجہ بالا تاریخی دلائل کے بعد بسنت کو محض موسمی تہوار باور کرانا حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔ (سہ کالمی خبر کا متن شائع شدہ روزنامہ 'نوائے وقت': ۹؍فروری ۲۰۰۳ء)

باب دوم

بسنت

دورِ حاضر میں

بسنت اور ثقافتی لبرل ازم

ثقافت اور کلچر کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہ زندگی کی روحانی، فکری، مذہبی اور اخلاقی قدروں کی مجسم تصویر کا نام ہے۔ سچائی، حسن، خیرِ محض، انصاف اور محبت اِسی کلچر کی کرنیں ہیں۔ ثقافت نام ہے ایک طرزِ فکر، تخلیقی روایت اور طرزِ معاشرت کا، جس میں زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ راست بازی، نگاہ کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی قرار پاتی ہے۔[①]

دنیا کے بڑے بڑے فلسفیوں، پیغمبروں اور دانشوروں کا کہنا ہے کہ بلند قدروں کا بنیادی سر چشمہ خدا کی ذات ہے جو تمام چیزوں کا پیمانہ ہے:God is the measure of all things اس کی وجہ یہ ہے اگر آدمی کا رشتہ خدا سے ٹوٹ جائے تو پھر وہ تخیل کی دنیا میں پرواز کرتا ہوا حقائق اور انسانیت سے تغافل بھی برت سکتا ہے۔[②]

انیسویں صدی کے معروف انگریز شاعر اور فلسفی میتھو آرنلڈ نے ثقافت کے فکری پہلو کو اُجاگر کرتے ہوئے کہا تھا: "Culture is the creation of the best minds"

یعنی ''ثقافت بہترین اذہان کی تخلیق کا نام ہے۔''

پروفیسر کرار حسین لکھتے ہیں:

''کلچر ایک ملغوبہ ہے، مذہب + ہسٹری + جغرافیہ کا۔ ہندوؤں کے کلچر اور ہمارے کلچر میں صرف جغرافیہ دونوں طرف ہے۔ ہسٹری اور مذہب ہمیں جدا کرتے ہیں۔''[③]

---

① پاکستان کا ثقافتی ورثہ از شیخ محمد اکرام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص۵

② ہمارا ثقافتی ورثہ از ڈاکٹر رشید احمد جالندھری

③ پی ٹی وی لیکچر، نقل کردہ...... 'روشنی چراغوں کی' از صادق نسیم

معروف جرمن مؤرخ وفلسفی اسو الڈ سپنگلر کا کہنا ہے کہ

''ثقافت (کلچر) مافوق الطبیعات اَفکار پر یقین رکھنے کا نام ہے جن کے لئے انسان اپنی جان بھی دے سکتا ہے۔''

نامور مصری ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے بقول:

''کلچر یا ادب ایک بلند قدر ہے جو کسی نظریہ کی آلہ کار نہیں بنتی۔''

ڈاکٹر رشید جالندھری صاحب کا یہ کہنا بھی درست ہے کہ

''کلچر کا تعلق اپنی سرزمین، مقامی رہن سہن، رسم ورواج اور زبان وادب سے بھی ہوتا ہے''

جو لوگ کلچر کو محض رقص وسرود تک محدود سمجھتے ہیں اور جن کا تخیل کلچر کے متعلق طوائف کے کوٹھے کے حدود اربعہ کے باہر سوچنے سے قاصر ہے، ان کے لئے کلچر کا مندرجہ بالا سطور میں پیش کردہ تصور شاید قابل فہم نہ ہو۔ ایسے افراد جو ہر طرح کے لہو ولعب اور خرافات کو قومی کلچر بنا کر پیش کرتے ہیں، ممکن ہے ان کے اَذہان بھی کلچر کے اس ارفع تصور کو قبول کرنے میں تامل محسوس کریں، مگر حقیقت یہ ہے کہ کلچر کا حقیقی تصور یہی ہے جس کا خلاصہ اس مضمون کی تمہید کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

تہوار ایک ایسا موقع ہے جو کسی خاص حوالہ کے ساتھ کسی مذہب کے پیروکار اپنے کیلنڈر کے مطابق ہر سال مناتے ہیں۔ یہ حوالہ کسی تاریخی واقعہ کی یاد میں ہوسکتا ہے، اور کوئی مذہبی فریضہ اس کی شکل میں ممکن ہوسکتا ہے، لیکن ایک حقیقت جو کہ ہر جگہ درست نظر آئے گی وہ یہ ہے کہ تہوار ایک تاریخی عمل کی حیثیت سے مذہب اور مذہب کے پیروکاروں کے لیے یگانگت اور مذہبی وحدت کی بہت عظیم بنیاد ہے اور تاریخی طور پر ہمیشہ زندہ رہنے والی مثال ہے۔ عمومی طور پر مذہب سے منسلک تہوار معاشرتی رنگ میں ڈوب کر بھی واضح رہتے ہیں۔[۴]

تہوار منانے کے طریقے مختلف اقوام میں مختلف ہوتے ہیں۔ ہندوؤں میں تہوار منانے کے خاص طریقے ہیں۔ ہندوؤں کے تہواروں کے نام تو وہی ہیں، لیکن ان کے طریقے بدل

[۴] نشری تقریریں از ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ص ۸۵

گئے ہیں۔بعض تہواروں کے منانے کے طریقے میں برائے نام فرق کر دیا گیا ہے اور بعض کو مذہبی اُمور میں بہ تغیر نام شامل کر دیا گیا ہے۔⑤

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''تہوار منانے کے طریقے دنیا کی مختلف قوموں میں بے شمار ہیں۔کچھ میں صرف کھیل کود اور راگ رنگ اور لطف وتفریح تک ہی تہوار محدود رہتا ہے۔کہیں تفریحات تہذیب کی حد سے گزر کر فسق وفجور اور ناشائستگی کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔کہیں مہذب تفریحات کے ساتھ کچھ سنجیدہ مراسم بھی ادا کیے جاتے ہیں۔اور کہیں ان اجتماعی تقریبات سے فائدہ اُٹھا کر لوگوں میں اعلیٰ درجہ کی روح پھونکنے اور کسی بلند نصب العین کے ساتھ محبت اور گرویدگی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔غرض ہر ایک قوم کا تہوار منانے کا طریقہ گویا ایک پیمانہ ہے جس سے آپ اس کے مزاج اور اس کے حوصلوں اور اُمنگوں کو اعلانیہ ناپ کر دیکھ سکتے ہیں۔جتنی بلند روح کسی قوم میں ہوگی، اتنے ہی اس کے تہوار اخلاقی اعتبار سے مہذب اور پاکیزہ ہوں گے۔اس طرح اخلاقی اعتبار سے کوئی قوم جتنی پست ہوگی وہ اپنے تہواروں میں اتنے ہی مکروہ مناظر پیش کرے گی۔⑥''

اسلامی تہوار ایک عجیب ثقافت ،شان، شائستگی اور اخلاقی بلندی کے حامل ہوتے ہیں۔اس میں نہ لہو ولعب ہوتا ہے، نہ گھٹیا تفریحات ۔ان کا بنیادی نصب العین ملتِ اسلامیہ میں اتحاد، بھائی چارہ، محبت اور یگانگی پیدا کرنا اور پاکیزہ اطوار دینا ہے۔

① بسنت اور آزادروی

ہمارے ہاں دانشوروں کا ایک مخصوص طبقہ بسنت کو 'ثقافتی تہوار' کا نام دیتا ہے۔مگر گذشتہ چند برسوں سے 'بسنت' کے نام پر جو کچھ کیا جارہا ہے، اسے زندگی کی روحانی، فکری اور اخلاقی

---

⑤ رسومِ دہلی از سید احمد دہلوی، مترجم سید یوسف، ص۵۳

⑥ نشری تقریریں از ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ص ۸۵

قدروں کی مجسم تصویر نہیں بلکہ 'تذلیل' کہا جانا چاہئے۔

بسنت کے موقع پر جس طرح کی 'ثقافت' کا بھرپور مظاہرہ کیا جاتا ہے، کوئی بھی سلیم الطبع انسان اسے 'بہترین اذہان کی تخلیق' نہیں کہہ سکتا۔

بسنت ایک ایسے طرزِ معاشرت کو پروان چڑھانے کا باعث بن رہا ہے جس میں کردار کی پاکیزگی کی بجائے لہو ولعب سے شغف، اوباشی اور بے حیائی کا عنصر بے حد نمایاں ہے۔

گذشتہ چند برسوں سے بسنت کو زبردستی لاہور کے ایک ثقافتی تہوار کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ تاریخی طور پر بسنت ایک ہندوؤانہ تہوار ہی تھا مگر جو رنگ رلیاں، ہلڑ بازی، ہاؤ ہو، لچر پن، بے ہودگی، ہوسناکی، نمود ونمائش اور مادّہ پرستانہ صارفیت بسنت کے نام نہاد تہوار میں شامل کردی گئی ہے، اس کا تاریخ سے کوئی تعلق ہے، نہ اہل پاکستان کی ثقافت اسے کبھی گوارا کرسکتی ہے۔ یہ بالکل نئی شروعات ہیں جنہیں تفریح وثقافت کے نام پر پاکستان میں متعارف کرایا جارہا ہے۔ لاہوری بسنت کا اہم ترین مظاہرہ 'بسنت نائٹ' کو دیکھنے میں آتا ہے۔ بسنت نائٹ جسے 'شبِ عشرت' کہنا زیادہ مناسب ہے، پندرہ بیس سال پہلے اس کا وجود تک نہ تھا اور آج اس کے بغیر شاید بسنت کا سارا فیسٹیول 'پھیکا اور بے مزہ' نظر آئے۔

بسنتی تماش بینوں کے لئے 'بسنت نائٹ' ہی سب سے پرکشش اور ان کی ہوسناکی کی تسکین کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ ۲۰۰۰ء سے سرکاری سرپرستی نے اس ہوش ربا شبِ عشرت کے رنگِ حنا کو اور بھی چمکا دیا ہے۔ بسنتی پروانے شبِ بسنت کو تابناک شمع سمجھ کر اس پر ایسے جھپٹتے ہیں کہ اہالیانِ لاہور کی زندگیاں اجیرن بنا دیتے ہیں۔ لاہور کی سڑکوں پر ٹریفک کا اتنا بڑا اژدہام کبھی نظر نہیں آتا۔ دور و دراز سے بسنتی پروانے شبِ بسنت کی بھیگی منور زلفوں کے معمولی لمس کی حسرت دلوں میں لئے دیوانہ وار لاہور پر ٹوٹ پڑتے ہیں، اندرونِ لاہور ہوٹلوں، بڑے پلازوں اور بعض زندہ دلانِ لاہور کے مکانات کی چھتیں بسنت نائٹ کو طوائف کے کوٹھے اور انگریز دور کے جمخانہ جیسے میکدے سے زیادہ بارونق نظر آتے ہیں۔

بسنت نائٹ کو بازاری عورتیں جسم فروشی سے چاندی بناتی ہیں تو لاہور یے ملٹی نیشنل کمپنیوں اور بڑے تاجروں کو اپنے مکانات کی چھتیں کرائے پر دے کر ایک ہی رات میں لاکھوں کی کمائی کرتے ہیں۔ کئی کئی ہفتے پہلے ان چھتوں کے سودے ہوجاتے ہیں۔ اندرونِ لاہور کی چھتیں بسنت نائٹ منانے کے لئے پچاس ہزار سے لے کر ۱۰ لاکھ تک بک کی جاتی ہیں۔ ان چھتوں پر صرف لذتِ کام و دہن کا ہی اہتمام نہیں ہوتا، ذوقِ سماعت کے لئے راگ رنگ اور ہوس ناک نگاہوں کی تسکین کا بھی پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ شراب و کباب، موسیقی، پری زاد چہرے، رقص، جلوے؛ غرض کیا کچھ نہیں ہوتا۔ بسنت نائٹ، شبِ غنا اور شبِ گناہ کا بہت ہی کریہہ منظر پیش کرتی ہے۔

لاہور شہر کے ہوٹلوں کی چھتیں ہی نہیں، کمرے بھی بسنتی ذوق کے مطابق آراستہ کئے جاتے ہیں۔ شام ڈھلتے ہی ان چھتوں پر راگ رنگ، ناؤ ونوش، موسیقی اور پتنگ بازی شروع ہوجاتی ہے۔ ایسی محفلوں میں شراب پانی کی طرح چلتی ہے۔ بسنت نائٹ پر ان ہوٹلوں میں کمروں کے نرخ چار پانچ گنا بڑھ جاتے ہیں۔ باذوق تماش بین ایسے ہوٹلوں میں اپنی چاہت کے کمروں میں قیام کے لئے لاکھوں روپے خرچ کرنے سے بھی پس و پیش نہیں کرتے۔ ان ہوٹلوں کی راہداریوں میں جا بجا نشے میں دھت جوڑے جھولتے لڑکھڑاتے نظر آتے ہیں۔ لاہور شہر میں جنسی بے راہ روی کتنی ہے، اور بازاری عورتوں کے لاؤ لشکر کس قدر زیادہ ہیں، اس کا اندازہ اگر کوئی کرنا چاہے تو بسنت نائٹ سے زیادہ موزوں شاید کوئی دوسرا موقع نہ ہو۔

بسنت اور ملٹی نیشنل کمپنیاں

بسنت کے موقع پر مال روڈ، جیل روڈ، گلبرگ بلیووارڈ، فیروز پور روڈ اور دیگر اہم شاہرات پتنگوں کی شکل کے بورڈوں اور اشتہارات سے مزین کردی جاتی ہیں۔ ان شاہراہوں پر سفر کرنے والے کی نگاہیں ان پتنگوں سے چھٹکارا نہیں پاسکتی۔ ٹیلی ویژن اور اخبارات بھی ایسے اشتہارات اور بسنتی پروگراموں کو بھرپور کوریج دیتے ہیں۔ پی ایچ اے اور دیگر سرکاری اداروں

کے تعاون سے بڑے زبردست 'ثقافتی' پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں۔ شاہی قلعہ، حمام، ریس کورس اور دیگر مقامات پر رنگا رنگ تقریبات کی جاتی ہیں جن پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سرکاری ادارے اپنے بجٹ سے یہ رقم خرچ نہیں کرتے بلکہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور کاروباری ادارے یہ پروگرام سپانسر کرتے ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں بسنت کے موقع پر کوکا کولا نے ۴۵ لاکھ روپے اور پیپسی کولا نے ۳۵ لاکھ روپے کی خطیر رقم اس طرح کے پروگرام اور شاہراہوں کو سجانے کے لئے عطیات کے طور پر دی۔ یہ وہ اعداد وشمار ہیں جو پی ایچ اے نے صوبائی اسمبلی کے ایک معزز رکن کے سوال کے جواب میں دیئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کثیر القومی تجارتی ادارے پاکستان کے ایک نام نہاد ثقافتی تہوار کی رونق کو دوبالا کرنے کے لئے اس قدر فیاضی اور سخاوت کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں؟ اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ انہیں ہماری ثقافت سے کوئی دلچسپی نہیں، درحقیقت وہ ایک ایسی ثقافت کو فروغ دینا چاہتے ہیں جو اُن کی تجارت کو پروان چڑھا سکے۔

مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے اُصولوں کو فروغ دینے والی یہ کمپنیاں تجارت کے ساتھ ساتھ ثقافتی لبرل ازم کا ایجنڈا بھی رکھتی ہیں۔ ان کا کاروبار مغربی کلچر کو پروان چڑھائے بغیر فروغ نہیں پاسکتا۔ یورپ اور امریکہ میں ان یہودی تاجر اداروں نے پہلے ایک مخصوص لبرل کلچر کو ترقی دی، بعد میں اس موزوں کلچر کی وجہ سے ان کا کاروبار خوب چمکا۔ آج صورت یہ ہے کہ امریکہ میں پیاس بجھانے کے لئے شاید ہی کوئی امریکی سادہ پانی کا گلاس پیئے۔ کوکا کولا اور اس طرح کے مشروب ہی ان کے لئے پانی کی جگہ لے چکے ہیں۔ پاکستان میں بھی حالیہ برسوں میں ان مغربی مشروبات کی کھپت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔

مغربی سرمایہ دارانہ نظام نے جس صارفیت کو جنم دیا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کو خاندانی ماحول سے نکال کر بازار اور منڈی کے مخلوط ماحول میں لا کھڑا کیا جائے جس میں لہوولعب، فارغ البالی اور جنسی بے راہ روی کو بنیادی حیثیت حاصل ہو۔ امریکی تھنک ٹینک ان ملٹی نیشنل اداروں کو ثقافتی ایجنڈا بھی سونپتے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کے کلچر کو مغربی کلچر

کے مطابق ڈھالنا ان کے اس ایجنڈے کا اہم نکتہ ہے۔ پاکستان میں میکڈونلڈ نقصان میں جارہا ہے، مگر وہ اپنے کسی بھی سیل پوائنٹ کو بند نہیں کررہے۔ امریکہ سے آنے والے ایک باخبر پاکستانی کا کہنا ہے کہ میکڈونلڈ نے پاکستان میں اپنے ریستوران کا جال بچھا کر امریکہ میں اچھی خاصی subsidy (امداد) حاصل کی ہے۔

ان کا ثقافتی ایجنڈا یہ ہے کہ پاکستانیوں کو مشرقی کھانوں سے بیزار کر کے امریکی کھانوں کی رغبت دی جائے۔ امریکہ دنیا میں سیاسی نظام کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اپنی ثقافتی اقدار کو بھی مسلط کرنا چاہتا ہے۔ مگر افسوس ہمارے پالیسی ساز اس خطرناک ایجنڈے کا اِدراک کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ محض اس بات پر ہی خوش ہیں کہ انہیں بسنت منانے کے لئے ملٹی نیشنل کمپنیاں کروڑوں روپے دے رہی ہیں اوران کی جیب سے کچھ خرچ نہیں ہورہا۔ ان سکوں کی جھنکار میں پاکستان پر غیر محسوس طریقے سے جو ثقافتی یلغار کی جارہی ہے، اس کے خطرناک مضمرات سے چشم پوشی بے حد افسوس ناک ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں بسنتی تہوار کے ذریعے کس طرح کا کلچر پروان چڑھانا چاہتی ہیں، اس کا اندازہ ان کی طرف سے دیئے گئے اشتہارات اور جابجا نصب کردہ بسنتی بورڈوں پر درج شدہ ان نعروں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

۲۰۰۳ء کے بسنت کے موقع پر پیپسی کولا نے اپنے بورڈوں پر یہ نعرہ درج کیا:

سارے لہور دی اِکو ٹور — پیپسی گڈیاں، بھنگڑے ڈور

بسنت مناواں، پینگاں پاواں — کھابے کھاواں، موج اڑاواں

ایک اور ملٹی نیشنل کمپنی نے کپڑے کے بسنتی بینروں سے لاہور شہر کو سجا رکھا تھا اس پر تحریر تھا:

؎ رقص میں ہے سارا جہاں

یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں پاکستان میں کھابے کھانے اور موج اُڑانے کا کلچر پروان چڑھا کر پاکستان کی نوجوان نسل کو اس کی فکری اَساس اور ان بلند ثقافتی قدروں سے محروم کرنا چاہتی ہیں جن کے بغیر کوئی بھی قوم ثقافتی عروج حاصل نہیں کرسکتی۔ ان بلند ثقافتی اقدار کا ذکر اس

مضمون کی تمہید میں کر دیا گیا ہے، قارئین خود ہی موازنہ کرلیں۔

② بسنت پر انسانی جانوں کا زیاں

بسنت کے پردے میں پاکستان میں رقص وسرود، لہوولعب اور بے حیائی کو فروغ دینے کے لئے ملٹی نیشنل کمپنیاں بھاری سرمایہ کاری کررہی ہیں۔ بسنتی لہوولعب کے بڑھتے ہوئے رجحان سے جہاں ہماری ثقافتی اقدار کا جنازہ نکل رہا ہے، وہاں قاتل بسنت کے ہاتھوں اپنی جانیں ہار جانے والوں کے جنازے بھی سال بہ سال اُٹھ رہے ہیں۔ دھاتی ڈور سے شہ رگ کٹنے کے واقعات پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ بسنت کے دنوں میں چھتوں سے گرکر اور گاڑیوں سے ٹکرا کر مرنے اور زخمی ہونے والوں کا ذکر بھی کچھ کم روح فرسا نہیں ہے۔ کاش کہ فلڈ لائٹوں کی مصنوعی چکا چوند روشنی میں پتنگ بازی کا شغل برپا کرنے والوں کو احساس ہوتا کہ کتنے معصوم شہری موت کے اندھے غار میں اُتر جاتے ہیں۔

بسنت کے موقع پر کتنے لوگ ہلاک اور زخمی ہوتے ہیں، اس کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا تو بہت مشکل ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے اخبارات میں دھاتی تار کی وجہ سے بجلی کا کرنٹ لگنے اور شہ رگ پر ڈور پھرنے کی وجہ سے ہونے والی ہلاکتوں کی خبریں شائع ہوئی ہیں، مگر بسنت کے موقع پر چھتوں سے گرکر، گاڑیوں سے ٹکرا کر اور دیگر وجوہات سے زخمی ہونے والوں کے حتمی اعداد وشمار کو جمع کرنا بے حد مشکل ہے۔ ۲۰ر فروری ۲۰۰۰ء کو روزنامہ انصاف نے ۱۹۹۵ء سے لیکر ۲۰۰۰ء تک بسنت کے دنوں میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد کے بارے میں ایک رپورٹ شائع کی جس کے مطابق:

سال	ہلاکت	زخمی	سال	ہلاکت	زخمی
۱۹۹۵ء	۶	۲۰۰	۱۹۹۸ء	۶	۵۰۰
۱۹۹۶ء	۷ (۲ بچے)	۲۵۰	۱۹۹۹ء	۳	۶۷۵
۱۹۹۷ء	۳	۸۰۰	۲۰۰۰ء	۸	۷۱۳

۲۰۰۳ء میں لاہور میں ۱۰ قیمتی جانیں بسنت کی 'خوشیوں' کی نذر ہوئیں۔ جبکہ ۳۰۰ سے زائد افراد زخمی ہوکر اور اندھی گولیوں کا نشانہ بن کر ہسپتالوں میں پہنچے۔ نوائے وقت کی خاتون مضمون نگار رفیعہ ناہید پاشا نے ۱۹/جنوری ۲۰۰۴ء کو گذشتہ تین برسوں کے دوران پتنگ بازی کے باعث پیش آنے والے چند دلخراش واقعات کی رپورٹ پیش کی ہے۔ اسے پڑھ کر ایک حساس آدمی جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ وہ لکھتی ہیں:

''۲ جولائی ۲۰۰۳ء کے صرف ایک ہفتے میں تین افراد قاتل ڈور کا شکار ہوئے۔ ۱۴سالہ طالب علم ندیم حسین شام کو ٹیوشن پڑھ کر موٹر سائیکل پر گھر واپس آرہا تھا، اس کی گردن پر کٹی پتنگ کی ڈور پھر جانے سے اس کی شہ رگ کٹ گئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی مدد کو آتا وہ کلمہ چوک کے قریب جان جانِ آفرین کے سپرد کرچکا تھا۔ لاش گھر پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ وہ میٹرک کے امتحان کی تیاری کررہا تھا اور ماں بہنیں جنہوں نے اس کے تابناک مستقبل کے حوالے سے کئی خواب دیکھ رکھے تھے، اس کی کتابیں ہاتھ میں لئے بے بسی سے آنسو بہاتی رہیں، جوان بیٹوں کے لاشے وصول کرنا آسان نہیں ہوتا۔ ادھیڑ عمر ماں لاش سے لپٹ کر دیر تک روتی رہی۔

اسی طرح مکھن پورہ کا رہائشی مبین شاہد اپنی اہلیہ اور تین سالہ بیٹے فہیم کے ساتھ موٹر سائیکل پر سوار ہوکر سسرال جارہا تھا کہ اچانک مزنگ کے قریب فہیم خون میں لت پت ہوگیا۔ دونوں میاں بیوی وحشت سے چیخ و پکار کرنے لگے تو علم ہوا کہ ڈور بچے کی شہ رگ کاٹ چکی ہے۔ چند لمحوں کے اندر اندر فہیم نے باپ کی گود میں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔''

(نوائے وقت)

معروف کالم نگار حسن نثار نے 'بسنتی قتل عام' کے عنوان سے تحریر کردہ کالم میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا:

''ایک اور حادثہ کا میں جزوی طور پر عینی شاہد ہوں، میں نے کلمہ چوک کے قریب معصوم خون کا وہ بہت بڑا دھبہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، جس کا تعلق ایک ایسے نوعمر لڑکے سے تھا جو کئی بہنوں کا اکلوتا بھائی ہونے کے ناطے پورے خاندان کی جان تھا اور یہ جان بھی بے رحم ڈور نے لے لی۔ اک اور گھر کا چراغ پتنگ بازی نے گل کردیا۔'' (جنگ: ۲/جولائی ۲۰۰۳ء)

علیٰ ہذا القیاس پتنگ بازی کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے کس کس کا نام لیا جائے۔ خود حکومتِ پنجاب نے حال ہی میں صوبائی اسمبلی میں ایک رکن اسمبلی کے سوال کے جواب میں جو رپورٹ دی ہے، اس کے الفاظ ملاحظہ کیجئے:

''پتنگ بازی کے نتیجہ میں لاہور شہر میں قیمتی جانوں کا ضیاع ہوا ہے۔ اعداد وشمار کے مطابق بسنت کے دوران صرف لاہور شہر میں ۴۲/ افراد ہلاک ہوئے جبکہ ۴۲۵/ افراد زخمی ہوئے۔ لیکن حکومتِ پنجاب کی طرف سے پتنگ بازی پر پابندی عائد کرنے کے بعد ان قیمتی جانوں کا ضیاع تقریباً ختم ہوگیا ہے۔ موٹر سائیکل سوار نوجوان گلے پر ڈور پھرنے کی وجہ سے جاں بحق ہوئے۔ لیکن حکومت کی طرف سے دھاتی تار اور کیمیکل ڈور پر پابندی لگنے کے بعد یہ اموات نہ ہونے کے برابر ہیں۔'' (اسمبلی ریکارڈ)

یاد رہے کہ یہ جواب اسمبلی میں ۱۷/ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو داخل کرایا گیا اور ۱۲/ جنوری ۲۰۰۴ء کو زیر بحث لایا گیا۔ ایک طرف رفیعہ ناہید پاشا کی طرف سے بیان کردہ دلخراش واقعات اور حکومتِ پنجاب کی رپورٹ ہے، مگر دوسری طرف ہمارے پیش نظر ایک صوبائی وزیر کا بیان ہے۔ مؤرخہ ۸/ جنوری ۲۰۰۴ء کو ایک مقامی ہوٹل میں بسنت فیسٹیول کے آرگنائزر کی طرف سے منعقدہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انسانی جانوں کے حوالے سے فرمایا:

''اس سے کہیں زیادہ ہلاکتیں، ڈکیتیوں، ٹریفک حادثات اور خودکشیوں میں ہوتی ہیں، اس پر کوئی نہیں بولتا۔'' (نوائے وقت)

مجھے یاد ہے کہ معروف کالم نگار جناب عطاء الحق قاسمی نے بھی ۲۰۰۱ء میں روزنامہ 'پاکستان' میں شائع ہونے والے اپنے ایک انٹرویو میں بسنت کے جواز میں کچھ اس طرح کا استدلال پیش کیا تھا، مگر ۲۰۰۳ء کے بسنت کے موقع پر انہوں نے برملا اعتراف کیا کہ بسنت جیسی عوامی تفریح کو مافیا نے اپنی عیاشی اور نمود ونمائش کا ذریعہ بنا لیا۔ (کالم مؤرخہ: ۱۷/ فروری ۲۰۰۳ء)

اگر غور کیا جائے تو ڈکیتیوں، ٹریفک حادثات اور خودکشیوں کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں اور پتنگ کی ڈور سے شہ رگ کٹ کر مرنے والوں میں ایک اُصولی فرق ہے۔ ٹریفک

حادثات ہوں یا ڈکیتیاں، ان میں ذمہ دار افراد کو اسی وقت یا بعد میں گرفتار کیا جاسکتا ہے اور ان پر مقدمہ دائر ہوسکتا ہے۔ مگر لاہور جیسے گنجان آباد شہر میں گذشتہ تین سالوں میں ۴۲؍افراد پتنگ بازی کی وجہ سے لقمہ اجل بن چکے ہیں مگر آج تک کسی بھی 'قاتل ڈور' کے پس پشت ہاتھ پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکا، اور نہ ہی اس کا مستقبل میں کوئی امکان ہے۔

پھر ٹریفک اور پتنگ بازی ایک جیسے اہم نہیں ہیں۔ شہر میں ٹریفک تو ناگزیر ہے، مگر پتنگ بازی کے بغیر نہ صرف یہ کہ گذارا ہوسکتا ہے بلکہ گذشتہ چند ماہ کی پابندی کے دوران عوام نے بہت سکھ پایا ہے۔ پھر یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ ٹریفک کے حادثات میں ہونے والی ہلاکتیں لاہور جیسے گنجان آبادی کے شہر میں نہیں ہوا کرتیں، یہ ہائی ویز پر تیز رفتاری سے ہوتی ہیں۔ شہر میں تیز رفتار ٹریفک کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اس سے ہلاکتوں کا خدشہ رہتا ہے۔ اسی طرح اگر شہری آبادی میں پتنگ بازی سے ہلاکتوں کا خدشہ ہو تو اس پر پابندی ضرور لگنی چاہیئے۔ ٹریفک حادثات اور بسنتی حادثات کو ایک ہی میزان میں تولنا غیر منطقی اور غیر عقلی استدلال ہے!!

لاہور کی نئی بسنت

۲۰۰۰ء سے لاہور میں بسنت منانے کے طور طریقوں، اندز و اطوار اور لہو و لعب کے اُسلوب میں نمایاں تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے۔ یہ پہلا سال تھا جب پی ایچ اے اور دیگر سرکاری اداروں نے بسنتی پروگراموں کا نہ صرف بھرپور اہتمام کیا بلکہ ملٹی نیشنل اداروں اور تجارتی کمپنیوں کو بسنتی ثقافت کے فروغ میں والہانہ کردار ادا کرنے کی ترغیب دی گئی۔ بسنت مافیا نے سرکاری شرکت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بسنت میں ایسی ایسی خرافات بھی شامل کردیں جن کا 'سرسوں کے پھول کی خوشبو' یا عوام کی 'صاف ستھری' تفریح سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس سے پہلے شہر کی عیاش اشرافیہ ناؤ و نوش اور رقص و سرود کی جو محفلیں کوٹھیوں اور حویلیوں کی چاردیواری میں برپا کرتی تھی، اب اس کا اہتمام ہوٹلوں، ریستورانوں، بلند و بالا عمارتوں اور

بازاری پلازوں کی چھتوں پر بے حد ہنگامہ خیز انداز میں کیا جانے لگا۔ اب تماش بینوں کو بسنتی مجرے دیکھنے یا بسنتی لباس میں گڈے اُڑاتی پری جمال تتلیوں کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے یوسف صلاح الدین جیسے 'شرفا' کی حویلیوں کے طواف کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ اب تو ہر دوسرے ہوٹل یا پلازے کی چھتیں مجرہ گاہ کا منظر پیش کرنے لگیں۔ سینکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں نو دولتیوں نے بسنت کو 'طوائف' سمجھ کر اس پر اپنے سرمائے کی یلغار کردی۔ پھر ان لوگوں نے ان چھتوں پر جواں جسموں کی وہ وہ منڈیاں لگائیں کہ یوسف صلاح الدین جیسے روایتی بسنت کے عاشق شرفا بھی اس کو دیکھ کر شاید شرما جائیں۔

اس تبدیلی کو نذیر ناجی جیسے سیکولر کالم نگار نے بھی محسوس کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''بسنت ہر سال نئے زور اور نئی توانائیوں کے ساتھ آنے لگی ہے اور مجھے ہر بار یوسف صلاح الدین یاد آتے ہیں۔ لاہور بلکہ پاکستان میں بسنت کو نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے اور اسے گلی محلوں کے تہوار سے اوپر اٹھا کر پاکستان کی اشرافیہ اور پھر عالمی سطح تک لانے میں یوسف صلاح الدین نے پہلا اور بنیادی کردار ادا کیا۔ اُنہی کی دعوتوں پر لاہور کے ایلیٹ نے بسنت منانا شروع کی ...... اور پھر تہوار کے پھیلتے رنگ چاروں طرف چھا گئے۔ یوسف صلاح الدین آج بھی اپنی حویلی میں بسنت مناتے ہیں، لیکن سرمائے کی یلغار نے انہیں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔'' (روزنامہ جنگ: ۱۲؍فروری ۲۰۰۳ء)

نذیر ناجی جیسے دانشور تو شاید بسنت کے پھیلتے رنگوں کے سحر سے باہر آنے کو تیار نہیں مگر یہی وہ 'نئے دور کا بسنت' ہے جس نے پاکستان کی ثقافتی قدروں کو شدید خطرات سے دوچار کردیا ہے اور جس کی وجہ سے ہر اس پاکستانی کا چین غارت ہوگیا ہے جو اس ملک کی نظریاتی سرحدوں کو یوں نیست و نابود ہوتے دیکھ کر خون کے آنسو روتا ہے۔

بسنت کا 'نیا زور' اور 'نئی توانیاں' دیوانہ وار آگے بڑھتی رہیں۔ بالآخر ۲۰۰۲ء میں یہ ہنگامہ کلائمکس (Climax) کو چھوتا دکھائی دیا۔ اس سال بسنت کے نام پر وہ ہڑبونگ مچا جس کی ماضی میں نظیر نہیں ملتی۔ پہلے بسنت صرف ایک دن منائی جاتی تھی، اس سال تین دن تک یہ

شور شرابہ جاری رہا۔ بسنت مافیا نے نئی خرافات متعارف کرائیں۔ نئے نئے بے ہودہ بسنتی گیتوں سے محلے اور بازار گونجنے لگے۔ Tango نام کی ایک تجارتی کمپنی نے شہر میں جابجا ٹرالر کھڑے کئے جن پر کرائے کے لڑکے اور لڑکیاں 'نچ پنجابن نچ' جیسے بیہودہ گیت پر مجنونانہ ڈانس کرتے۔ ماڈل ٹاؤن، خالد مارکیٹ میں اس کمپنی کا ٹرک مسجد سے محض ۲۰ فٹ کے فاصلہ پر کھڑا کیا گیا۔ اذان اور نماز کے وقت بھی یہ لوگ 'نچ پنجابن نچ' کی مستی میں مبتلا رہے۔ متعدد سپیکروں کی کان پھاڑنے والی آواز، بے ہودہ گانوں اور لچر ڈانس سے مقامی آبادی کو اس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑا کہ شہریوں نے اشتعال میں آ کر اس ٹرالر پر ہلہ بول دیا اور اسے زبردستی بند کرایا۔ یہ تو محض ایک مثال ہے ورنہ شہر بھر میں بیہودگی اور لچرپن کا راج تھا۔ یوں لگتا تھا کہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پاکستان کی ثقافت کی جڑیں اکھاڑنے اور مغرب کی بیہودہ لبرل تہذیب کو رواج دینے کا پروگرام بنایا گیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے بسنت کو ایک Cover کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔

۲۰۰۲ء میں ۱۷ر فروری کو لاہور میں بسنت منائی گئی۔ اس سال سب سے زیادہ Vulgur (بے ہودہ) تقریب کا اہتمام ایک این جی او نے شاہی قلعہ میں کیا۔قومی اخبارات نے اس تقریب کی جو تفصیلات شائع کیں، اسے پڑھ کر ہر شخص بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ ہمارے ہاں بسنت کے نام پر کس طرح کا کلچر پروان چڑھانے کی کاوش کی جارہی ہے۔ روزنامہ پاکستان نے ۱۹ر فروری ۲۰۰۲ء کو اس واقعہ کی خبر صفحۂ اوّل پر شائع کی۔ اس خبر کی نمایاں سرخی یہ تھی: ''شاہی قلعہ میں کھلم کھلا شراب چلی......''

مزید تفصیلات ملاحظہ فرمایئے:

''لیٹن رحمت اللہ آئی ہسپتال کے زیر اہتمام شاہی قلعہ لاہور میں عطیات اکٹھے کرنے کے لئے بڑی تقریب کا اہتمام کیا گیا جہاں سرعام شراب تقسیم کی گئی۔ روزنامہ پاکستان کی تحقیق کے مطابق ایل آر بی ٹی (لیٹن رحمت اللہ بینوولینٹ ٹرسٹ) کے زیر اہتمام جمعہ کو شاہی قلعہ میں تقریب منعقد ہوئی اور اس پروگرام کے دعوتی کارڈ چھ ہزار روپے فی کس کے حساب سے

فروخت کئے گئے۔ اس تقریب میں وفاقی وزیر پٹرولیم عثمان امین الدین مہمانِ خصوصی تھے۔ شاہی قلعہ کے وسیع باغ میں رات دیر گئے تک جاری رہنے والی اس تقریب میں سینکڑوں 'مخیر' حضرات نے شرکت کی۔ کھانے کے ہر میز پر ۱۲/افراد کی گنجائش تھی۔ جبکہ ہر میز کے ساتھ وافر مقدار میں شراب سجائی گئی تھی۔ شرکا تقریب میں موسیقی کے پروگرام کے ساتھ شراب نوشی سے بھی لطف اندوز ہوتے رہے۔''

روز نامہ پاکستان کی اس تحقیقاتی رپورٹ کے یہ الفاظ غور سے پڑھنے کے لائق ہیں:

''اس پارٹی میں ایک اعلیٰ سرکاری عہدیدار نے غیر ملکی مہمانوں کو فخر سے دکھاتے ہوئے کہا کہ آپ خود دیکھ لیں: کہاں ہے بنیاد پرستی اور انتہا پسندی؟ پاکستان ایک لبرل اور اعتدال پسند معاشرہ ہے......!!''

روز نامہ پاکستان نے اسی روز مولانا عبدالرحمٰن اشرفی، مفتی غلام سرور قادری، مولانا سمیع الحق، منور حسن، مولانا امجد خان اور دیگر تقریباً ۲۰ علماء کے نام بھی شائع کئے جنہوں نے اس پروگرام کے ذمہ داران کی شدید مذمت کی اور کہا کہ شراب کو خیرات کا ذریعہ بنانا جائز نہیں۔

ضلعی ناظم میاں عامر محمود نے بیان دیا کہ

''اگر ایسا پروگرام ہوا ہے تو متعلقہ افراد کے خلاف کارروائی کی جائے گی، انہوں نے کہا جو کچھ ہوا میرے علم میں نہیں۔ اگر اس تقریب میں سرعام شراب تقسیم کی گئی ہے تو متعلقہ افراد کے خلاف تحقیق کر کے کارروائی کی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ خیرات کے نام پر شراب کی محفلیں منعقد کرنا غیر قانونی اقدام ہے۔'' (روز نامہ پاکستان: ۱۹/فروری ۲۰۰۲ء)

بعد میں اس واقعہ کے متعلق کوئی تحقیق یا کسی کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی؟ اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔

روز نامہ نوائے وقت نے ۱۹/فروری ۲۰۰۲ء کے اداریے میں بسنتی خرافات کا نوٹس لیتے ہوئے تحریر کیا:

''اس پر مستزاد یہ کہ شاہی قلعہ لاہور کی تقریب میں شراب وافر مقدار میں تقسیم کی گئی اور

۲؍افراد کی ہر میز کے ساتھ شراب سجائی گئی تھی۔ ان سب حقائق کے پیش نظر یہ کہنا مناسب ہے کہ تعیش پسند طبقے نے مال خوب لٹایا اور حکومتی پابندیاں پتنگوں کے ساتھ اُڑا دیں یا ناؤ ونوش کی نذر کر دیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ ان تقریبات میں غیر ملکی سفیروں کو بلا کر پاکستان کی عشرت پسندی کا ایسا مظاہرہ کیا گیا جو ملک وقوم کی تہذیبی روایات کے خلاف تھا۔ جرمنی کے سفیر نے کہا کہ ''ہمارے ملک میں بھی پتنگ بازی ہوتی ہے مگر پاکستان میں انوکھی ہے۔''

چین پتنگ بازی کو رائج کرنے والا ملک شمار ہوتا ہے، لیکن جو عیاشی لاہور میں دیکھی گئی اس کا متحمل چین جیسا ملک بھی نہیں ہے...... بسنت ہندوؤں کا تہوار ہے، لیکن بھارت میں بسنت عام معمول کا دن تھا۔ پاکستانیوں نے اسے 'ہائی جیک' کر کے لہو ولعب کے فروغ کا وسیلہ بنایا۔ اخبارات میں خواتین کے بھنگڑے کی جو تصویریں چھپیں، غیرت کے منافی ہیں۔ یہ قوم کش عیاشی اس طبقے کی ہے جس نے حرام مال افراط سے جمع کیا ہے اور اب اس حال مست قوم کا تہذیبی مزاج لبرل ازم کی طرف لانے کے لئے برسرعمل ہے۔ امریکہ جس لبرل ازم کو فروغ دینا چاہتا ہے وہ پورے ڈھول ڈھمکے کے ساتھ یہاں وارد ہو چکی ہے۔ اور اس کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہے۔''

ایک سال بعد نوائے وقت کے احتجاجی نوٹ میں مزید تلخی پیدا ہوگئی:

''پچھلی تین بسنتوں کے دوران لاہور جیسے علمی وتہذیبی شہر کا جو حال ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ شراب کے جام پر جام لنڈھائے گئے۔ حکمرانوں کی موجودگی میں مقامی اور دوسرے شہروں سے آئے ہوئے 'معززین' نے وہ حرکات کیں کہ ان کے ذکر سے بھی تعفن محسوس ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ خالد حسن جیسا لبرل اور سیکولر خیالات رکھنے والا دانشور انگریزی روزنامے ڈان میں یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا کہ بسنت کے روز 'لاہور' کوٹھے' میں تبدیل ہو چکا تھا۔''

(ادارتی نوٹ: ۳؍جولائی ۲۰۰۳ء)

لبرل کلچر کی ایک جھلک

حالیہ برسوں میں بسنت کے جنوں نے ہمارے معاشرے کی صدیوں سے مسلمہ سماجی وثقافتی اقدار کو شکست و ریخت سے دوچار کر دیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں عورتیں پتنگ

بازی کے شغل میں شریک نہیں ہوتی تھیں۔ عورتوں اور لڑکوں کا چھت پر جا کر پتنگ کی ڈور پکڑنا یا 'بوکاٹا' کے نعروں میں شامل ہونا بے حد نازیبا اور گری ہوئی حرکت سمجھی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ چھتوں پر مرد یا جواں لڑکے ہی پتنگ بازی کا شغل برپا کرتے دکھائی دیتے تھے۔ عام آدمی کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ اپنی بیوی، بیٹی یا بہن کو اس لہو ولعب میں شانہ بشانہ شریک دیکھ سکے۔ مگر اب تو معلوم ہوتا ہے کہ شرم و حیا کے تمام پردے گرا دیے گئے ہیں۔ چھتوں پر عورتیں بسنتی لباس پہن کر نہ صرف سرسوں کی فصلیں لگاتی ہیں بلکہ باپ، بھائی اور غیر محرم مردوں کی موجودگی میں 'بوکاٹا' کے نعرے لگاتی ہیں، پتنگ باز سجنا کے گیت گاتی ہیں، اور ترنگ میں آکر بھنگڑا بھی ڈال لیتی ہیں۔

بسنت کے موقع پر قریبی چھتوں پر لڑکے اور لڑکیوں کے غول درغول عشق وفسق کی آتش کو ہوا دینے میں بے حد سازگار ماحول مہیا کرتے ہیں۔ اس لبرل ماحول میں پتنگیں اُڑانے اور آنکھیں لڑانے کا شغل دونوں جاری رہتے ہیں۔ ہمارے شاعروں نے بھی بے حد مزے لے کر اس عشق بازانہ پتنگ بازی کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ بعض شعرا کی شاعری کا بسنتی رنگ ملاحظہ کیجئے۔ طارق کھوکھر نامی شاعر کی نظم کا عنوان ہے: 'چھت پر آنا اچھا لگتا ہے'؛ کہتے ہیں:

صبح کو اس کا چھت پر آنا اچھا لگتا ہے ۔۔۔ دھاگے سے سب کچھ کہہ جانا اچھا لگتا ہے
دن کو نہ تیرا چھت سے جانا اچھا لگتا ہے ۔۔۔ پتنگ کے سنگ خود لہرانا اچھا لگتا ہے
شام کو تیرا چھت پر آنا اچھا لگتا ہے ۔۔۔ سب کچھ آنکھوں میں کہہ جانا اچھا لگتا ہے

ایک دوسرے شاعر شاہد کریم انجم بسنت کے موقع پر چھتوں پر انجام دی جانے والی 'ثقافتی' سرگرمیوں کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

کتنی سج دھج سے آئی میرے شہر میں آج بسنت ۔۔۔ زندہ دل لوگوں کے دل پر کرتی ہے راج بسنت
اک اک لمحہ گزر رہا ہے کتنا حسینوں پر ۔۔۔ ہر کوئی ڈورے ڈال رہا ہے چھت پر کھڑا حسینوں پر
آنکھوں آنکھوں میں ہی لاکھوں یہاں پیچے لگتے ہیں ۔۔۔ نظروں کی قاتل ڈوری سے یہاں پر گڈے کٹتے ہیں
پیلے رنگ کے طوفانوں میں سبھی ارمان مچلتے ہیں ۔۔۔ جس جانب بھی دیکھیں، دل کے چور نکلتے ہیں!

باقر نقوی نام کے شاعر کا کلام دیکھئے:

کیا مزہ ہے　　بسنت کی بہار میں　　سجنی کے دیدار میں!

دیر تک پتنگ اُڑائے رکھنا　　اس کے انتظار میں

چھت پر نظریں جمائے رکھنا　　اس کے انتظار میں

('بسنت لاہور کا ثقافتی تہوار'، نذیر احمد چوہدری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

اچھے اچھے شرفا اس لبرل کلچر کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہتے چلے جاتے ہیں۔ اجتماعی پتنگ بازی کا بدترین پہلو یہی ہے کہ اس کی وجہ سے اجتماعی آوارگی جنم لے رہی ہے مگر اس کا احساس نہیں کیا جارہا۔ اس فسق و فجور سے بھرپور ماحول میں منائی جانے والی بسنت کو جو دانشور ہمارے 'قومی وثقافتی تہوار' کا نام دیتے ہیں، ان سے گذارش ہے کہ وہ اپنی اس رائے کو دینی حمیت اور قومی غیرت کے آئینے میں لمحہ بھر کے لئے ضرور دیکھیں۔ دینی راہنماؤں کو 'بے روح مذہبیت' اور 'قدامت پرستی' کا طعنہ دینے کی بجائے مناسب ہوگا کہ وہ بسنت کے دل دادہ ان شعرا کے اشعار پر غور فرمائیں۔ کاش کہ وہ قوم کو اس ثقافتی لبرل ازم کے عذاب سے نجات دلانے میں فکری راہنمائی کا فریضہ انجام دیتے!!

④ بسنت اور صحافتی دانشور

روزنامہ نوائے وقت، بسنت مخالف تنظیموں، سماجی راہنماؤں اور دینی حلقوں کی طرف سے بسنت کو ہندوانہ تہوار قرار دے کر اس کے خلاف شدید احتجاج کیا جارہا تھا۔ اسی لئے بسنت کے حامی دانشوروں نے ان تقریبات کے لئے 'بسنت' کا نام استعمال کرنے سے گریز کرنا شروع کردیا۔ انہوں نے احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اسے 'پتنگ میلہ' اور 'جشن بہاراں' جیسے نام عطا کئے۔ اس طرح کا معذرت خواہانہ طرزِ عمل بالخصوص ایسے دانشوروں اور صحافیوں کی طرف سے سامنے آیا، جو ہمیشہ دائیں بازو میں شامل رہے ہیں۔ ان کی جانب سے نیمے دروں نیمے بروں والا انداز اپنایا گیا۔

ان حضرات نے 'جشن بہاراں' میں 'پرزور شرکت' بھی فرمائی اور اسے 'اخلاقی حدود کا پابند' رکھنے کی تلقین بھی فرماتے رہے۔ اسلامی اقدار کے فروغ کے لئے اپنے عزائم کا اظہار بھی فرماتے رہے اور ساتھ ہی بسنت کو ہندوانہ تہوار کہنے والوں کو 'بے روح مذہبیت' اور 'قدامت پرستی' کا شکار ہونے کے طعنے بھی دیتے رہے، علمائے کرام کو 'وسیع النظر ہونے' کی تلقین بھی فرماتے رہے، ساتھ ہی نوجوانوں کو سمجھاتے رہے کہ پاکستان کی بنیادی شناخت اس کے نظریہ کے حوالے سے ہے۔ اپنی سرپرستی میں 'دل ہوا بوکاٹا' جیسے گانوں پر نوجوانوں سے بھنگڑے بھی ڈلواتے رہے اور ساتھ ہی اپنے اخبار کے اداریے میں یہ تبلیغ بھی جاری رکھی: ''ہماری تقریبات بے خدا معاشروں کی تقریبات سے مختلف ہونی چاہئیں اور نظر بھی آنی چاہئیں۔''

روزنامہ 'پاکستان' کے محترم مدیر صاحب کے فکری اضطراب کا عظیم نمونہ ان کا وہ اداریہ ہے جو ۱۹؍فروری ۲۰۰۲ء کو 'پتنگ میلہ: بسنت یا جشنِ بہاراں' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس اداریے کے کچھ حصے ہم قارئین کی دلچسپی کے لئے نقل کردیتے ہیں، باقی حصے اگر ہوسکے تو پڑھنے کی زحمت وہ خود گوارا کرلیں:

''یہ 'پتنگ میلہ' جسے بسنت کا نام بھی دیا جاتا ہے اور 'جشن بہاراں' کہہ کر بھی پکارا جاتا ہے اب لاہور شہر کی تہذیبی شناخت بن چکا ہے...... ایک طرف قوم کا بڑا حصہ بحیثیتِ مجموعی اس میلہ کو قومی تہوار بنا چکا ہے تو دوسری طرف اس پر تنقید بھی جاری ہے۔ روزنامہ پاکستان کے مارکیٹنگ کے شعبے کی طرف سے بھی اس بار اس 'میلے' میں پرزور شرکت کی گئی ...... ہمارے متعدد قارئین ہم سے بار بار پوچھ رہے ہیں کہ آپ کی رائے کیا ہے اور نظریہ کیا ہے؟ آپ تو اس ہنگامے میں شریک نظر آرہے ہیں۔'' ہم نے ضروری جانا کہ اس موقع پر چند اُمور کی وضاحت کردی جائے اور اپنی رائے کو کھول کر اپنے قارئین کے سامنے رکھ دیا جائے......''

اداریے کے مندرجہ بالا حصہ پر ہم اختلافِ رائے کا حق استعمال کرتے ہوئے پہلے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں اور اس کے بقیہ حصے کو بعد میں نقل کریں گے۔ 'پتنگ میلہ' کی ترکیب مروّج نہیں ہے۔ اسے بسنت کا نام دیا نہیں جاتا، یہ شروع ہی سے 'بسنت' ہی کہلاتا ہے۔

اسے لاہور شہر کی 'تہذیبی شناخت' کہنا بھی تاریخی حقائق کے منافی ہے۔ قابل اعتماد ماخذوں کے مطابق قیامِ پاکستان سے پہلے لاہور کے مسلمانوں کی 'بسنت' میں شرکت نہ ہونے کے برابر تھی۔ آج بھی اندرونِ شہر ہزاروں بزرگ موجود ہیں جو یہ بتا سکتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی چند نوجوان تھے جو منٹو پارک میں پتنگ بازی کا شغل کرتے تھے یا کچھ لوگ مزنگ میں یہ کام کرتے تھے مگر ان کی اس حرکت کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ یہ بات بھی درست نہیں کہ ''قوم کا بڑا حصہ بحیثیتِ مجموعی اس میلے کو قومی تہوار بنا چکا ہے۔'' لاہور شہر میں بسنت کے مخالف افراد لاکھوں میں ہیں۔ ایک مقامی سطح کی تقریب کو 'قومی تہوار' نہیں کہا جاسکتا۔ بسنت جیسے متنازع فیہ لہو ولعب پر مبنی پروگرام کو قومی تہوار کہنا مناسب نہیں ہے۔

روزنامہ پاکستان کے مذکورہ اداریے کے بقیہ حصے ملاحظہ فرمایئے:

① ''بسنت یا جشن بہاراں یا پتنگ میلہ کے نام پر منایا جانے والا یہ تہوار کسی بھی طور کسی مذہب کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ نہ یہ کرسمس ہے، نہ دیوالی اور نہ ہولی۔ یہ ایک غیر مذہبی تہوار ہے جسے طویل عرصہ سے منایا جارہا ہے۔

② پتنگ کسی ہندو کی ایجاد ہے نہ سکھ کی۔ اسے سینکڑوں سال سے مشرق کے آسمان پر اڑایا جارہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے اہل چین نے ایجاد کیا۔

③ کوئی بھی ثقافتی تہوار اچھا یا برا نہیں ہوتا، اسکو منانے کے طریقے اسے اچھا یا بُرا بناتے ہیں.

④ مسلمانوں نے اپنی پندرہ سو سالہ تاریخ میں مختلف مقامات پر مختلف مقامی تہواروں کو 'مشرف بہ اسلام' کیا، انکے منانے پر پابندی نہیں لگائی، البتہ انہیں اخلاق کا جامہ پہنا دیا.

⑤ ہر بات کو کفر اور اسلام کا جھگڑا بنانے کی روش نے ہمیں ماضی میں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس لئے علمائے کرام اور مذہبی راہنماؤں کو اس سے گریز کرنا چاہئے اور اگر لوگ خوشیوں کے چند لمحے سمیٹنا چاہیں تو ان کے خلاف تلوار لے کر کھڑے نہیں ہوجانا چاہئے۔

⑥ جہاں لہو ولعب کو حلال نہیں کیا جاسکتا، وہاں ہر شے کو لہو ولعب قرار بھی نہیں دیا جاسکتا۔

اسلام کی تلوار کو وہاں چلانا چاہئے جہاں اسلام کو ضرورت ہو، تلوار لے کر چلنے والے کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ ذاتی پسند وناپسند کو دین کا مسئلہ بنا دے۔''

محترم اداریہ نویس نے مندرجہ بالا سطور میں جو باتیں کی ہیں، ان میں بہت سی اُصولی طور پر درست ہیں، مگر بعض کے متعلق تبصرہ اور اعتراض کی گنجائش موجود ہے۔ مثلاً:

❶ یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ بسنت ہندوانہ تہوار رہا ہے۔ راقم الحروف نے محدث کے انہی صفحات میں اپنے ایک مضمون 'بسنت، محض موسمی تہوار نہیں!' میں سکھ، ہندو اور انگریز مؤرخین کی آراء کو پیش کردیا ہے جنہیں دیکھ کر کوئی بھی حقیقت کا متلاشی اصلی بات کو سمجھ سکتا ہے۔ البیرونی کی رائے ہو یا فرہنگِ آصفیہ میں اندراج، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بسنت بنیادی طور پر ہندوانہ تہوار ہے۔ راقم کا یہ مضمون 'محدث' (فروری ۲۰۰۱ء) کے علاوہ روزنامہ پاکستان میں بھی ۲۰۰۲ء کے بسنت کے موقع پر شائع ہوا۔ روزنامہ نوائے وقت نے ۹ رفروری ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں تاریخی حقائق کو مفصل طور پر شائع کرکے دکھا دیا کہ بسنت کا پس منظر ہندوانہ تہوار کا ہے۔ البتہ یہ معاملہ الگ ہے کہ کوئی بسنت مناتا ہے، مگر اسے ہندوانہ تہوار نہیں سمجھتا۔

❷ پتنگ بازی پر یہ اعتراض کسی نے وارد نہیں کیا کہ یہ کسی ہندو کی ایجاد ہے۔ اصل اعتراض یہ ہے کہ لاہور میں بسنت کے موقع پر پتنگ بازی کا آغاز گستاخِ رسول حقیقت رائے دھرمی کے میلے سے ہوا۔ تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے۔ سکھ اور ہندو مؤرخین کو بھی اس سے انکار نہیں ہے۔ یہاں روزنامہ نوائے وقت کی رپورٹ 'بسنت کیا ہے؟' کے متعلقہ حصہ کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

''بسنت اور پتنگ دو الگ الگ مشرکانہ عقائد اور تہواروں کا حصہ ہیں، لیکن ان دونوں کا باہم ربط وتعلق کیسے ہوا۔ اس کا پس منظر ہم مسلمانوں کے لئے اس قدر غیرت آموز ہے کہ اگر ہم میں ذرّہ برابر بھی دینی حمیت ہوتو بسنت اور پتنگ کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ درحقیقت ایک گستاخِ رسول حقیقت رائے دھرمی کو نسبت پنچمی کے روز اس کے جرم کی پاداش میں پھانسی دی

گئی تھی۔سکھوں نے بالآخر اس کا بدلہ ان تمام مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کر کے لیا جو اس وقوعہ میں کسی نہ کسی طریقے سے ملوث تھے۔ انتقام لینے کی خوشی میں سکھوں اور ہندوؤں نے حقیقت رائے دھرمی کے میلے کے روز اس کی سمادھ پر پتنگیں اڑائیں، کیونکہ اس کی پھانسی کا دن بسنت پنچمی تھا۔ اس لئے لاہور میں جو سکھوں کا پایۂ تخت تھا، بسنت و پتنگ لازم وملزوم سمجھے جانے لگے۔" (نوائے وقت: ۹/فروری ۲۰۰۳ء)

مشتاق پھلروان، جو پتنگ بازی کے حامی ہیں، لکھتے ہیں:

"بعض قبائل میں پتنگ کے بھجن گائے گئے۔ پتنگ کو دیوتا مانا گیا۔ اس سے دعائیں اور مرادیں مانگی جاتی تھیں۔ یہ اعتقاد بھی دیکھا گیا کہ پتنگ سے بھوت پریت نہیں آتے۔ (کتابچہ :بسنت وپتنگ)

❸ اسلامی نقطہ نظر سے کسی بھی تہوار کی اچھائی یا برائی کا تعین کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی فکری بنیاد کو پرکھا جائے۔ اسلام نے اچھے تہوار (عیدین☆) خود بتا دیئے ہیں، اس کے علاوہ کسی ایسے ثقافتی تہوار کو مسلم معاشرہ کے لئے قابل قبول نہیں قرار دیا جاسکتا، جس پر کسی دوسری قوم یا مذہب کی چھاپ ہو۔ بسنت کی فکری بنیاد اور اس کے منانے کا طریقہ دونوں ہی قابل اعتراض ہیں۔

❹ تاریخی طور پر یہ بات درست نہیں ہے کہ اسلام نے اپنی پندرہ سوسالہ تاریخ میں مختلف مقامات پر مختلف مقامی تہواروں کو 'مشرف بہ اسلام' کیا، انہیں اخلاق کا جامہ پہنانے کی بات تو دور کی ہے۔ مسلمانوں نے آٹھ سو برس تک سپین پر حکومت کی، انہوں نے کبھی عیسائیوں کے تہوار کرسمس کو 'مشرف بہ اسلام' کرنے کی کوشش نہ کی۔ انہوں نے فارس پر قبضہ کیا جو آج تک چلا آتا ہے، مگر کبھی انہوں نے پارسیوں کے کسی تہوار کو 'اخلاقی جامہ' پہنا کر نہیں منایا۔ مسلمان بادشاہوں نے نوروز جیسے سالِ نو کے معروف تہوار کو بھی کبھی نہیں منایا۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں نے ہندوؤں کے کسی تہوار کو اپنانے کی کوشش نہ کی۔ دوقومیتوں کی متصادم فطرت کے عنوان سے انگریز مؤرخ مرے ٹائٹیس کہتا ہے:

☆ حدیث میں ہے کہ نبی کریمؐ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے علاقائی تہواروں کو منانے کی بجائے آپؐ نے فرمایا: قد أبدلکم الله بهما خيرا منهما: يوم الأضحىٰ ويوم الفطر (سنن ابوداود)
"اللہ تعالیٰ نے تمہیں جاہلیت کے تہواروں سے کہیں بہتر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دو تہوار عطا فرمائے ہیں۔"

''بارہ طویل صدیوں تک اسلام ہندوستان میں ہندومت کے ساتھ ساتھ رہا۔ بارہ صدیوں تک دونوں قومیں ایک جانب قومیتی اولوالعزمیاں اور دوسری جانب قومیتی تحفظ کے فطری جذبے کی آویزش، اکثر و بیشتر چپقلشوں اور تنازعوں کا باعث بنی رہی اور آج تک جاری ہے۔'' (انڈین اسلام: صفحہ ۱۷۶، ۱۹۳۰ء)

جرمن فلاسفر اوسوالڈ اسپینگلر کے بقول: ''ایک مذہبی ثقافتی قوت کے لحاظ سے اسلام بیشتر حیثیتوں میں ہندومت کی عین ضد ہے۔'' (زوالِ مغرب)

پروفیسر عزیز احمد جو اسلامی کلچر پر اتھارٹی مانے جاتے ہیں، اپنی معرکہ آرا تصنیف 'برصغیر میں اسلامی کلچر' میں لکھتے ہیں:

''ثانوی ہندوستانی ماحول اور نسلی اثرات سے گھرے رہنے کے باوجود ہندوستان میں اسلام نے ان تمام صدیوں میں اپنا غیر ملکی انداز برقرار رکھا۔ بقول جادوناتھ سرکار: ہندوستانی مسلمان بحیثیتِ کل بدیسی ذہن رہا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ وہ تھا تو ہندوستان میں، لیکن اس کا جز نہیں تھا۔'' (صفحہ: ۱۱۰)

❺ بلا شبہ اگر لوگ خوشیوں کے چند لمحے سمیٹنا چاہیں تو ان کے خلاف تلوار لے کر کھڑے نہیں ہونا چاہئے۔ مگر محترم اداریہ نویس یہ تو بتائیں کہ جب ایک طبقے کی خوشیاں منانے کا انداز دوسرے طبقہ کے لئے عذاب بن جائے تو پھر کیا کیا جائے۔ جب بسنت کے نام پر لہو ولعب اور شاہی قلعہ جیسے پروگرام ہونے لگ جائیں تو کیا پھر بھی چشم پوشی کی جائے؟ بسنت کے مخالف صرف علما ہی تو نہیں ہیں، نوائے وقت جیسے اخبارات، سماجی تنظیمیں اور ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ خوشیاں سمیٹنے کے اور بھی تو بہت طریقے ہیں، آخر ہندوانہ تہوار پر ہی اصرار کیوں کیا جائے!!

❻ ہمارا بھی نقطہ نظر یہ ہے کہ ہر شے کو لہو ولعب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مگر گذشتہ چند برسوں میں 'بسنت' کے 'قومی تہوار' کا مشاہدہ کرنے والا کون سلیم الطبع شخص ہے جو اسے لہو ولعب نہیں سمجھتا؟ اگر کوئی شخص اسے لہو ولعب نہیں سمجھتا، اسے چاہئے قرآن وسنت میں لہو ولعب کے تصور

کا خود مطالعہ کر لے۔

ان معروضات کے بعد روزنامہ پاکستان کے اداریے کے یہ الفاظ دیکھئے:

''ہمارے نظریات اور خیالات واضح ہیں۔ اسلام ہمارا سرمایۂ حیات ہے اور ہماری کل کائنات ہے۔ اسلامی اقدار کا فروغ، ان کی پاسبانی اور ترجمانی ہمارے لئے وجہ اعزاز اور وجہ افتخار بھی۔ اسلام ہی ہماری منزل اور اسلام ہی ہماری آرزو ہے لیکن ہم بے روح مذہبیت اور قدامت پرستی کو اسلام قرار دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔''

محترم اداریہ نویس کے جذبات قابل تعریف ہیں، مگر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فرض کرلیا ہے کہ بسنت کی مخالفت کرنے والے سب لوگ 'بے روح مذہبیت' اور 'قدامت پرستی' کا شکار ہیں۔ بسنت کے نام پر لہوولعب، خرافات، شراب و کباب اور ایک ہندوانہ تہوار کی مخالفت کو وہ جو چاہیں نام دیں، ہم اسے ثقافتی لبرل ازم سمجھتے ہیں اور اسے اسلامی ثقافت قرار دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اس اداریے کا آخری حصہ بھی قابل توجہ ہے:

''ہم پاکستان کے انتہائی ممتاز دانشور جناب اشفاق احمد سے متفق ہیں کہ یہ تہوار پتنگ میلہ ہے...... یاد رکھئے 'پتنگ میلے' یا 'جشن بہاراں' کے خلاف محاذ بنانا کارِلاحاصل ہے، اسے اخلاقی حدود کا البتہ پابند رہنا چاہئے۔ ...... 'پتنگ میلے' یا 'بسنت' میں جہاں حدود سے تجاوز کیا جائے، وہاں عصائے احتساب کو گردش میں آنا چاہئے۔''

ہمارے خیال میں اس طرح کے لبرل ثقافتی فیسٹیول کو اخلاقی حدود کا پابند بنانے کی خواہش ناقابل عمل ہے۔ اس طرح کے وسیع پیمانے پر ثقافتی ہنگامہ آرائی کو عصائے احتساب کو گردش میں لاکر کنٹرول کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ کسی کام کی کھلم کھلا آزادی دے کر اسے کنٹرول نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ اس طرح کے غیر اخلاقی، سماج دشمن، انسانی جانوں کے لئے خطرناک پروگرامات کی شروع ہی سے بیخ کنی کی جائے۔

④ پتنگ بازی کے حق میں دلائل

پتنگ بازی پر پابندی اُٹھانے کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ پتنگ سازی ایک صنعت کا درجہ اختیار کرچکی ہے اور اس سے سینکڑوں خاندانوں کے روزگار وابستہ ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پتنگ اور ڈور کے کاروبار میں ہزاروں لوگوں کے لئے روزگار کے مواقع ہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ لاہور جیسے شہروں میں کیا ایسے کاروبار کو جاری رکھنے کی اجازت دی جاسکتی ہے جس کے نقصانات بھی بہت ہیں۔

جب بھی کوئی ریاست کسی نفع بخش کاروبار یا پیشے کو معاشرے کے اجتماعی مفادات سے متصادم محسوس کرتی ہے، تو اس پر قانونی پابندیاں عائد کردیتی ہے، اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس پابندی سے کتنے خاندانوں کا روزگار متاثر ہوگا۔ صوبہ سرحد کے سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان رہنے والے ہزاروں خاندان ایسے ہیں جو پوست (Poppy) کی کاشت سے ہزاروں روپے کی ماہانہ آمدنی حاصل کررہے تھے اور ان کا بظاہر کوئی متبادل ذریعہ معاش بھی نہیں تھا۔ مگر چونکہ اس سے ہیروئن پیدا ہوتی ہے، اس لئے اسے معاشرے کے لئے خطرناک سمجھ کر اس پر پابندی عائد کردی گئی۔

ابھی چند سال پہلے میاں نواز شریف کی حکومت نے شادی بیاہ کی تقریبات میں کھانوں پر پابندی عائد کردی تھی۔ شادی گھروں اور دیگر متعلقہ اداروں نے اس پر کافی احتجاج کیا اور سینکڑوں خاندانوں کے روزگار متاثر ہونے کا واویلا بھی بہت مچایا گیا، مگر چونکہ یہ پابندی معاشرے کے اجتماعی مفاد میں تھی، اسے سماجی حلقوں نے سراہا۔ حال ہی میں لاہور میں ویگنوں کو ختم کرکے بڑی بسوں کو چلانے کی اجازت دی گئی ہے۔ حکومت کے اس فیصلے سے سینکڑوں خاندان متاثر ہوئے ہوں گے، اگر لاہور میں شراب کی کھلے عام اجازت دی جائے تو سینکڑوں خاندان شراب بنانے کو ذریعہ معاش بنالیں گے۔ مگر کیا محض چند سو خاندانوں کو معاشی وسائل فراہم کرنے کے لئے پورے معاشرے کو نقصان پہنچانے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

آخر اس استدلال کا اطلاق نام نہاد پتنگ سازی کی صنعت پر کیوں نہیں کیا جاتا۔ مزید برآں پتنگ اور ڈور کا کاروبار چند ہفتوں پر محیط ہوتا ہے، بہت کم لوگ ہیں جو سارا سال اسی کاروبار سے وابستہ رہتے ہوں۔

پتنگ بازی اور بسنت منانے کے حق میں دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ بسنت کے موقع پر اربوں روپے کا کاروبار ہوتا ہے۔ نجانے کس طرح اَعداد وشمار جمع کئے جاتے ہیں، مگر کہا جاتا ہے کہ ہر سال تقریباً دو ارب روپے کا کاروبار ہوتا ہے۔ اس کاروبار کی نوعیت کیا ہے؟ ہر سال کروڑوں روپے پتنگ اور ڈور پر خرچ کر دیئے جاتے ہیں، کروڑوں روپے کھابے اُڑانے میں ضائع کر دیئے جاتے ہیں، شراب وسیع پیمانے پر فروخت ہوتی ہے، ہوٹلوں کا کاروبار خوب چمکتا ہے۔ لاکھوں روپے لاہور کی شاہراہوں کو سجانے پر خرچ ہو جاتے ہیں، عمارتوں کی آرائش کے لئے لاکھوں کا خرچہ ہوتا ہے، موسیقی، راگ رنگ، اور مغنیات پر کروڑوں کا خرچ اُٹھتا ہے، بسنتی لباس تیار کرانے میں عورتیں بے دریغ خرچ کرتی ہیں، یہ لباس شاید ایک دن ہی پہنا جاتا ہے۔ گھر گھر ضیافتیں اُڑائی جاتی ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی ایک خرچ بھی ایسا ہے جسے تعمیری کہا جاسکے۔ یہ سب اسراف وتبذیر، فضول خرچی اور عیاشی کے زمرے میں آتے ہیں۔ عیاش اور متمول طبقہ بسنت کے موقع پر گوشت اور دیگر اشیاے ضرورت کا اس قدر زیادہ استعمال کرتا ہے کہ اس سے مارکیٹ کئی ہفتے متاثر رہتی ہے۔ طبقہ امرا کی انہی بے جا عیاشیوں کی وجہ سے گوشت جیسی اہم چیز غریب آدمی کی قوتِ خرید میں نہیں رہی۔

ایک ایسی قوم جس پر ۳۶/ارب ڈالر کا قرضہ واجب الادا ہو، اس کے لئے اس طرح کے غیر تعمیری مصارف پر ایک دن میں اربوں روپے اُڑانا باعثِ فخر نہیں، باعثِ شرم ہی ہے پتنگ بازی کے لئے استعمال ہونے والے سامان کا بہت سارا حصہ بھارت سے درآمد کیا جاتا ہے۔ ہمارے ماہرین معاشیات کو چاہئے کہ وہ قوم کو صحیح حقائق سے آگاہ کریں تاکہ بسنت مافیا نے اربوں روپے کے کاروبار کا جو ڈھونگ اور فسوں رچا رکھا ہے، اس کی حقیقت بھی واضح ہو جائے۔ جس قوم کی ۳۴ فیصد آبادی خطِ افلاس سے بھی نیچے زندہ رہنے پر مجبور ہو، اس قوم کی

اشرافیہ کے لئے یہ بسنتی تعیّشات وجہ افتخار نہیں ہو سکتے!!

مزید برآں لیسکو کے چیئرمین اور لاہور کے ضلعی ناظم کے بیان کے مطابق گزشتہ سال دھاتی تار کی وجہ سے بجلی کی ہونے والی ٹرپنگ سے لیسکو کو اڑھائی ارب کا نقصان اٹھانا پڑا۔

(پتنگ بازی پر پابندی کیوں؟ از میاں عامر محمود، روزنامہ پاکستان: یکم جولائی ۲۰۰۳ء)

بجلی کی بار بار ٹرپنگ سے گھریلو اشیا اور صنعتوں کی پیداوار کو پہنچنے والے نقصان کا تو اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ دو ارب کے کاروبار کی بات کرنے والوں کو ان نقصانات کو سامنے رکھ کر معاشی میزانیہ مرتب کرنا چاہیے۔

۲۰۰۳ء میں بسنت کو لاہور میں جوش وخروش سے منایا گیا،مگر سرکاری سرپرستی میں قدرے کمی آ گئی۔ دھاتی ڈور کی وجہ سے ہونے والی ہلاکتوں کا شدید ردّعمل بھی سامنے آیا۔بسنت کے بعد بھی جب ہلاکتوں اور واپڈا کے نقصانات کا سلسلہ جاری رہا تو ضلعی حکومت اپنی پالیسی بدلنے پر مجبور ہو گئی۔ یکم جولائی ۲۰۰۳ء سے پتنگ بازی پر پابندی لگا دی گئی۔میاں عامر محمود نے اس پابندی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ دو ماہ میں پتنگ بازی کی وجہ سے ۱۷ قیمتی جانیں ضائع ہوئیں اور گزشتہ سال لیسکو کو اڑھائی ارب کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔

یہ بات حیران کن نہیں کہ اس پابندی کو ان دانشوروں نے بھی سراہا جنھوں نے بسنت کو قومی وثقافتی تہوار کے طور پر منانے کے لیے سوسو تاویلات پیش کی تھیں۔ ذرائع ابلاغ نے اور سماجی حلقوں نے بھی اس پابندی کو نگاہِ تحسین سے دیکھا۔اس کے علاوہ لاہور کی خونی بسنت (۹رفروری ۲۰۰۳ء) کے بعد راولپنڈی، گوجرانوالہ،قصور اور حافظ آباد کے ضلعوں کے ناظمین نے اپنے اپنے ضلع میں بسنت منانے پر فوری طور پر پابندی عائد کر دی۔

درج ذیل منتخب بیانات اور رپورٹوں سے مثبت عوامی ردعمل کو بخوبی جانچا جا سکتا ہے:

پابندی پر خیر مقدمی بیانات

① پی ایچ اے کے سربراہ کامران لاشاری نے اس پابندی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ

''جو مزاجِ حکومت میں آئے ہمارا سر تسلیم خم ہے۔ پابندی پر میرا تبصرہ صرف اتنا ہے کہ ہم سرنگوں کر دیں گے۔'' (نوائے وقت :۳/ جولائی ۲۰۰۳ء)

② ''پتنگ بازی پر پابندی کی خلاف ورزی کرنے والوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے گا۔''
(وزیر اعلیٰ پرویز الٰہی کا بیان شائع شدہ جنگ:۲/ جولائی ۲۰۰۳ء)

③ ضلعی حکومت لاہور نے انسانی جانیں بچانے کے لئے صحیح وقت پر صحیح قدم اٹھایا۔
(نوائے وقت :۲/ جولائی ۲۰۰۳ء)

④ بے گناہ بچوں اور نوجوانوں کے خون سے پہلے ہی پتنگ بازی پر پابندی لگنی چاہئے تھی۔
('انصاف' سروے:۲/ جولائی ۲۰۰۳ء)

⑤ پتنگ بازی پر پابندی: ایک مستحسن فیصلہ۔ (روزنامہ 'دن' کا اداریہ،۲ جولائی ۲۰۰۳ء)

⑥ ''میاں عامر محمود نے عوامی مفاد میں ایک انسانی قدم اٹھایا ہے تو اسے اپنے موقف پر چٹان کی طرح ڈٹ جانا چاہئے اور بے شک میاں عامر محمود اس سلسلہ میں مبارکباد اور شاباش کا مستحق ہے کہ اس نے ووٹ بنک اور مافیا کی پروا کئے بغیر معصوم اور بے گناہ شہریوں کے قتل عام کو لگام دینے کا آغاز کیا۔''
(حسن نثار کا کالم 'چوراہا' روزنامہ 'جنگ' 'قتل عام اور میاں عامر' ۲/ جولائی ۲۰۰۳ء)

⑦ ''پتنگ بازی پر پابندی ضلعی حکومت کا پسندیدہ اقدام ہے۔ لیکن اس پر مکمل طور پر عمل درآمد نہ ہوا تو یہ ضلعی حکومت کی بدنامی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ ہم والدین سے بھی گذارش کریں گے کہ وہ اپنے بچوں کو پتنگ بازی کے فصول شوق سے منع کریں۔ سماجی انجمنوں کے راہنماؤں، علماے کرام اور معاشرہ کے بااثر افراد کو اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔'' (روزنامہ 'پاکستان' کا اداریہ، یکم جولائی ۲۰۰۳ء)

⑧ پتنگ بازی پر پابندی لگانے سے ہم ضلعی ناظم کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ایسی پابندی پورے ملک میں لگائی جائے۔ (انجمن تاجرانِ گلبرگ، ایکسپریس، یکم جولائی ۲۰۰۳ء)

⑨ حکومت تین ماہ کی بجائے ہمیشہ کے لئے پتنگ بازی اور ڈور بنانے پر پابندی عائد کرے۔پتنگیں بنانے اوراُڑانے والوں کو پھانسی دی جائے۔

(اینٹی کائٹ فلائنگ ایسوسی ایشن۔'پاکستان' یکم جولائی ۲۰۰۳ء)

⑩ ہمارے اس اقدام کا عوام نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ خیر مقدم کیا ہے۔

⑪ ''بہر کیف بعد از خرابی بسیار ہماری بلدیاتی حکومت نے اس طرف توجہ دی ہے اوراعلان کیا ہے کہ فی الحال تین ماہ کے لئے اس خون ریزی کا سامان بند رکھا جائے گا۔اگر میاں عامر صاحب اس حکم پر عملدرآمد کرا لیتے ہیں تو ان کو لاہوریوں کی طرف سے شاباش ملنی چاہئے۔'' (عبدالقادر حسن، جنگ کالم،۲۶/جون ۲۰۰۳ء)

⑫ طویل عرصے بعد یہ پہلی اتوار تھی جب لوگوں نے چھٹی کا دن اپنے گھروں میں آرام سے گزرا۔ (کالم عباس اطہر 'کنکریاں': ۸ جولائی ۲۰۰۳ء)

⑬ میاں عامر کو مبارکباد کہ انہوں نے اہل لاہور کو ایک عذاب سے بچایا۔

(عبدالقادر حسن، جنگ کالم،۹/جولائی ۲۰۰۳ء)

⑭ پتنگ بازی پر پابندی کو لاہوریئے قبول نہیں کریں گے۔ (مخالفت میں واحد آواز)

(یوسف صلاح الدین، ایکسپریس:۲ جولائی ۲۰۰۳ء)

پتنگ بازی پر پابندی

اگست ۲۰۰۳ء میں لاہور سٹی گورنمنٹ نے لاہور شہر میں پتنگ بازی پر دوماہ کے لئے پابندی لگا دی۔سماجی حلقوں نے اس فیصلے کو بے حد سراہا اور مطالبہ کیا کہ یہ پابندی مستقل بنیادوں پر عائد کردی جائے۔کائٹ فلائنگ ایسوسی ایشن نے اسے ہائی کورٹ میں چیلنج کیا مگر ضلعی حکومت نے بجلی ٹرپنگ، پانی کی بندش اور پتنگ بازی کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں کے اَعدادوشمار کو اپنے دفاع میں ایں طور پیش کیا کہ ہائی کورٹ نے اس پابندی کو برقرار رکھنے کی اجازت دی۔عوام الناس نے بھی سکھ کا سانس لیا۔مگر بسنت اور پتنگ بازی کی حامی

تنظیموں اور اداروں کی طرف سے اس پابندی کے خلاف احتجاج جاری رہا۔

ضلعی حکومت کی طرف سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جسے پتنگ بازی پر پابندی کے بارے میں سفارشات مرتب کرنے کو کہا گیا۔ضلعی ناظم میاں عامر محمود اس کمیٹی کے سربراہ تھے، دیگر ارکان میں سینیٹر خالد رانجھا، عارف نظامی، ضیاء شاہد، مجیب الرحمٰن شامی، ابتسام الٰہی ظہیر، مقصود احمد قادری، حیدرعلی مرزا، خالد سلطان، کائٹ ایسوسی ایشن کے ملک شفیع اور میاں عبدالوحید شامل تھے۔مؤرخہ ۸/جنوری ۲۰۰۴ء کو کمیٹی نے اپنی سفارشات پیش کیں جس میں اتفاق رائے سے یہ مطالبہ شامل تھا کہ محض جشن بہاراں کے لئے مذکورہ پابندی غیر مشروط طور پر نہ اٹھائی جائے، دھاتی تار اور تندی کے استعمال کے باعث ہونے والے نقصان کی روک تھام کے لئے باقاعدہ قانون سازی کی جائے۔

کمیٹی کے ۸/ارکان نے پتنگ بازی پر پابندی مستقل طور پر برقرار رکھنے اور دس ارکان نے کھیل کے قواعد وضوابط وضع کرکے اس کی اجازت دینے کے حق میں رائے دی۔کمیٹی نے تجویز کیا کہ لاہور کی حدود میں پتنگ بازی پر مستقل طور پر پابندی عائد کردی جائے، تاہم شہر سے باہر کھلے میدانوں مثلاً جلو پارک، رائے ونڈ لاہور، لاہور پارک، ڈیفنس گراؤنڈ، شاہدرہ گراؤنڈ وغیرہ تک محدود کردیا جائے۔ دھاتی تار استعمال کرنے والوں سے جرمانہ وصول کیا جائے۔ ارکانِ قومی وصوبائی اسمبلی، وزراء، سرکاری افسران اور دیگر معروف شخصیات پتنگ بازی کی سرگرمیوں سے خود کو علیحدہ رکھیں تاکہ میڈیا ان سرگرمیوں کی نمایاں کوریج نہ کرسکے۔ موٹا دھاگہ استعمال کرنے پر پابندی کے علاوہ ان دنوں کے بعد سارا سال پتنگ اور ڈور کی خرید وفروخت پر مکمل پابندی عائد ہو۔ (نوائے وقت: ۹/جنوری ۲۰۰۴ء)

مذکورہ بالا کمیٹی کی سفارشات کے علی الرغم حکومت پنجاب نے ۲۰/جنوری ۲۰۰۴ء سے ۲۰/فروری ۲۰۰۴ء تک پتنگ بازی سے پابندی اٹھانے کا اعلان کیا۔البتہ دھاتی ڈور اور تندی کے استعمال پر پابندی کو بدستور برقرار رکھا۔ (نوائے وقت: ۱۵/جنوری ۲۰۰۴ء)

سنا ہے کہ ضلعی ناظم میاں عامر محمود اس پابندی کو اٹھانے کے حق میں نہیں تھے۔ وزیراعلیٰ

پنجاب جناب پرویز الٰہی بھی بسنت اور پتنگ بازی کے حامی نہیں ہیں۔۲۰۰۳ء کی بسنت کے موقع پرانہوں نے اپنے آپ کو بسنتی پروگراموں سے الگ تھلگ رکھا۔ وہ کسی بھی پروگرام میں شریک ہوئے، نہ ہی انہوں نے سرکاری طور پر بسنت کی سرپرستی کی۔

۲۰؍جنوری ۲۰۰۴ء کو پتنگ بازی پر پابندی اُٹھائی گئی۔اس کے بعد آنے والے پہلے اتوار (۲۵؍جنوری) کو تین ہلاکتیں رپورٹ ہوئیں۔۲۰؍سالہ ناصر جاوید دھاتی تار والی پتنگ پکڑتے ہوئے کرنٹ لگنے سے جاں بحق ہوگیا۔شاد باغ کا ایک نوجوان علی موٹر سائیکل پر جا رہا تھا کہ اس کے گلے میں پتنگ کی دھاتی تار پھر گئی۔(جنگ) دریں اثنا فیروز پور روڈ پر ایک موٹر سائیکل سوار سکندر اکرام کی گردن ڈور کی زد میں آ کر کٹ گئی۔(نوائے وقت)

❁ حکومتِ پنجاب کو چاہیے کہ وہ شہریوں کی قیمتی جانوں کے تحفظ کے لیے پتنگ بازی پر پابندی اُٹھانے کے فیصلہ پر نظر ثانی کرے۔

بسنت اور پتنگ بازی جیسے جان لیوا شغل پر پابندی عائد ہونی چاہیے، کیونکہ......

① ہندوؤں کے موسمی تہوار بسنت کا بنیادی فلسفہ اسلام کے ثقافتی نصب العین کے منافی ہے۔
② بسنت کے پردے میں پاکستان میں مغربی لبرل ازم کو فروغ دیا جا رہا ہے۔
③ بسنت اور پتنگ بازی کی وجہ سے انسانی جانیں غیر محفوظ ہیں۔
④ پتنگ بازی کی وجہ سے واپڈا جیسے قومی اداروں کو اربوں کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔
⑤ بسنت کا نام نہاد تہوار اسراف وتبذیر اور فضول خرچی کا باعث بنتا ہے۔
⑥ بسنت کے موقع پر ہلڑ بازی اور شور سے سماجی سکون تلپٹ ہوتا ہے۔
⑦ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ لاہور میں بسنت پنچمی کا میلہ گستاخِ رسول حقیقت رائے دھرمی کی یاد میں شروع ہوا۔مسلمانوں کی دینی حمیت سے بعید ہے کہ وہ اس طرح کے میلے کو منائیں۔

بسنت اور درباری کلچر

قطب الدین ایبک سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک مسلمانوں کے دہلی دربار کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو اس میں سلاطینِ دہلی دور تک بسنت درباری ثقافتی تقریبات میں کہیں نظر نہیں آتی۔ سلاطینِ دہلی جنہیں خاندانِ غلاماں بھی کہا جاتا ہے، ان میں بیشتر بادشاہ بے حد متقی اور شریعت کے پابند تھے۔ التمش، قطب الدین ایبک اور فیروز شاہ تغلق تو باقاعدہ شرعی علوم کے عالم فاضل بادشاہ تھے۔ ان میں بعض جو بے حد راسخ العقیدہ مسلمان یا اسلامی عقائد میں اس قدر سخت نہیں تھے، جیسا کہ علاؤالدین خلجی اور غیاث الدین بلبن، ان کے ہاں بھی بسنتی تقریبات کا ذکر نہیں ملتا۔ سلاطین دہلی کے دور کے متعلق 'طبقاتِ ناصری' اور 'تاریخ فیروز شاہی' بے حد مستند اور حوالہ کی تواریخ سمجھی جاتی ہیں، ان میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ مسلمانوں نے کبھی بسنت منائی ہو۔ سلاطین دہلی کے بعد مغل سریر آرائے سلطنت ہوئے، مغلوں نے ثقافتی سرگرمیوں میں بے پناہ دلچسپی لی۔ مگر اکبر جیسے ہندو ثقافت سے گہرا شغف رکھنے والے لبرل شہنشاہ کے دور میں بھی بسنت کے تہوار کو پذیرائی نہ ملی۔ اکبری دور کے مشہور مؤرخ ملا عبدالقادر بدایونی ہیں، ان کی کتاب 'منتخب التواریخ' اس دور کی مستند ترین کتاب سمجھی جاتی ہے، وہ بھی اس بارے میں خاموش ہے۔ اکبر کے نورتن ابوالفضل نے ضخیم 'اکبر نامہ' ترتیب دیا جسے اس دور کی سرکاری تاریخ کہا جاتا ہے، اس میں بھی کہیں ذکر نہیں کہ اکبر نے بسنتی لباس پہن کر کبھی بسنت منائی ہو۔

اکبر کے دور میں ایرانی تہوار 'جشن نوروز' کو منانے کا ذکر بار بار ملتا ہے، مگر ہندوؤں کے

تہوار 'بسنت' کو اکبری دور میں بھی پذیرائی نہ ملی۔

راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ شاہ جہان کے دور میں مغل دربار میں بسنت تو نہیں البتہ پتنگ بازی کے شغل میں دلچسپی پیدا ہونا شروع ہوگئی تھی۔ راقم الحروف کے اس اندازے کی بنیاد شہنشاہ عالمگیر کی طرف سے اپنے ایک بیٹے شہزادے کو لکھا جانے والا ایک خط ہے جس میں اسے پتنگ بازی میں شریک ہونے پر سخت سرزنش کی گئی ہے۔ عالمگیر اورنگ زیب نے اس خط میں شہزادے کو سمجھایا ہے کہ شرفا کو اس طرح کی لہو ولعب پر مبنی سرگرمیوں میں حصہ لینا زیب نہیں دیتا۔ آخر میں انہوں نے تاکید کی ہے کہ مجھے اس طرح کی خبر دوبارہ نہیں ملنی چاہئے۔ یہ خط تقریباً دو سال پہلے (۲۰۰۳ء میں) راقم کی نگاہ سے گذرا تھا، اس وقت میں نے ایک ڈائری میں اس کے نوٹس (Notes) بھی لے لئے تھے، مگر افسوس فوری طور پر اس کا حوالہ دینا ممکن نہیں ہے۔ لیکن میں یہ بات پوری ذمہ داری اور تاریخی شعور کے ساتھ بیان کررہا ہوں۔ کوئی بھی محقق اگر اس کی تحقیق کرنا چاہے، تو اس حوالہ کی تلاش ناممکن نہیں ہے۔

معلوم نہیں مہیشور لال نے اپنی کتاب کب مرتب کی۔ رپورٹ کا اسلوب تو بتاتا ہے جیسے چشم دید واقعات رقم کئے ہوں، مگر جو نثر مذکورہ بالا اقتباس میں دی گئی ہے، اس کا اسلوب بہادر شاہ کے زمانہ کی اُردو نثر کا نہیں ہے۔ سرسید کے زمانہ سے پہلی کی اُردو نثر اس قدر رواں، سلیس اور جدید اسلوب کی حامل نہیں تھی۔ فرض کیجئے جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ درست ہے، تو اس سے اتنا ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے دور میں مغلیہ دربار میں بسنت منائی جاتی تھی۔ البتہ اس رپورٹ میں بسنت کے ساتھ ساتھ بادشاہ کی سالگرہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ لوگوں کی شرکت بسنت میلہ میں تھی یا بادشاہ کی سالگرہ کی تقریب میں۔ اس رپورٹ میں مبالغہ آمیزی کا رنگ بھی موجود ہے۔ اس دور میں پورے آسمان کا پیلے رنگوں سے بھر جانا بلا شبہ مبالغہ ہے۔ مہیشور لال نے 'یوگ بھاگ' کے الفاظ استعمال کئے ہیں، گویا اس میں ہندو بھی شامل تھے۔ ممکن ہے جمنا کنارے جہاں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی وہاں پر ہندو بسنت پنچمی کے لئے جمع ہوئے ہوں اور لال قلعہ میدان میں مسلمان بادشاہ کی سالگرہ کی

تقریب کے لئے جمع ہوں۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ پیلے لباس میں ملبوس مردوں اور عورتوں کی زیادہ تعداد ہندو ہی ہو۔

ہندو مؤرخ نے بسنتی تہوار کا بادشاہ کی سالگرہ کے ساتھ ذکر شامل کر کے اپنی طرف سے رنگ آمیزی بھی کی ہے۔ کاش کہ حامد اکبر صاحب کسی مسلمان مؤرخ کو ہی ڈھونڈ نکالتے جس نے بہادر شاہ ظفر کے دور کی درباری بسنت کا تذکرہ اس جوش وخروش سے کیا ہو، یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ حال دہلی دربار کا بیان ہوا ہے، لاہور اس میں شامل نہیں ہے۔ ۱۸۰۰ء کے بعد لاہور سکھوں کے قبضہ میں آچکا تھا، ۱۸۴۹ء تک وہ یہاں حکمران رہے پھر اس کے بعد انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کرلیا۔

سکھوں سے پہلے لاہور میں سرکاری سطح پر بسنت منانے کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ راجہ رنجیت سنگھ پنجاب کا یا لاہور کا پہلا حکمران تھا جس نے بسنت منانے میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور اسے صحیح معنوں میں ایک میلے کا رنگ دے دیا۔ وہ بڑے مذہبی جوش وخروش کے ساتھ خود اس میں شریک ہوتا تھا اور اس موقع پر باقاعدہ دربار لگاتا تھا۔ ممکن ہے اس کے دربار سے وابستہ بعض مسلمان بھی اس میں شریک ہوتے ہوں، مگر اس میں عام مسلمانوں کی شرکت کا ثبوت نہیں ملتا۔ ایک انگریز سیاح الیگزینڈر برنز ۱۸۳۲ء میں لاہور آیا، وہ راجہ رنجیت سنگھ کے دربار اور بسنت میلے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''۶ فروری کو بسنت کا تہوار بڑی شان وشوکت سے منایا گیا۔ اس کا مطلب عام طور پر موسم بہار ہوتا ہے۔ رنجیت سنگھ نے اس موقع پر ہمیں مدعو کیا۔ ہم اس کے ہمراہ ہاتھیوں پر سوار ہو کر خوشیوں کا مظاہرہ دیکھنے گئے جو دیگر علاقوں کی طرح موسم بہار کی آمد پر منائی جاتی ہیں۔ پنجاب کے فوجی دستے قطاروں کی صورت میں کھڑے تھے اور انہوں نے دو میل طویل ایک گلی کی شکل بنا لی تھی اور اس کے آخری سرے تک جانے کے لئے تیس منٹ درکار ہوتے تھے۔ فوج باقاعدہ فوجی دستوں، سواروں، پیدل فوج اور توپ خانے پر مشتمل تھی۔ پوری فوج نے پیلے رنگ کا لباس یکساں طور پر پہنا ہوا تھا۔ یہ اس تہوار کا مخصوص لباس تھا۔ مہاراجہ قطار

کے قریب سے گزرا اور اپنی فوجوں کی سلامی لی۔ ہمارا راستہ مکمل طور پر ناہموار سطح زمین پر واقع پرانے لاہور کے کھنڈرات میں سے ہو کر جاتا تھا۔ لہٰذا اس وجہ سے قطار میں لہر کی سی شکل پیدا ہوگئی تھی اور اس چیز نے منظر کی خوب صورتی میں بھی اضافہ کر دیا تھا۔ اس شاندار قطار کے آخر پر زرد حاشیوں سے مزین شاہی خیمے نصب تھے۔ ان کے درمیان ایک لاکھ روپے مالیت کا چھپر کٹ تھا۔ اس کو سچے موتیوں سے آراستہ کیا گیا تھا اور قیمتی پتھروں کا حاشیہ لگایا گیا تھا۔ اس سے بڑی کوئی چیز تصور میں نہیں آ سکتی تھی۔ اس کے ایک کونے میں رنجیت سنگھ بیٹھ گیا اور گرنتھ سننے لگا۔ یہ تقریباً دس منٹ تک پڑھی گئی۔ اس نے مہنت کو نذرانہ پیش کیا اور مقدس کتاب کو دس مختلف رنگوں کے غلافوں میں لپیٹ کر رکھ دیا گیا۔ بالائی غلاف تہوار کی مناسبت سے پیلے رنگ کی مخمل کا تھا۔ بادشاہ کے سامنے پھل اور پھول رکھے گئے اور زرد پھول پیدا کرنے والی ہر جھاڑی اور درخت کو اس کی خوب صورتی سے محروم کر دیا گیا۔ مجھے اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوسکی کہ اس قدر سادہ رنگ کیوں منتخب کیا گیا، لیکن شاید یہ ایک حکمران کی من مانی تھی۔ اس کے بعد زرد لباس میں ملبوس اس کی فوج کے کمانڈر اور امراء مال و زر کی صورت میں نذرانے پیش کرنے کے لئے آئے۔ کابل کے معزول بادشاہوں شاہ زماں اور شاہ ایوب کے دو بیٹے داخل ہوئے اور کچھ دیر تک گفت و شنید کی۔ اس کے بعد ملتان کا نواب بھی زرد لباس میں ملبوس اپنے پانچ بیٹوں کے ہمراہ خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے آیا۔ اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ یہ وہی شخص تھا جو کابل کی مہم میں خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اور اب مہاراجہ رنجیت سنگھ کا وفادار غلام ہے۔ اس کا نام سرفراز خان ہے۔ بہاولپور اور سندھ کے نمائندے اپنی باری پر حاضر ہوئے۔ رقص کرتی ہوئی لڑکیوں نے اس تہوار کے عشقیہ گیت بڑی خوب صورتی سے سنائے اور مہاراجہ نے ان کو بڑی فیاضی سے تحائف دیے۔''

الیگزینڈر کی اس رپورٹ سے یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ کا باج گذار ملتان کا نواب بھی اس تقریب میں شریک ہوا اور یہ اس کی مجبوری تھی، مگر اس میں لاہور کی عوام کی شرکت کا ذکر نہیں ہے۔ مزید برآں پیلے رنگ سے سکھوں کے والہانہ جنون کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ زرد پھول پیدا کرنے والی ہر جھاڑی کو اس کی خوبصورتی سے محروم کر دیا گیا۔

راجہ رنجیت سنگھ کے جانشینوں نے بھی بسنتی تہوار کو با قاعدہ میلے کی صورت میں جاری رکھا۔ بلکہ انہوں نے بسنت پنچمی کے میلے کو تجارت اور اشیا کی خرید وفروخت کو وسعت دینے کے لئے بھی استعمال کیا۔ ۱۸۴۸ء میں بسنت میلہ کو ایک روزہ تہوار کی بجائے آٹھ روز تک منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ جان لارنس صاحب قائم مقام ایجنٹ گورنر جنرل ممالک شمال ومغرب اور ریذیڈنٹ لاہور نے ایک روبکار کے ذریعے اس خواہش کا اظہار کیا کہ بسنت پنچمی کا میلہ جو ۹ فروری ۱۸۴۸ء کو ہونا تھا، اسے ۵ فروری ۱۸۴۸ء سے ۱۲ فروری ۱۸۴۸ء تک منعقد کیا جائے۔

اس ضمن میں اوجلدیدار نرمل بدھ سردار لعل سنگھ مراریہ کے نام جاری ہونے والے ایک فارسی پروانہ کا اُردو ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

''اوجلدیدار نرمل بدھ سردار لعل سنگھ مراریہ خوش وخرم رہیں۔ چونکہ ایک روزہ میلہ کے انعقاد میں تجارت پیشہ افراد کی آمدورفت اور ہر قسم کی اشیاء کی خرید وفروخت کے لئے بازار کا اجرا مقصود ہے لہٰذا صاحب والا مراتب جان لارنس صاحب بہادر قائم مقام ایجنٹ گورنر جنرل و ریذیڈنٹ لاہور کی روبکار کی وصولی پر یہ طے پایا کہ میلہ بسنت پنچمی جو زمانہ قدیم سے لاہور میں منایا جاتا ہے اور امسال ۹ فروری ۱۸۴۸ء بمطابق ۲۹ ماگھ ۱۹۰۴ء بکرمی کو ہوگا۔ یہ میلہ ۵ فروری ۱۸۴۸ء بمطابق ۲۵ ماگھ تا ۱۲ فروری ۱۸۴۸ء بمطابق ۳ پھاگن ۱۹۰۴ بکرمی منانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں اشتہار جاری کئے جائیں گے۔ بیوپاری اور تجارت پیشہ افراد ہر قسم اور ہر ملک سے عجیب غریب اشیاء اور اجناس اس میلہ میں لائیں گے جو ہر ایک کے لئے فائدہ مند ہوگا۔ لہٰذا آپ کے نام حکم جاری کیا جاتا ہے کہ اس بارے میں اپنے علاقہ جات میں اشتہارات جاری کریں اور منادی کروائیں۔ اس بارے میں سخت تاکید ہے۔'' (مؤرخہ ۲۹ ماہ کاتک ۱۹۰۴ بکرمی پروانگی حضور توقف، لاہور)

(اقتباس: کتاب چوہدری نذیر احمد، صفحہ: ۵۳ بحوالہ بسنت لاہور کا ثقافتی تہوار)

اس فرمان میں کہا گیا ہے کہ بسنت پنچمی زمانہ قدیم سے لاہور میں منایا جاتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'زمانہ قدیم' سے کیا مراد ہے؟ اس سوال کا جواب ہمیں حقیقت رائے دھرمی کے واقعہ سے ملتا ہے۔ نذیر احمد چوہدری صاحب لاہور میں بسنت کو بطور تہوار منانے کے آغاز کا

ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لاہور میں بسنت کو بطور تہوار منانے کا آغاز ۱۷۴۷ء میں ہوا۔ ایک روایت کے مطابق ایک ہندو لڑکے حقیقت رائے دھرمی کی سمادھی پر ہندوؤں نے پیلے رنگ کے کپڑے پہن کر حاضری دی۔ حقیقت رائے نامی نوجوان کا تعلق سیالکوٹ سے تھا، وہ اس وقت کے رواج کے مطابق مسلمانوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرتا تھا۔ مکتب میں کسی بات پر اس کا جھگڑا کسی مسلمان طالب علم سے ہو گیا جس کے بعد حقیقت رائے نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ چنانچہ یہ مقدمہ لاہور کے ایک قاضی کی عدالت پیش ہوا۔ دوران مقدمہ ہندوؤں نے یہ مؤقف پیش کیا کہ مسلمان طالب علم نے پہلے ان کے اوتاروں کو بُرا بھلا کہا تھا مگر وہ قاضی کو دلائل سے قائل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قاضی نے حقیقت رائے کو سزائے موت سنا دی۔ چنانچہ ۱۷۴۷ء میں اسے لاہور میں پھانسی دے دی گئی۔ جس جگہ اسے پھانسی دی گئی وہ گھوڑے شاہ (باغبانپورہ) کے علاقہ میں تھی۔ ہندوؤں کے نزدیک حقیقت رائے نے ہندو دھرم اور اوتاروں کے لئے قربانی دی تھی، اس لئے انہوں نے اس دن گستاخ رسول کی یاد منانے کے لئے رنگ بکھیرا۔ پتنگ بازی کی اور اس کا نام بسنت رکھا۔ بعد میں اس مقام پر ایک مندر تعمیر کیا گیا جہاں اس کی موت کے دن ہندو مرد زرد رنگ کی پگڑیاں اور عورتیں زرد رنگ کی ساڑھیاں پہن کر حاضری دیتیں اور منتیں مانتی تھیں۔''

گویا ۱۸۴۸ء میں اس تہوار کو لاہور میں مناتے ہوئے ۱۰۱ برس بیت چکے تھے، ظاہر ہے کہ یہ ایک طویل عرصہ ہے۔ دوسری بات اس فرمان میں قابل غور یہ ہے کہ اس میلے کو لاہور تک محدود بتایا گیا ہے۔ سکھ ریاست کے دیگر شہروں میں اس کے منانے کا ذکر نہیں ملتا۔ بلکہ دیگر علاقوں کے نواب اور امراء اس میلے میں شریک ہونے کے لئے لاہور آتے تھے۔ اس سے بھی اس میلے کا تعلق حقیقت رائے دھرمی کے واقعہ سے ملتا ہے۔ اگر بسنت سکھوں کے نزدیک محض موسم کا تہوار ہوتا تو وہ اسے دوسرے مقامات پر بھی مناتے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ راجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشین سکھ حکمرانوں نے بسنت پنچمی جیسے خالص ہندووانہ تہوار میں اس قدر دلچسپی کیوں لی؟ اس کا جواب اس کے علاوہ کچھ اور نہیں

ہوسکتا کہ وہ ایسا مسلمان دشمنی اور ہندومت سے رغبت کی بنا پر کرتے تھے۔ بسنت کے موقع پر درگا دیوی کی پوجا کا ہندوانہ تصور بھی سکھ مذہب کی تعلیمات کا حصہ بن گیا۔سکھ مت کے بانی گورونانک نے اگرچہ اسلامی تعلیمات سے بہت تاثر قبول کیا، لیکن بعد میں گوروگوبند کے قتل کے بعد سکھ مسلمانوں کے شدید دشمن بن گئے۔ ان کے خیالات میں یہ تبدیلی ان کی مغل حکمرانوں سے سیاسی اختلافات کا نتیجہ تھی۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ہم یہاں پروفیسر عزیز احمد کی کتاب 'برصغیر میں اسلامی کلچر' جس کا اُردو میں ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے کیا ہے، سے ایک طویل اقتباس نقل کرتے ہیں:

''گرو رام داس کو اکبر کی جانب سے جاگیر عطا ہوئی تھی لیکن گرو ارجن (۱۵۶۳ء تا ۱۶۰۶ء) کے دور میں جو ۱۵۸۱ء میں گرو کے مرتبہ پر فائز ہوئے سکھ مت نے مغل حکومت کے خلاف بغاوت کردی۔ ارجن خود کو سچا بادشاہ کہتا تھا اور اپنے کارندوں کے ذریعہ محاصل وصول کرتا تھا۔مغل عہدہ داروں نے اس کو پھانسی دے دی لیکن اس نے اپنے بیٹے اور جانشین ہرگوبند سنگھ (۱۶۰۵ء تا ۱۶۴۵ء) کو یہ نصیحت کی تھی کہ وہ تخت پر پوری طرح مسلح ہوکر بیٹھا کرے اور فوج تیار کرے۔ ہرگوبند سنگھ نے جہانگیر کی فوج میں ملازمت اختیار کی۔ اس تربیت سے اسے سکھ قوم کو فوجی جتنا بنانے میں مدد ملی۔ اسی وقت سے سکھوں اور مسلمانوں میں باہمی مخالفت اور دشمنی کا اصول پختہ ہوگیا۔

گرو گوبند سنگھ (۱۶۶۶ء تا ۱۷۰۸ء) نے کھلم کھلا مسلمانوں کے خلاف کارروائی شروع کردی۔ انہوں نے خالصہ کے نام سے ایک سکھ فوجی فرقہ قائم کیا جنہوں نے پانچ کیش اختیار کرنے کی قسم کھائی یعنی کیس (داڑھی، ہمت اور مردانگی کا نشان)، کنگھا (جو بالوں میں مستقل لگا رہے)، کچھا، کڑا اور کرپان۔ خالصہ گروہ کے ارکان کے لئے ایک چورخی قانون کی پابندی بھی لازمی تھی: بالوں کا نہ ترشوانا، تمباکو اور منشیات سے اجتناب، مسلمانوں کی طرح کے گوشت سے پرہیز اور مسلمانوں کے بدنی لمس سے دور رہنا۔

سکھ مذہب میں ایک اور کایا پلٹ بھی ہوگئی۔ اگرچہ یہ بت پرستی کو مستقل رد کرتا رہا لیکن اس کی اتحاد مذاہب کی اصلی خصوصیت پس پشت چلی گئی اور عمل، رسوم اور سماجی مشابہتوں میں

ہندو اثرات زیادہ سے زیادہ نمایاں ہونے لگے۔ اسی کے ساتھ وہ اپنے ایک بنیادی مقصد میں بھی ناکامیاب ہوا، یعنی ذات پات کی قیود کو مٹانا بلکہ سکھوں کے مختلف فرقوں کے مابین بیاہ شادی اور بعض اوقات ساتھ کھانے پینے تک میں بھی پابندیاں برقرار رہیں یا عائد کی جانے لگیں۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی توحید پرستی میں بھی گرو گوبند سنگھ کے زیر اثر انقلاب آ گیا یعنی خدا کی تعمیری قدرت پر اس کی تخریبی قوت کو برتر کر دیا گیا۔ موت کو خدائی کا درجہ دے دیا اور لوہے کی تباہی کی علامت کے طور پر پوجا کی جانے لگی...... اس نے ہندووں کی درگا دیوی کو شکتی☆ کے نسائی پہلو کے طور پر منتخب کیا یا مہادیو کی شکتی کو خاص طور پر پرستش کا نشان قرار دیا اور خالصہ کا نعرۂ جنگ 'یا درگا' ہو گیا۔ اس نے سختی کے ساتھ مسلمان یا نیم مسلمان درویشوں کی اتحاد مذاہب کے تحت، عزت و احترام کرنے سے سخت ممانعت کر دی۔ گرو گوبند کو اس کے ایک مسلمان مصاحب نے قتل کر دیا جس سے دو قوموں کے تعلقات مزید تلخ و تند ہو گئے۔

سکھ مت کی ہندومت کی طرف واپسی کا سفر آئندہ نسلوں میں بھی جاری رہا۔ بقول خشونت سنگھ ''گرو گوبند سنگھ کے انتقال کے سو سال کے اندر ہی سکھوں کے گوردواروں میں تمام رسومات ہندوؤں کے مندروں کی طرح ادا کی جانے لگیں اور اکثر ان رسومات کی پیشوائی بجائے سکھوں کے ہندو پروہت کرتے تھے۔ سکھوں نے ذات پات کے امتیازی نشان پہننا شروع کر دیئے۔ سکھوں کی شادیاں اور موت کی رسوم بھی ہندوؤں کی طرح ہونے لگیں ...... برہمن پروہت سکھ حکمرانوں کو ہون کر کے اور وید کے منتر پڑھ کر سنگھاس پر بٹھاتے تھے۔ ہندو عورتوں کے ساتھ بیاہ ہونے لگے اور یہ بیاہ ہندو پروہت کرتے تھے۔ عورتیں اپنے شوہروں کی موت پر ان کے ساتھ جلا دی جاتی تھیں۔

مغلوں کے دور زوال یعنی اٹھارویں صدی میں سکھوں کی مسلمان دشمنی میں حد درجہ تیزی آ گئی۔ سکھ رہنما بندا کی سرکردگی میں سامانہ اور انبالہ میں مسلمانوں پر ایسے مظالم ڈھائے گئے جن کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ سکھوں کے حملوں اور فتوحات کا بس ایک ہی انداز رہا۔ آرچر لکھتا ہے کہ ''جب کبھی کسی مفتوحہ علاقہ میں کوئی مسجد شامل ہوتی تھی تو وہ فوراً ڈھا دی جاتی تھی اور اس کے پہلے محافظوں سے زبردستی اسے سوروں کے خون سے دھلوایا جاتا تھا۔

☆ یاد رہے کہ ہندو بسنت کے تہوار کے موقع پر درگا دیوی کی پوجا کرتے ہیں۔

۱۷۶۳ء تا ۱۷۶۴ء میں سکھوں نے قصور، مالیر کوٹلہ اور سرہند کے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے مغل ہندوستان کے شمالی مغربی حصہ میں فوج اور انتظامیہ کو مفلوج کر دیا تھا اور سکھوں کو اچھا موقع مل گیا۔ اٹھارویں صدی کے اواخر میں سکھوں کی بارہ فوجی متحدہ مثلوں نے پنجاب کے بیشتر علاقہ پر قبضہ کرلیا۔

اٹھارویں صدی کے اختتام پر رنجیت سنگھ کی ہوشمند، قوی اور محرک ہستی برسر اقتدار آئی۔ اس نے پنجاب میں ایک طاقتور سکھ ریاست قائم کرڈالی اور شمال مغرب کے قبائلی علاقہ کے ساتھ کشمیر اور لداخ کو بھی اپنی ریاست میں شامل کرلیا۔ اگرچہ اس کی فوج میں مسلمان بھی تھے اور دربار میں فقیر عزیز الدین جیسے مشیر کار بھی، لیکن اس کا دور حکومت اتنا سفاکانہ اور متشدد تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے اس سے بدتر زمانہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ رنجیت سنگھ کی سکھیت میں شدید ہندو خوبو پائی جاتی تھی اور وہ ہندو تیوہار مناتا تھا۔ ہندو رسومات برتتا تھا۔ اس کے درباری اور بیگمات ہندو رسمیں ادا کرتے تھے۔ وہ ہندو مندروں میں جایا کرتا تھا اور ان کی مالی امداد کرتا تھا۔ سکھ ریاست اس کی موت کے بعد شکست و ریخت کا شکار ہوگئی اور جلد ہی برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کا خاتمہ کردیا۔ لیکن سکھوں کی ہندوؤں کی جانب رجعت کا عمل جاری رہا۔''

سکھوں کی ان ظالمانہ کارروائیوں کا مسلمانوں میں شدید ردعمل سامنے آیا۔ سید احمدؒ بریلوی اور شاہ اسماعیلؒ شہید نے جو تحریک مجاہدین برپا کی وہ بھی اسی ردعمل کا نتیجہ تھی۔ یہ تحریک جہاں مسلمانوں کو سکھوں کے ظلم سے نجات دلانے کا نعرہ رکھتی تھی، وہاں اس کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح بھی تھا۔ پروفیسر عزیز احمد سید احمد بریلویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وہ انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستانی مسلمانوں کی اسلامی طرز زندگی کو محفوظ کرنے اور از سر نو تعمیر کرنیکی کوشش میں لگے ہوئے تھے جس میں بالخصوص قرآن وسنت پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اس کے معنی یہ بھی تھے کہ ان تمام ہندوستانی، فارسی اور رومی رسوم کو مسترد کیا جائے جو پیغمبر اسلام کی تعلیمات سے متناقض تھیں۔ انہوں نے برہمنوں سے اچھے اور برے شگونوں کے لئے رجوع کرنے اور ہندو تیوہار منانے کی بڑی شدومد سے مذمت کی۔ مسلمان مصلحین نے

جس کام کا بیڑہ اٹھایا تھا وہ ان اعمال و رسوم کو مٹانا تھا جنہیں ہندوؤں سے لے کر مسلمانوں نے اپنے مذہب میں داخل کرلیا تھا۔'' (صفحہ ۳۲۱،۳۲۲)

سید احمدؒ اور شاہ اسماعیلؒ بالآخر سکھوں کے ساتھ لڑتے ہوئے بالاکوٹ کے مقام پر ۱۸۳۲ء میں شہید ہوگئے۔

۱۸۴۹ء میں منڈی بہاؤالدین سے چند کلومیٹر دور چیلیانوالہ کے قصبہ میں سکھوں اور انگریزوں کے درمیان وہ تاریخی لڑائی لڑی گئی جس کے بعد انگریزوں نے پورے پنجاب پر قبضہ کرلیا۔ لاہور کے تخت کا بندوبست ایسٹ انڈیا کمپنی نے تین رکنی کمیٹی کے سپرد کردیا جس میں ہنری لارنس اور ان کے بھائی جان لارنس بھی شامل تھے، انہی کے نام پر لاہور کا لارنس گارڈن ہے۔ یہی جان لارنس سکھ دور میں یہاں ایجنٹ ریذیڈنٹ کے طور پر انگریزوں کے نمائندے کی حیثیت سے تعینات تھے۔ انگریزوں نے ہندوستان کی جن ریاستوں پر براہ راست قبضہ نہیں کیا تھا، ان پر اپنے ایجنٹ مقرر کررکھے تھے جو عملی طور پر وہاں انگریزوں کی پالیسیوں کے نفاذ کو یقینی بناتے تھے۔ مذکورہ تین رکنی کمیٹی نے پندرہ سال تک پنجاب کا انتظام سنبھالے رکھا، مگر حیران کن بات یہ ہے کہ وہی جان لارنس جن کے حکم سے ۱۸۴۸ء میں بسنت پنچمی کا میلہ ایک دن کی بجائے آٹھ روز تک منایا گیا تھا، اپنے دور میں انہوں نے اس میلہ میں قطعاً کوئی دلچسپی نہ لی۔ اس کے بعد بھی ۱۹۴۷ء تک انگریزی عہد میں بسنت سرکاری طور پر منانے کا ذکر نہیں ملتا۔ نذیر احمد چوہدری صاحب لکھتے ہیں:

''سکھوں کے عہد کے بعد عہد انگلش میں اس تہوار کو سرکاری طور پر منانے کے شواہد نہیں مل سکے۔ مگر یہ کھیل موسمی اور ثقافتی تہوار کے طور پر جاری رہا'' (صفحہ:۵۴)

انگریزوں نے اس نام نہاد ''موسمی اور ثقافتی تہوار'' میں کسی قسم کی دلچسپی کا مظاہرہ نہ کیا۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کے اندر موسم بہار سے لطف اندوز ہونے کا داعیہ نہ تھا یا ان کا رویہ بہار دشمنی پر مبنی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریز حکمران بھی بسنت کو خالصتاً ہندوؤں اور سکھوں کا تہوار سمجھتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی ایک مذہب کے پیروکاروں کے تہوار کو سرکاری

سرپرستی کا رنگ دے کر دوسرے طبقے بالخصوص پنجاب کی اکثریتی مسلمان آبادی کو ناراض کریں۔ اگر یہ خالصتاً غیر مذہبی اور موسمی تہوار ہوتا اور غیر متنازعہ ہوتا تو انگریز سکھ دور کی اس روایت کو قائم رکھتے۔ آج کے بسنت کے حامی دانشوروں اور عوام کو معلوم ہو یا نہ ہو، مگر انگریز راجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشینوں کی لاہور کے بسنت میلہ میں دلچسپی کے حقیقی اسباب سے ناواقف نہ تھے، حقیقت رائے دھرمی کے واقعہ کا تاریخی پس منظر بھی انہیں خوب معلوم تھا۔ اسی لئے انہوں نے اسے 'جشن بہاراں' کا نام بھی نہ دیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بسنت موسم بہار کا تہوار ہے ہی نہیں۔ ظاہر ہے فروری کے پہلے ہفتے میں 'جشن بہاراں' وہ کیسے برپا کر سکتے تھے۔

۱۹۳۵ء کے انتخابات کے بعد سر سکندر حیات پنجاب کے وزیراعظم بنے، بعد میں تقسیم ہند تک سرگودھا سے نواب ملک خضر حیات ٹوانہ نے یونیسٹ حکومت قائم کی۔ جاننا چاہئے کہ ٹوانہ صاحب کے ۲۷ میں سے صرف ۱۶ ووٹ تھے، باقی سب کے سب ہندو یا سکھ تھے مگر انہیں بھی راجہ رنجیت سنگھ کی بسنتی روایت کو زندہ کرنے کا خیال نہ آیا۔

۱۹۴۷ء کے بعد پنجاب کے کسی مسلمان گورنر یا وزیراعلیٰ نے بسنت یا اس نام نہاد جشن بہاراں کو سرکاری سرپرستی میں نہیں منایا۔ ان میں نواب آف کالاباغ بھی تھے، میاں ممتاز دولتانہ تھے، شیر پنجاب غلام مصطفےٰ کھر اور پنجاب کا مقدمہ پیش کرنے والے حنیف رامے بھی تھے۔ پنجاب کے ثقافت کے فروغ میں غیر معمولی دلچسپی لینے والے ملک معراج خالد بھی تھے۔ مگر یہ سب نامور سیاستدان بسنت کو سرکاری تہوار کے طور پر منانے میں کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ اگر بسنت واقعی ایک عوامی، موسمی اور ثقافتی تہوار تھا، تو اس کی سرپرستی میں اس قدر کوتاہی کا مظاہرہ کیوں کیا گیا۔ حقیقت بالکل اس کے برعکس تھی۔ قیام پاکستان کے بعد بھی ایک طویل عرصہ تک بہت ہی معمولی سطح کے گنتی کے چند لوگوں کے علاوہ بسنت منانے میں کسی کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ شرفاء تو اسے خلاف شان سمجھتے تھے۔ نوائے وقت کے ایک مضمون نگار حامد اکبر نے بالکل درست لکھا ہے کہ پہلے بسنت صرف اندرون شہر کے علاقوں میں منائی جاتی تھی، پوش علاقوں کے لوگوں کو تو اس کی خبر تک نہ ہوتی تھی۔ (یکم فروری ۲۰۰۴ء) آج بعض

سرکاری ادارے اور ان کے افسر بسنت کے پروگراموں میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہیں، مگر اس بات کو بہت عرصہ نہیں گذرا جب سرکاری افسران کی طرف سے بسنت یا پتنگ بازی کے شغل میں حصہ لینے کو ایک گھٹیا حرکت (Misconduct) گردانا جاتا تھا اور پنجاب کے ہوم ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے حکومت پنجاب کے تمام شعبہ جات اور ضلعی افسران کو وہاں ایک سرکلر کے ذریعے باقاعدہ ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ اپنے افسران کو بسنت میں شریک ہونے سے منع کریں۔ راقم الحروف کسی قدر یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ۱۹۹۰ء تک یہی صورت رہی۔

پورے ڈیڑھ سو برس کے بعد ۲۰۰۰ء میں لاہور میں بسنت کو پہلی دفعہ سرکاری سرپرستی میں منایا گیا۔ اب دربار کی جگہ چند سرکاری اداروں نے لے لی ہے۔ چوہدری نذیر احمد صاحب جو پندرہ سال تک الحمرا آرٹس کونسل کے ڈائریکٹر رہے، نے اپنی محولہ بالا کتاب میں ایک باب 'بسنت: بحیثیتِ سرکاری تہوار' کے عنوان سے بھی قائم فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

''سال ۲۰۰۰ء کا بسنت تہوار منانے کے لئے لاہور میں رنگا رنگ تقاریب کا اہتمام کیا گیا۔ یوں تو ہر سال فروری کے دوران لاہور جیسے اہم تہذیبی، ادبی اور ثقافتی مرکز میں بسنت کے تہوار کو منانے کے لئے شائقین ہمیشہ جوش وخروش کا اظہار کرتے ہیں مگر امسال تو سرکاری سطح پر اس ثقافتی تہوار کی سرپرستی کی گئی ...... اس سال چونکہ پنجاب میں پتنگ بازی اور بسنت کو سرکاری سرپرستی مل گئی ہے، اس لئے اس کا رنگ ہی نیا ہوگیا ہے ......سن ۲۰۰۰ء کے بسنت تہوار کو حکومت پنجاب کی سرپرستی میں 'سرکاری چھتری' فراہم کرکے باقاعدہ ایک سرکاری تہوار کی شکل دے دی گئی۔ شہر میں مختلف ثقافتی پروگراموں کے علاوہ ''فوڈ میلہ'' کے انعقاد پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ جس میں لاہور کے مشہور روایتی کھانے دستیاب تھے۔ بسنت کی رات کو ایک نائٹ شو کا اہتمام بھی کیا گیا جس میں اسٹیج، فلم اور ٹی وی کے مشہور فنکاروں نے شرکت کی اور میوزیکل پروگرام رات بھر جاری رہا ...... پنجاب ٹورازم کارپوریشن نے اندرون شہر 'بسنت میلہ' سرکاری طور پر منایا۔'' (صفحہ ۴۶، ۴۷، ۴۸)

چوہدری نذیر احمد صاحب نے بسنت کی سرکاری سرپرستی کے خلاف بعض مذہبی اور عوامی حلقوں کے احتجاج کو بھی اپنے مضمون میں شامل کیا ہے، لکھتے ہیں:

''مختلف سماجی اور مذہبی تنظیموں اور جماعتوں کی جانب سے بسنت پر پابندی لگانے کا مطالبہ بھی چلتا رہا ہے۔ جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے کچھ حضرات کا خیال ہے کہ سرکاری سطح پر بسنت منانے کی اجازت دے کر ہندوانہ تہذیب کو فروغ دینے کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ ان کے مطابق بسنت منانے سے ملک میں معاشرتی مسائل جنم لے رہے ہیں۔ اونچی آوازیں، سرچ لائٹوں اور پٹاخوں سے نہ صرف بے حیائی فروغ پارہی ہے بلکہ لوگوں کا امن وسکون بھی برباد ہورہا ہے۔ قابل افسوس صورت حال یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ بسنت سرکاری سرپرستی میں منائی جارہی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ''جشن بہاراں'' کے نام پر اخلاق سوز، بے ہودہ اور فحش سرگرمیوں کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔'' (صفحہ:۵۱)

چوہدری نذیر احمد نے معروف وکیل ایم ڈی طاہر کی طرف سے لاہور ہائی کورٹ میں بسنت کے خلاف دائرہ کردہ رٹ پٹیشن کا ذکر بھی کیا ہے۔ درخواست گذار ایم ڈی طاہر نے اپنے دلائل میں کہا کہ بسنت ہندوانہ تہوار ہے، اس سے بے حیائی اور غنڈہ گردی پھیلتی ہے۔ جبکہ ہمارے یہاں سرکاری سرپرستی میں بسنت منائی جارہی ہے۔ (صفحہ:۵۲)

ہم نے مذکورہ بالا سطور میں بسنت کو درباری اور سرکاری سرپرستی کے حوالہ سے بعض تاریخی حقائق کو قارئین اور پالیسی سازوں کے غور وفکر کے لئے اپنے انداز میں ترتیب دے کر پیش کردیا ہے۔ آج ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے کہ مغلیہ دور کے ثقافتی زوال کی علامت محمد شاہ رنگیلا اور مسلم دشمن سکھ حکمران راجہ رنجیت سنگھ کے دربار سے فروغ یافتہ بسنتی تہوار کو منانا چاہئے یا نہیں؟ کیا یہ حکمران ہمارے لئے قابل اتباع ہیں یا ہمیں اورنگ زیب عالمگیر اور پنجاب کے حکمران زکریا خان جیسے غیور مسلمان حکمرانوں کے کردار اور عمل کو اپنے لئے قابل تقلید جاننا چاہئے؟ اگر ہم ماضی کے درباری کلچر سے کسی قسم کا رومانوی تعلق رکھنے کا میلان رکھتے ہیں تو ہمارا خیال ہے کہ ہمیں شہنشاہ عالمگیر کے دربار کی ثقافت کی اعلیٰ روایات کو زندہ کرنے کی سعی کرنی چاہئے۔ عالمگیر اورنگ زیب کا دربار بھی سطوت وعظمت میں کسی سے کم نہ

تھا، البتہ ایک فرق ضرور تھا کہ اس کے دربار کی ثقافت اسلامی اقدار کی اساس پر قائم تھی۔

میں اپنی ان گذارشات کو پروفیسر عزیز احمد کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں جو اُنہوں نے شہنشاہِ ہند اورنگ زیب عالمگیر کے متعلق رقم فرمائے ہیں:

''اورنگ زیب کا کردار متعدد حیثیتوں سے داراشکوہ کے بالکل برعکس تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کی پرہیزگاری غیر صوفیانہ اور عیاں اور مبرہن تھی۔ وہ بھی اہل اللہ سے بات چیت کرتا تھا وہ اہل اللہ جو عالم دین تھے یا راسخ العقیدہ نقشبندی سلسلہ کے پیرو تھے۔ اپنی خلوت گاہ میں کبھی گدے پر استراحت نہیں کرتا تھا۔'' (مآثر عالمگیری)

نہ ریشمی لباس پہنتا تھا اور نہ سونے چاندی کے ظروف استعمال کرتا تھا۔ اس کی صحبت میں کوئی ناروا و نامناسب گفتگو مثلاً اتہام طرازی، فحش یا دروغ گوئی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔'' (ایضاً) اس کا محبوب پسندیدہ مطالعہ قرآن، فقہ، الغزالی، یحییٰ ہندی، اور عبداللہ طباخ کی تصانیف پر مشتمل تھا۔ وہ اخلاقی شاعری پسند کرتا تھا، عام شاعری سے اسے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ فن تعمیر اسے لازمی جزو کے طور پر افادیت سے دلچسپی تھی۔ فن مصوری اور موسیقی اس کے لئے کوئی جاذبیت نہیں رکھتے تھے۔

......تخت نشینی کے جشن نوروز (۱۶۵۹ء) کے موقع پر اس نے جو احکامات جاری کئے، ان میں اس کی انتظام مملکت اور مذہبی حکمتِ عملی نے بالکل نئی شکل اختیار کرلی۔ شمسی تقویم کی جگہ قمری ہجری تقویم جاری کی گئی۔ جشن نوروز، جو زرتشتیوں سے مستعار لیا گیا تھا، بند کردیا گیا۔ جنسی بدکاریوں اور مے نوشی پر قابو رکھنے کے لئے محتسب مقرر کئے گئے ......مسلم معاشرے کی اخلاقی تشکیل نو کے سلسلے میں اورنگ زیب کے انتظامی اقدامات ایک نسل بعد آنے والے شاہ ولی اللہ کے دانشورانہ لائحہ عمل اور اصلاحات کی پیش بینی کر رہے تھے......علم نجوم، ریشمی لباس اور سونا پہننا اور موسیقی کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ ان اصلاحات میں ستی کا روکنا اور ہولی کے تیوہار کے موقع پر فحش گیت گانے کی ممانعت شامل تھی۔'' (برصغیر میں اسلامی کلچر: ص۳۰۰،۳۰۱)

بسنت کی ہولناکیاں!

زیر نظر مضمون ایک خاتون صحافی محترمہ رفیعہ ناہید پاشا کا تحریر کردہ ہے۔ زبان اور تاثر کے لحاظ سے یہ مضمون بے حد قابل تعریف ہے۔ یہ مضمون ہماری صحافتی برادری کی خواتین وحضرات کو دعوت فکر دیتا ہے کہ وہ بھی 'بسنت' جیسے ہندووانہ اور سماج دشمن خونی تہوار کے خلاف قلمی جہاد میں حصہ لیں۔اُمید ہے رفیعہ ناہید پاشا اس قابل تحسین کاوش کا سلسلہ جاری رکھیں گی۔

۲۰ جنوری سے ۲۰ فروری ۲۰۰۴ء تک کتنی عورتوں کے گھر اور گودیں اُجڑیں گی؟

گزشتہ تین برسوں کے دوران پتنگ بازی کے باعث پیش آنے والے چند دلخراش واقعات کی رپورٹ ......!

'ماما مجھے بھوک لگی ہے' ...... ۸ سالہ ابراہیم نے سکول وین سے اُترتے ہی نعرہ لگایا اور مین گیٹ سے کچن تک پہنچتے پہنچتے کیچپ کے ساتھ فرنچ فرائز کھانے کی معصومانہ فرمائش بھی کرڈالی۔ عالیہ چونکہ آج سے ابراہیم کے کلاس تھری کے سالانہ امتحانوں کے لئے خصوصی تیاری شروع کروانے کا ارادہ رکھتی تھی اس لئے بولی''آج تو فرنچ فرائز کے ساتھ فش بھی ملے گی ......آپ جاکر یونیفارم بدلیں۔

ابراہیم خوشی خوشی بھاگتا ہوا کمرے میں گیا۔معاً کچن میں فش فرائی کرتی ہوئی عالیہ کو ابراہیم کے سیڑھاں چڑھنے کی آواز سنائی دی۔ پہلے اس نے سوچا کہ وہ اسے واپس بلائے مگر پھر اس خیال سے کہ ابھی خود اسے کچن میں دیر لگے گی، خاموش ہوگئی اور تیزی سے اپنا کام مکمل کرنے لگی ...... چندلمحوں بعد کال بیل بجی وہ دیکھنے کے لئے گئی مگر وہاں منظر ہی اور تھا ...... ابراہیم

خون میں لت پت زمین پر پڑا تھا۔ اور لوگ اس کے ارد گرد جمع تھے...... پتہ چلا کہ چھت پر کسی کٹی ہوئی پتنگ کی ڈور اس کے گلے میں پھر گئی وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور چھت سے گلی میں گر گیا اب خون کے فوارے اُبل رہے تھے...... ماں کے لئے ایسا دلدوز منظر دیکھنا آسان نہیں تھا ...... مگر جذبات کو کنٹرول کر کے اس نے اپنے شوہر کے موبائل پر فون کیا ...... "not- responding" جا رہا تھا ......سو وقت ضائع کئے بغیر عالیہ رکشہ میں بچے کو لے کر ہسپتال چلی گئی۔ ڈاکٹروں نے فوری طور پر طبی امداد فراہم کی مگر ابراہیم ہوش میں نہ آیا...... زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ بہت جلد جان کی بازی ہار گیا...... عالیہ نے قریبی پی سی او سے دوبارہ اپنے شوہر عامر کے موبائل پر ٹرائی کیا اور اسے اکلوتے بیٹے کی موت کی خبر سنائی۔ ہسپتال کا عملہ اور مریضوں کے لواحقین پھول سے بچے کی موت پر سسک رہے تھے...... عالیہ کے ضبط کا بندھن بھی اب ٹوٹ چکا تھا۔ عامر پہنچا تو ضروری کارروائی کے بعد دونوں ابراہیم کے بے جان جسم کو لے کر گھر چلے گئے۔ جہاں اب کبھی ابراہیم کی آواز نہیں آئے گی کہ ''ماما مجھے بھوک لگی ہے......!''

یہ صرف ایک واقعہ نہیں اور عالیہ صرف ایک ماں نہیں جسے قاتل ڈور کے ہاتھوں اپنی آرزوؤں کے مرکز، اپنے لخت جگر کی قربانی دینا پڑی ہو...... ایسی بے شمار عورتیں ہیں جنہیں بدمست ہواؤں میں اڑتی کٹی پتنگوں کی قاتل ڈوروں کے ہاتھوں عمر بھر کے صدمے اٹھانا پڑتے ہیں ...... کہ ہنستے ہنستے گھر لمحوں میں ماتم کدوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور اب تک لاتعداد نوجوان لڑکے شیر خوار بچے اور گھر بھر کے واحد کفیل اس منحوس کھیل (پتنگ بازی) کا نشانہ بنے ہیں جسے 'جشن بہاراں' میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔......!!!

علینہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ملازمت کر رہی تھی اور خوش تھی کہ شادی کے بعد نہ صرف اس کے بنک آفیسر شوہر جمشید نے اسے جاب کی بخوشی اجازت دی تھی بلکہ وہ پک اینڈ ڈراپ کے علاوہ ہر طرح سے اس کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ دونوں نے مل کر اپنی آئندہ زندگی کے لئے پلاننگ کر رکھی تھی۔ جس میں جمشید نے زیادہ اہمیت اسی کے آئیڈیاز کو دی تھی۔ گویا علینہ کے

لئے زندگی خاصی سبک اور سہل تھی ...... ایک روز دوپہر کے وقت اسے جمشید کا فون آیا کہ آج شام وہ دونوں گلبرگ میں اس کے بھائی کے ہاں مدعو ہیں تاکہ ویک اینڈ پر کھانے کے علاوہ رات کو پتنگ بازی کا لطف بھی اٹھایا جا سکے۔ علینہ کو پہلے تو کچھ ضروری کام یاد آئے جو اسے چھٹی کے دن کرنا تھے مگر پھر سوچا چلو کچھ ہلا گلا رہے گا اور جمشید بھی خوش ہو جائے گا ...... طے یہ ہوا کہ آج وہ آفس سے ذرا جلدی گھر چلی جائے گی جہاں سے دونوں اکٹھے گلبرگ جائیں گے ...... گھر پہنچ کر علینہ تیار ہوئی اور جمشید کا انتظار کرنے لگی ...... بالآخر اس کے بنک فون کیا تو علم ہوا کہ وہ تو ایک گھنٹہ پہلے سے جا چکا ہے علینہ نے سوچا شاید کچھ کھانے پینے یا پتنگ بازی کا سامان لینے کے لئے راستے میں رک گیا ہوگا ...... تقریباً آدھ گھنٹے بعد فون کی بیل بجی ...... کوئی اجنبی لائن پر تھا اور بتا رہا تھا کہ جمشید کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ سروسز ہسپتال میں ہے، آپ جلدی پہنچ جائیں ...... علینہ بے حد پریشان ہوگئی اور بھاگم بھاگ آ یتیں، درود پڑھتی جمشید کی زندگی کی دعائیں مانگتی ہسپتال پہنچی ...... کوریڈور میں اسے سٹریچر پر ایک سفید چادر میں ڈھکا ہوا وجود نظر آیا ...... مگر وہ اسے نظر انداز کرتی ہوئی ڈاکٹر تک پہنچی ...... اپنا تعارف کروایا اور جمشید کے بارے میں پوچھا تو ڈاکٹر نے کہا ''سوری مسز جمشید ...... ہم نے آپ کے شوہر کو بچانے کی بہت کوشش کی مگر خدا کی یہی مرضی تھی۔ آپ اپنے والدین یا کسی عزیز کو بلوا لیں تاکہ ڈیڈ باڈی پوسٹمارٹم کے بعد آپ کے حوالے کی جا سکے ...... وارڈ بوائے علینہ کو لے کر کوریڈور تک گیا جہاں خون میں لت پت جمشید کو مردہ حالت میں چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ وارڈ بوائے نے چہرے سے کپڑا ہٹایا جس پر خون کی دھاریاں اور مٹی کے ذرّات جم چکے تھے۔ علینہ نے تو کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہر دم مستعد اور ہشاش بشاش رہنے والا زندہ دل جمشید اتنی جلدی اسے تنہا چھوڑ جائے گا ...... فون کر کے اس نے جمشید کے بھائی کو اطلاع دی ...... وہ پہنچا تو اس نے بتایا کہ آفس سے نکلنے سے پہلے جمشید نے فون کر کے اس سے کہا تھا کہ کام زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ کچھ لیٹ بنک سے نکل رہا ہے۔ مگر وہ جلدی پہنچ جائے گا ...... یقیناً یہ حادثہ تیز رفتاری کے باعث پیش آیا تھا، کیونکہ وہ جلدی جلدی اس تقریب میں شریک ہونا

چاہتا تھا جو اس کے بھائی نے ویک اینڈ پر پتنگ بازی، گانے اور رات کے پُر تکلف کھانے کی صورت میں اپنے گھر پر ارینج کی تھی۔

علینہ کی تو دنیا ہی اُجڑ گئی ......ایک مشرقی لڑکی کے لئے اس کے شوہر کی ذات ہی خوشیوں کا سب سے بڑا منبع ہوتی ہے ...... کیا ایک اچھے شوہر کا مل جانا ہی خوش قسمتی کی بات نہیں ہوتی......؟ کیا اس کے بعد بھی اسے کسی اور خوش قسمتی کی ضرورت تھی؟ ایسے کئی سوال آج تک اس کے ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کا گھر اجڑ چکا ہے......وہ دو سالوں سے ہر پتنگ باز کو دیکھ کر دہل سی جاتی ہے کہ کہیں اس کی بیوی بھی اسی انجام سے دوچار نہ ہو جائے۔ جہاں 'جشن بہاراں' خزاں جیسا ویران دکھائی دیتا ہے......!!!

جشن بہاراں کتنے گھروں میں موت کی ویرانیاں اتار دیتا ہے......کتنی ستارہ آنکھوں سے خواب چھین لیتا ہے اور کتنی زندگیوں سے بہاریں نوچ کر عمر بھر کی خزائیں ان کے مقدر میں لکھ دیتا ہے۔اسکا اندازہ مشکل نہیں کہ ہر روز کے اخبارات میں تواتر سے ایسی خبریں چھپتی رہتی ہیں۔

تین چار ماہ پہلے حکومت نے اس جان لیوا کھیل (پتنگ بازی) پر پابندی لگائی تو عوام الناس نے سُکھ کا سانس لیا کہ اب خونی واقعات کے ساتھ ساتھ بجلی کی ٹرپنگ اور پانی کی بندش سے بھی نجات مل گئی تھی......مگر گذشتہ دنوں جب حکومت نے ۲۰ جنوری سے ۲۰ فروری ۲۰۰۴ء تک پتنگ بازی سے پابندی اٹھانے کا اعلان کیا تو اکثر حلقوں اور بالخصوص خواتین نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے خدشات دہرائے کہ اب کے بار موسم سرما کے رخصت ہونے اور سرسوں کے پھول کھل اٹھنے پر منائی جانے والی خوشیاں کہیں ان کی زندگی میں غموں کے طوفان نہ بھر دیں ......اور یہ خدشات کچھ غلط بھی نہیں صرف گذشتہ تین سالوں کے ''جشن بہاراں'' کے دوران ہونے والے کچھ اور دلخراش واقعات کی تفصیل یوں ہے جن سے عورتوں کی گودیں اُجڑیں، گھر ویران ہوئے اور عمر بھر کے آنسو اِن کا مقدر بن گئے۔

ایک اندازے کے مطابق ۲۰۰۰ء میں صرف بسنت کے دن اور رات میں ۱۰۰ سے زائد افراد چھتوں سے گر کر یا گاڑیوں سے ٹکرا کر زخمی ہوئے اور ہسپتالوں میں پہنچ گئے۔ جبکہ نارنگ

منڈی کے رفیق رحمانی کا بچہ عین اپنی تیسری سالگرہ کے موقع پر بسنت مناتے ہوئے مکان کی چھت پر سے ابلتے ہوئے پانی کی کڑاہی میں گر کر جاں بحق ہوگیا جس سے خوشیوں بھرا گھرانہ آن کی آن میں ماتم کدہ بن گیا۔ والدین پر سکتہ طاری ہوگیا۔ بتایا جاتا ہے کہ تین سالہ بچے کی سالگرہ منانے کے لئے مہمانوں کی آمد جاری تھی اور تواضع کے لئے کھانے تیار کئے جارہے تھے، گھر جھنڈیوں اور غباروں سے سجا تھا۔ بچے کے لئے سالگرہ کا خصوصی لباس تیار کروایا جارہا تھا کہ وہ چھت سے کڑاہی میں گر گیا ...... اسے تشویشناک حالت میں ہسپتال لے جایا جارہا تھا مگر وہ جانبر نہ ہوسکا...... پھر غمزدہ ماں جب دیوانگی کے عالم میں مردہ بچے کا ہاتھ پکڑ کر سالگرہ کا کیک کاٹنے لگی تو کوئی بھی اپنے آنسو ضبط نہ کرسکا۔

۲۰۰۱ء میں بلال گنج لاہور کے رہائشی ۱۱ سالہ چاند اور داتا نگر کے ۱۰ سالہ توقیر کو کٹی پتنگ لوٹتے ہوئے شدید زخمی حالت میں ہسپتال لے جایا گیا مگر وہ زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسے۔ ان کی بہنیں مائیں آج بھی ان کی تصویریں ہاتھ میں پکڑ کر روتی ہیں کہ ہر بسنت اور آسمان پر اڑتی ہر پتنگ دیکھ کر ان کے زخم ہرے ہوجاتے ہیں۔ اسی سال بسنت کے روز کریم پارک لاہور کی ۵ سالہ بچی فروا نوید، مصری شاہ لاہور کا ۱۵ سالہ ظہیر عباس، لال حویلی کا ۱۷ سالہ محسن اور وسن پورہ لاہور کا ۱۴ سالہ عبدالمجید چھت پر پتنگ بازی کے دوران کرنٹ لگنے سے ہلاک ہوئے جبکہ ۳۰ سالہ عبدل شاہ اندھی گولی کا نشانہ بن گیا۔

۲۰۰۲ء میں سکیم موڑ لاہور کا ۱۶ سالہ لڑکا جاوید پتنگ بازی کرتے ہوئے دھاتی ڈور بجلی کے تاروں کو چھو جانے کے بعد کرنٹ لگنے سے جھلس گیا اور فیصل ٹاؤن کا نوجوان ندیم چھت سے نیچے آتے ہوئے سیڑھیوں سے پھسل کر ہلاک ہوگیا۔ شام نگر سانده کا ایک طالب علم چھت کی منڈیر سے پاؤں پھسل جانے سے صحن میں گرا اور دم توڑ گیا جبکہ شاہدرہ کا عدنان پتنگ بازی کے دوران ہمسایہ کی فائرنگ کی زد میں آ گیا۔

۲۰۰۳ء میں صوبائی دارالحکومت میں ۱۰ جانیں بسنت کی نذر ہوئیں جبکہ ۳۰۰ سے زائد افراد زخمی ہوکر اور اندھی گولیوں کا نشانہ بن کر ہسپتالوں میں پہنچے۔ سانده کا افضل پتنگ لوٹتے

ہوئے چھت سے پھسل کر گرا، مصری شاہ کا عقیل احمد اور رائے ونڈ کا خالد چھت سے گر کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ شاہدرہ میں جی ٹی روڈ پر پتنگ لوٹتے ہوئے ادھیڑ عمر شخص ٹرک تلے آ کر ہلاک ہوگیا، جبکہ قلعہ چھمن سنگھ میں ۱۲ سالہ لڑکا امام دھاتی ڈور والی پتنگ پکڑتے ہوئے کرنٹ لگنے سے لقمہ اجل بن گیا۔ وسن پورہ کا نوجوان ناصر احمد بھی پتنگ لوٹنے کی کوشش میں چھت سے گر کر جبکہ شفیق آباد کا ۲۰ سالہ عمران دھاتی ڈور والی پتنگ پکڑتے ہوئے کرنٹ لگنے سے چل بسا۔ داروغہ والا کا بچہ احسن پتنگ لوٹتے ہوئے بس تلے کچلا گیا، جبکہ مانگا منڈی کا وارث اس کوشش میں ٹریکٹر تلے آ کر ہلاک ہوگیا۔ بسنت کی تقریب میں شرکت کے لئے جانے والا نوجوان تیمور مال روڈ پر ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہوگیا جبکہ ٹاؤن شپ لاہور میں بسنت نائٹ پر آگ لگنے سے جھلس کر ہلاک ہونے والے دو بچے حبیب اور دانش دم توڑ گئے۔

پتنگ بازی چونکہ پابندی سے پہلے بسنت کے بعد بھی جاری رہتی جس سے پتنگ بازوں کے علاوہ عام شہریوں کی زندگیاں بھی محفوظ نہیں تھیں۔ بالخصوص موٹر سائیکل، سکوٹر اور سائیکل سوار کے اہل خانہ کسی بھی وقت المیے سے دوچار ہو جاتے۔ جولائی ۲۰۰۳ء میں اکیڈمی سے موٹر سائیکل پر گھر واپس جانے والا ۱۴ سالہ طالب علم حسنین کی گردن پر کٹی پتنگ کی ڈور پھر جانے سے اس کی شہ رگ کٹ گئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی مدد کو آتا وہ کلمہ چوک کے قریب جان جان آفرین کے سپرد کر چکا تھا...... لاش گھر پہنچی تو کہرام مچ گیا...... وہ میٹرک کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا اور ماں بہنیں جنہوں نے اس کے تابناک مستقبل کے حوالے سے کئی خواب دیکھ رکھے تھے، اس کی کتابیں ہاتھ میں لئے بے بسی سے آنسو بہاتی رہیں۔ جوان بیٹوں کے لاشے وصول کرنا آسان نہیں ہوتا ادھیڑ عمر ماں لاش سے لپٹ کر دیر تک روتی رہی۔

جولائی ۲۰۰۳ء کے صرف ایک ہفتے میں تین افراد قاتل ڈور کا شکار ہوئے۔ دھوبی گھاٹ لاہور کا ۲۲ سالہ حافظ قرآن سعید علی بھی قاتل ڈور کا شکار ہوا۔ وہ ٹائروں کی پرائیوٹ کمپنی میں کام کرتا تھا، حالات کی تنگی کی وجہ سے وہ صبح کے وقت اخبار فروشی کا کام کرتا۔ روزانہ صبح سویرے اخبار مارکیٹ کے لئے نکل جاتا اور اخبارات فروخت کرنے کے بعد گھر لوٹتا۔ ایک

روز وہ لیٹ ہوگیا اور اپنے بھائی کی موٹر سائیکل پر اخبار مارکیٹ کے لئے روانہ ہوا۔ جب وہ لکشمی چوک کے قریب پہنچا تو اسے کٹی پتنگ کی ڈور نے آ لیا...... صبح کے ملگجے اندھیرے میں اردگرد افراد بھی کم تھے...... سو اس نے وہیں تڑپ تڑپ کر جان دے دی...... گھر پر نعش پہنچی تو صف ماتم بچھ گئی...... ماں کی حالت کیا ہوئی ہوگی یہ سمجھنا مشکل نہیں......!

چائنہ سکیم لاہور کا ۵۵ سالہ ناصر بھی جولائی ۲۰۰۳ء میں ہی قاتل ڈور کی بھینٹ چڑھا۔ کوریئر سروس میں ملازم ناصر رات کی ڈیوٹی کرنے کے بعد موٹر سائیکل پر گڑھی شاہو پل سے گزر رہا تھا کہ ڈور گلے میں پھر گئی۔ شہ رگ سے خون کا فوارہ اچھلا، پھر سڑک پر تیزی سے بہنے لگا اور......!!

گذشتہ سال عید میلاد النبیؐ کے روز مکھن پورا کا رہائشی مبین شاہد اپنی اہلیہ اور تین سالہ بیٹے فہیم کے ساتھ موٹر سائیکل پر سوار ہوکر سسرال جا رہا تھا کہ اچانک مزنگ کے قریب فہیم خون میں لت پت ہوگیا دونوں میاں بیوی وحشت سے چیخ و پکار کرنے لگے تو علم ہوا کہ ڈور بچے کی شہ رگ کاٹ چکی ہے۔ چند لمحوں کے اندر اندر فہیم نے باپ کی گود میں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

۹ جنوری ۲۰۰۴ء کو فیکٹری ایریا چونگی امر سدھو کا ۱۰ سالہ پتنگ باز محمد زاہد تیسری منزل سے قلابازیاں کھاتا ہوا زمین پر آ رہا اور اپنے بازو اور ٹانگیں تڑوا بیٹھا۔ جنوری میں ہی فائرنگ، آتش بازی، ہلڑ بازی، لڑائی جھگڑے اور چھتوں سے گر کر ۹ شہری ہسپتال پہنچ گئے، جن میں لوئر مال کا ۲۲ سالہ ثاقب، شاد باغ کا ۱۵ سالہ سہیل اور گوالمنڈی کا ۱۶ سالہ امجد شامل ہیں۔

قاتل ڈور سے شہ رگ کٹنے کے واقعات کے تسلسل نے جہاں معصوم اور زندگی سے محبت کرنے والے شہریوں کو موت کے اندھیروں میں دھکیل دیا، وہاں صرف ۲۰۰۱ء میں لیسکو ترجمان کے مطابق بسنت کی رات ۱۶ بڑی ٹرپنگ (۲۰ منٹ سے زائد) اور ۴۴۹ چھوٹی ٹرپنگ (۲۰ منٹ سے کم) ریکارڈ کی گئی...... بجلی کی بار بار ٹرپنگ جہاں عام شہریوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہاں لائن مینوں پر کام کا بوجھ بھی بڑھ جاتا ہے۔ گذشتہ برس قربان

حسین لائن میں شملہ پہاڑی سب ڈویژن نے ایسی ہی ڈیوٹی ادا کرتے ہوئے جان دے دی۔ اس کے دو بچے قرآن مجید حفظ کررہے تھے۔ قلعہ محمدی سب ڈویژن کے لائن مین یاسرعرفات کا پورا جسم فرض کی انجام دہی کے دوران بجلی کا شاک لگنے کی وجہ سے معذور ہوگیا ......کیا ایسے کارکنوں کی جان اور صحت واپس آسکتی ہے ...... کہ ان کے اہل خانہ کے لئے زندگی ایک جبر مسلسل بن کر رہ گئی ہے۔

جان لیوا کھیل پتنگ بازی کو 'جشن بہاراں' کہہ کر اس کے حق میں جتنی بھی دلیلیں دی جائیں خوبصورت ، فیشن ایبل عورتیں اور مرد اسے جتنا بھی بے ضرر اور صرف خوشگوار موسم کو خوش آمدید کہنے کا ایک ذریعہ قرار دیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس موقع پر ہونے والی پتنگ بازی، موسیقی کی محفلیں، بھنگڑے، ناچ گانے، دھماچوکڑی،شورشرابہ، تیز میوزک اور خواتین پر فقرے بازی کسی بھی طرح درست قرارنہیں دی جاسکتی......اس سے ملک کی سماجی وثقافتی اقدار کی بے حرمتی ہوتی ہے، نوجوان نسل عیش وعشرت اور ملے گلے کی عادی ہوجاتی ہے۔ چند ماڈرن عورتوں کے علاوہ عام عورت شورشرابے، بجلی کی بار بار ٹرپنگ اور اوباش نوجوانوں کی فقرے بازی کے ہاتھوں ذہنی اذیت کا شکار ہوتی ہے۔ مکانوں کی چھتوں پر اخلاقی اقدار کو پامال کرتے قوم کے نوجوانوں کا لچرپن حد سے بڑھ جاتا ہے جبکہ بہت سی معصوم عورتوں اور بچوں کو باپ بھائی بیٹے اور شوہر کی موت یا معذوری کی صورت میں حادثات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا قوم کے نوجوانوں کی توجہ عیش پرستی اور میلوں ٹھیلوں کی بجائے ایسی ہی پرکشش ترغیبات دے کر محنت، ترقی کی لگن اور علم کے حصول کی جانب مبذول نہیں کروائی جاسکتی ......تاکہ گھروں میں آٹے کے خالی کنستر اور بجھتے چولہوں کے باعث خوش کشیوں کی تعداد میں کمی ہوسکے ......؟؟ کیا آج کی مائیں اسی لئے بیٹوں کو جنم دے رہی ہیں کہ وہ ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے کی بجائے 'جشن بہاراں' کا ایندھن بن سکیں......؟؟

[خواتین ایڈیشن روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور
مؤرخہ:۱۹رجنوری ۲۰۰۴ء تحریر: رفیعہ ناہید پاشا]

قاتل بسنت

راقم الحروف نے فروری ۲۰۰۱ء میں تین سالہ 'شہیدِ بسنت' عبداللہ یاسر کی شہ رگ سے بہتے لہو میں اپنا خونِ جگر شامل کر کے یہ تاثراتی مضمون تحریر کیا تھا جو اس وقت روزنامہ 'انصاف'، روزنامہ 'دن' اور روزنامہ 'پاکستان' میں شائع ہوا تھا۔ گزشتہ تین برسوں میں پتنگ کی قاتلانہ ڈور کا شکار ہونے والے بچوں اور نوجوانوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔

قارئین عبداللہ یاسر کے متعلق اس مضمون کو پھر شہیدِ بسنت کا نوحہ سمجھتے ہوئے مطالعہ کریں۔ (ع۔ص)

ایک گستاخِ رسول ہندو نوجوان حقیقت رائے دھرمی کی یاد میں آج سے تقریباً دو سو سال پہلے شروع ہونے والا بسنت کا تہوار اب محض تفریح نہیں رہا بلکہ اپنی تباہ کاریوں کے اعتبار سے 'قاتل بسنت' کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اخبارات میں بسنت کے نتیجہ میں ہونے والی قیمتی جانوں کے ضیاع کی لرزہ خیز خبریں شائع ہو رہی ہیں۔ مؤرخہ ۱۲/فروری ۲۰۰۱ء کے قومی اخبارات میں مختلف واقعات میں تین اَموات رپورٹ ہوئی ہیں۔ پہلی خبر ایک تین سالہ معصوم بچے کی ہے جو پتنگ کی ڈور سے شہ رگ کٹنے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ تفصیلات کے مطابق نیو اسلامیہ پارک کا رہائشی اشفاق احمد اپنے دوست کی عیادت کر کے گھر واپس آ رہا تھا اور تین سالہ عبداللہ یاسر موٹر سائیکل کی ٹینکی پر بیٹھا تھا کہ کٹی پتنگ کی تیز دھار ڈور نے اس کی زندگی کی ڈور کاٹ دی۔ معصوم بچہ اپنے باپ کی گود میں تڑپ تڑپ کر دم توڑ گیا۔ بدنصیب باپ اپنے لختِ جگر کی کٹی ہوئی شہ رگ سے بہتے لہو کو ہاتھ رکھ کر روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ بچے کو شیخ زید ہسپتال لایا گیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکا۔ معصوم عبداللہ یاسر کی لاش گھر پہنچی تو وہاں کہرام برپا ہو گیا۔ (روزنامہ نوائے وقت، جنگ، انصاف: ۱۲/فروری ۲۰۰۱ء)

بچے کی والدہ صبیحہ بیگم جو انتہائی متقی اور پارسا خاتون ہیں اور محلے کی بچیوں کو فارغ اَوقات میں قرآن وحدیث کی تعلیم دیتی ہیں، اچانک اپنے لختِ جگر کی اس حادثاتی موت کا سن کر حواس باختہ ہوگئیں۔ بدقسمت ماں کی آہ وزاری اور بین ڈالنے کا آنکھوں دیکھا حال ایک قریبی ہمسائے پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد فاروق نے راقم الحروف کو سنایا تو رنج والم کی شدید لہر جسم وجاں پر لرزہ طاری کرگئی۔

❁ ایک اور خبر کے مطابق عوامی کالونی کوٹ لکھپت میں ۱۸ سالہ محنت کش نوجوان شہزاد حسین چھت پر اندھی گولی لگنے سے ہلاک ہوگیا۔شہزاد حسین چھت پر ڈربے میں کبوتر بند کررہا تھا، اس وقت مختلف اَطراف پر پتنگ باز ہوائی فائرنگ کررہے تھے۔نامعلوم طرف سے آنے والی گولی اس کو آ لگی جس سے وہ شدید زخمی ہوگیا، اسے جنرل ہسپتال لے جایا گیا مگر وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گیا۔(نوائے وقت، جنگ، ۱۲رفروری ۲۰۰۱ء)

❁ ۱۲ فروری کے ہی روزنامہ 'جنگ' میں ایک اور ہولناک خبر بھی شائع ہوئی۔تفصیلات کے مطابق اعظم مارکیٹ میں دکان کی چھت پر پتنگ پکڑتے ہوئے ۱۶ سالہ شہزاد آصف کرنٹ لگنے سے ہلاک ہوگیا۔شہزاد آصف جو اپنے گھر کا واحد کفیل تھا، اعظم مارکیٹ میں ایک دکان پر ملازم تھا۔ وہ چھت پر بلب لگا رہا تھا کہ ایک پتنگ وہاں آ گری، اس نے پتنگ کی ڈور پکڑی تو وہ دھاتی تار تھی جو بجلی کی تاروں میں الجھی ہوئی تھی۔

مندرجہ بالا واقعات تو وہ ہیں جو صرف ایک دن کے اخبارات میں شائع ہوئے ہیں۔ بسنت کے دنوں میں ہونے والے واقعات کے اجتماعی اَعدادوشمار کو جمع کیا جائے تو یہ سینکڑوں میں ہوں گے۔ بہت سے واقعات کا اخبارات میں شائع نہ ہونا بھی خارج از مکان نہیں۔ علاوہ ازیں بسنت کے تہوار میں زخمی ہونے والوں کا تو حساب ہی نہیں رکھا جاتا۔ اندرونِ شہر لاہور شاید ہی کوئی گلی یا محلّہ ہوگا جہاں اس طرح کے حادثات رونما نہ ہوتے ہوں۔ پاکستان کے دیگر شہروں میں بسنت کی وبا کافی پھیل چکی ہے، وہاں بھی صورتحال اس سے زیادہ مختلف نہیں ہے!!

مذکورہ تین واقعات کی خبروں کے ساتھ ساتھ اَخبارات نے یہ بھی رپورٹ کیا ہے کہ ان علاقوں کے رہائشیوں نے احتجاجی جلوس نکالے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ بسنت کے تہوار پر پابندی لگائے۔ معصوم یاسر عبداللہ کے والد محمد اشفاق نے حکومت سے دردمندانہ اپیل کی ہے کہ اس غیر اسلامی تہوار پر پابندی عائد کی جائے۔ مگر بے بس شہریوں اور مظلوم والدین کی فریادیں سننے کا کس کے پاس وقت ہے؟ جس شہر میں حکومتی سرپرستی میں بسنت کا اہتمام جوش وخروش سے کیا جارہا ہو، وہاں قتل کی ایسی وارداتوں پر صدائے احتجاج بلند کرنے کے علاوہ آخر کیا کیا جاسکتا ہے؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ معصوم یاسر عبداللہ کا خون کس کی گردن پر ہے؟ محنت کش نوجوان شہزاد کے مظلوم اہل خانہ کس کے ہاتھ پر خون تلاش کریں؟ دھاتی ڈور کے ذریعے کرنٹ لگنے سے جاں بحق ہونے والے جواں سال کی ہلاکت کا ذمہ دار کون ہے؟ ۶۰ لاکھ آبادی کے اس شہر میں کیا کوئی یہ اخلاقی جرأت رکھتا ہے کہ وہ بے گناہ شہریوں کی قتل وغارت کے ان واقعات کی ذمہ داری قبول کرے۔ یہ درست ہے کہ حکومت کے کسی ذمہ دار فرد کے ہاتھوں یہ ہلاکتیں نہیں ہوئیں، مگر شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری حکومت کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ اس لئے اربابِ بست وکشاد اپنے آپ کو ایسے معاملات میں بری الذمہ کیسے قرار دے سکتے ہیں؟ حکومتی ذمہ داران کی طرف سے گذشتہ کئی برسوں سے پتنگ بازی کے دوران دھاتی ڈور استعمال کرنے والوں کے خلاف سخت اِقدامات کا اعلان کیا جاتا رہا ہے، مگر ان اعلانات کا بے ضمیر پتنگ بازوں پر اتنا بھی اثر نہیں ہوا، جتنا اثر کسی کے کان پر جوں رینگنے سے ہوتا ہے۔ شہر لاہور کے گلی بازاروں میں دھاتی ڈوریں بنائی جاتی ہیں، ان قاتل ڈوروں پر پابندی تو درکنار، ان کے بنانے والوں سے مؤثر باز پرس تک نہیں کی جاتی۔ جب کوئی حادثہ ہوتا ہے، تو قانون نافذ کرنے والے اِدارے حرکت میں آتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان المناک حادثات کے وقوع پذیر ہونے کا انتظار کیوں کیا جاتا ہے؟ خودکار اسلحہ سے فائرنگ ہمیشہ سے ایک غیر قانونی عمل قرار دیا جاتا رہا ہے۔ تقریباً تمام حکومتیں جرائم پیشہ افراد سے اسلحہ واپس

چھیننے کی مہم برپا کرتی رہی ہیں، مگر بسنت کے تہوار پر تو ایسا لگتا ہے جیسے ہر دوسرے گھر میں فائرنگ ہو رہی ہے۔ جس ملک میں اَسلحہ کی نمائش بھی غیر قانونی ہو، تعجب ہے وہاں ایک صوبائی صدر مقام میں اس قدر دھڑلے سے فائرنگ بازی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ لاہور شہر میں پورے پنجاب کی تقریباً ایک تہائی (تقریباً ۲۰ ہزار) پولیس فورس تعینات ہے، اس قدر کثیر پولیس فورس اگر آہنی عزم کے ساتھ اس فائرنگ کے ذمہ دار افراد کو گرفتار کرنا چاہے تو یہ امر مشکل نہیں ہونا چاہئے۔ مگر معاملہ پولیس فورس کی کثرت یا قلت کا نہیں ہے، اصل معاملہ یہ ہے کہ امن و امان کو قائم رکھنے کے ذمہ داروں میں بسنت جیسے تہواروں کی ہلاکت انگیزی کا صحیح احساس نہیں پایا جاتا۔ وہ شاید اب تک اسے محض ایک موسمی تہوار سمجھتے ہوئے عوامی تفریح میں عدمِ مداخلت کی پالیسی پر گامزن ہیں۔ سمگلروں اور جرائم پیشہ افراد کی گرفتاری کے لئے تربیت یافتہ پولیس اور دیگر ایجنسیاں آخر دھاتی ڈور بنانے والے مجرمانہ ذہنیت کے حامل اَفراد کو ڈھونڈ نکالنے میں مایوس کن حد تک ناکامی کا شکار کیوں ہیں؟

اس بارے میں دو آراء نہیں ہوسکتیں کہ بسنت کا تہوار بے گناہ شہریوں کی زندگیوں کے لئے ایک لٹکتی تلوار ہے جو کسی بھی وقت کسی بھی بے گناہ کا گلا کاٹ سکتی ہے۔ جس محلے کی ہر چھت پر گڈی اڑائی جارہی ہو، وہاں اہل محلّہ کی گردنیں ہمیشہ غیر محفوظ ہی رہتی ہیں۔ جہاں ہر طرف سے فائرنگ کی تڑتڑاہٹ سنائی دے رہی ہو، وہاں کوئی بھی شخص کسی بھی لمحے بسنت کی بھینٹ چڑھ سکتا ہے۔

یہ ایک عام اُصول ہے کہ جہاں حکومت بے عملی کا شکار ہوتی ہے، لوگ آگے بڑھ کر اقدامات کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ توہین رسالت ﷺ پر مبنی ایک خط کی اشاعت کے بعد حال ہی میں پشاور میں فرنٹیر پوسٹ کے خلاف جو شدید عوامی ردّعمل ظاہر ہوا، اس کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ ایسے واقعات کے ذمہ داران کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جاتا رہا ہے۔ بسنت کے تہوار کے متعلق بھی عوامی غیظ وغضب کسی بھی وقت لاوا بن کر سامنے آ سکتا ہے۔ عدم تحفظ کا شکار عوام عملی اقدامات اٹھانے پر مجبور ہو سکتے ہیں۔

دنیا کا کوئی ملک ایک ثقافتی تہوار کے نام پر کسی بھی گروہ کو عوام کی زندگیوں سے یوں کھیلنے اور ہلڑ بازی مچانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ پاکستان تو ایک اسلامی ریاست ہے، کسی سیکولر ریاست میں بھی اس طرح کی بدنظمی، فائرنگ اور دھاتی ڈور کے استعمال کی اجازت دینے یا اس سے چشم پوشی کرنے کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ جس طریقے سے آزادئ اظہار اور آزادئ عمل لامحدود نہیں ہے، اس طرح تفریح منانے کی لامحدود 'آزادی' دینے کا کوئی ملک متحمل نہیں ہوسکتا۔ جان سٹورٹ مل نے بہت ٹھیک کہا تھا کہ ایک فرد کو اپنا ہاتھ پھیلانے کی محض اس حد تک آزادی ہے کہ اس کا ہاتھ دوسرے فرد کی ناک کو نہ چھوئے۔ جدید مہذب معاشروں میں کسی ایسی تفریح کو گوارا نہیں کیا جاتا جو دوسرے شہریوں کی زندگی کو عذاب یا اجیرن بنا دے۔ امریکہ اور یورپ میں شراب پینے پر پابندی نہیں ہے مگر وہاں اگر کوئی شرابی گلی محلے میں آ کر غل غپاڑہ برپا کرے تو اسے فوراً گرفتار کرلیا جاتا ہے اور امن عامہ میں خلل اندازی کرنے کے جرم پر اسے مقدمہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں پتنگ باز ساری رات مجنونانہ فائرنگ کرکے اپنے آس پاس کے علاقوں میں ایک دہشت اور خوف کی فضا برپا کردیتے ہیں، ان کی ہلڑ بازی سے کوئی شریف آدمی سکون کی نیند نہیں سوسکتا، مگر ان کی اس غیر اخلاقی اور غیر قانون ہلڑ بازی کا نوٹس نہیں لیا جاتا۔

ہمارے اَخبارات کو بھی عوام کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینا چاہئے۔ قومی پریس میں بسنت کے خلاف بھی اس مرتبہ بہت کچھ شائع ہوا ہے۔ روزنامہ 'نوائے وقت' میں ۹ فروری کو جنرل (ریٹائرڈ) جاوید ناصر کی طرف سے قوم کے نام اپیل شائع ہوئی کہ ''لوگو! بسنت منا کر خدا کو مزید ناراض نہ کرو......'' اخبارات میں یہ بھی خبر شائع ہوئی کہ ٹریک ٹو ڈپلومیسی میں بسنت کا تہوار بھی شامل کرلیا گیا ہے۔ بھارت کا ایک غیر سرکاری وفد بسنت کے موقع پر لاہور آرہا ہے۔ بھارتی اداکاروں کو بھی بسنت کے تہوار میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ نوائے وقت نے ۱۰ر فروری کے اداراتی نوٹ میں تحریر کیا کہ

''یہ امر محبانِ آزادئ کشمیر کے لئے باعث رنج ہوگا کہ بسنت جیسے ہندوانہ تہوار کو مسئلہ

کشمیر پر مذاکرات کے لئے ٹریک ٹو پالیسی سے جوڑ دیا جائے۔ قومی اور دینی غیرت کا تقاضا ہے کہ اس موقع پر ہندوؤں اور سکھوں کو دعوت نہ دیں، رقص و سرود اور ناؤ ونوش کی محفلیں نہ سجائیں۔ بسنت کے حوالہ سے یہ جان کر اور بھی افسوس ہوتا ہے کہ اسے تہوار کا درجہ دے کر منانے اور غیر اخلاقی حرکات کو تقریباتی انداز دینے میں حکومت وقت بھی دامے، درمے، قدمے، سخنے شامل ہے۔ پاکستان کے غیور عوام اور افواجِ پاکستان ایک شاتم رسول کی یاد میں منائے جانے والے ہندوؤں کے تہوار کو منانے کی حوصلہ شکنی کریں۔''

اگر ہمارے تمام قومی اخبارات بسنت کے خلاف اسی نیک جذبہ کے تحت مہم چلائیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس مکروہ اور ناپسندیدہ تہوار کی حوصلہ شکنی نہ کی جاسکے۔ ممکن ہے ایسی ابلاغی مہم کا ایک مخصوص طبقے پر کچھ اثر نہ ہو جس نے لہو ولعب اور جنس پرستی کے اظہار کے لئے بسنت جیسے تہواروں کو آڑ بنایا ہوا ہے، البتہ عوام کی کثیر تعداد کو جب پتہ چلے گا کہ بسنت کا تہوار ایک گستاخِ رسول کی یاد میں منایا جاتا ہے، تو ان کی دینی حمیت سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اس تہوار میں جوش وخروش سے شریک ہوں۔ مگر اخبارات کی طرف سے اس طرح کی عوامی اپیل اس وقت غیر مؤثر ہوجاتی ہیں، جب انہی اخبارات کے صفحات پر بسنتی لباس پہنے، ہاتھوں میں پتنگ لئے ہوئے عورتوں کی قد آدم تصاویر چھپتی ہیں۔ عوام تو ایک طرف خود اخبارات کے خواتین ایڈیشن اور فلمی ایڈیشن کے انچارج اس دردمندانہ اپیل پر عمل کرلیں تو اخبارات کے ذریعے بسنت کے متعلق پھیلنے والے جنون میں کمی لائی جاسکتی ہے۔

۱۲ فروری کے نوائے وقت کے خواتین ایڈیشن میں 'بدلتا موسم؛ بسنتی پہناوے' کے عنوان سے تصویری فیچر شائع ہوا ہے۔ شاید خواتین ایڈیشن کے انچارج کی نگاہ سے نوائے وقت کا مذکورہ بالا ادارتی نوٹ نہیں گذرا۔ مگر اس کے باوجود راقم الحروف نوائے وقت کی طرف سے مذکورہ ادارتی نوٹ کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے کیونکہ اس سے بسنت کے تہوار کا تاریخی پس منظر تو قارئین کو معلوم ہوا ہے۔ جو لوگ محض ادارتی نوٹ پڑھنے کے عادی ہیں اور خواتین ایڈیشن کو نہیں پڑھتے، وہ اس کا مثبت اثر ضرور قبول کریں گے۔

اب وقت آگیا ہے کہ حکومت عوامی رائے کا احترام کرتے ہوئے بسنت کے تہوار کے

موقع پر لوگوں کی زندگیوں کے تحفظ کی ذمہ داریاں نبھائے۔ اگر کسی بھی وجہ سے حکومت اس ہندووانہ تہوار پر مکمل پابندی نہیں عائد کرسکتی ،تو کم از کم اس کے بھیانک نتائج میں کمی لانے کے لئے مناسب قانون سازی اور مؤثر اقدامات تو اٹھاسکتی ہے۔اس کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ گنجان آبادیوں میں، گلی محلوں میں چھتوں پر پتنگ بازی پر پابندی عائد کردی جائے۔ پتنگ بازی کی اجازت محض کھلے میدانوں، پارکوں میں ہونی چاہیئے جہاں پتنگ کی ڈور کے بجلی کی تاروں میں الجھنے کا خدشہ نہ پایا جاتا ہواور جہاں سے کسی اندھی گولی کے لگنے کا امکان نہ ہو۔حکومت کو چاہیئے کہ بسنت کے موقع پر فائرنگ کرنے والوں کے ساتھ آہنی ہاتھ سے نمٹے۔ دھات کی ڈور تیار کرنے والوں کو گرفتار کرکے سزائیں دی جائیں، اس معاملے میں اگر نئی قانون سازی کی ضرورت پیش آئے تو ایسا ضرور کیا جائے۔حکومتی ذرائع ابلاغ میں بسنت کے تاریخی پس منظر کو بیان کیا جائے اور لوگوں کی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ بسنت کے تہوار کے متعلق سرکاری سرپرستی کے تصور کو ختم کیا جائے ۔اس سال بسنت کے متعلق پہلے سے زیادہ جوش وخروش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گذشتہ برس لاہور میں بسنت سرکاری سرپرستی میں منائی گئی تھی۔سرکاری اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں بسنت منانے پر پابندی عائد کی جائے۔اہل حکومت کو اب احساس ہوجانا چاہیئے کہ جنونیوں کو کنٹرول کرنے کے لئے محض اخلاقی ہدایات کافی نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا سطور میں حکومت سے جن اقدامات کے اٹھانے کی دردمندانہ گذارش کی گئی ہے، وہ 'کم از کم' کے زمرے میں آتے ہیں۔ اگر یہ ''کم از کم'' اقدامات بھی نہیں اٹھائے جاتے تو پھر یاسر عبداللہ جیسے معصوم بچوں کی شہ رگیں پتنگوں کی ڈور کی یونہی زد میں رہیں گی،شہزاد جیسے محنت کشوں کی پتنگ بازوں کی فائرنگ سے اموات کی خبریں یونہی شائع ہوتی رہیں گی اور صبیحہ بیگم جیسی بدنصیب ماؤں کی جھولیاں یونہی ویران ہوتی رہیں گی۔۱۲رفروری کے اخبارات کے صفحات ہماری اجتماعی بے ضمیری کا ایک روح فرسا نوحہ ہیں۔اگر ہم ایک زندہ قوم ہیں تو یہ ہماری قومی روح کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہونا چاہیئے !!

باب سوم

ویلن ٹائن ڈے

'ویلنٹائن ڈے' لفنگوں کا عالمی دن

مغربی ذرائع اَبلاغ کی تعلیمات و ہدایات کے زیراثر ہمارے ہاں تواتر سے طبقہ اشراف سے تعلق رکھنے والا ایک جنونی گروہ پروان چڑھ رہا ہے جس نے تہذیبِ مغرب کی بھونڈی نقالی کو ہی اپنا ایمان بنا رکھا ہے۔ اپنے آپ کو 'ماڈرن' سمجھنے اور دکھانے کا اُنہوں نے واحد اسلوب ہی یہ سمجھ رکھا ہے کہ اہل مغرب سال بھر میں جو جو تقریبات منائیں، ان کے قدم بہ قدم بلکہ سانس بہ سانس اس شاغلانہ ہنگامہ آرائی میں دیوانہ وار شامل ہوجائیں۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ آخر مغربی تہواروں کا پس منظر کیا ہے؟ ان کے لئے تو بس یہی امر ہی کافی ہے کہ وہ CNN یا کسی اور ذریعۂ اَبلاغ پر ایک جھلک دیکھ لیں یا معمولی سی خبر سن لیں کہ فلاں تاریخ کو مغرب کی جدید و جواں نسل کوئی تہوار منا رہی ہے۔ اس جدیدیت گزیدہ طبقہ کو تو تہوار منانے کا کوئی نہ کوئی بہانہ چاہئے۔

نہ یہ ہندوؤں کے دیوالی، ہولی اور بسنت کے تہواروں کو معاف کرتے ہیں، نہ عیسائیوں کے کرسمس یا دیگر تہواروں میں شریک ہونے میں کوئی عیب سمجھتے ہیں۔ بظاہر یہ مسلمانوں کی اولاد ہیں، لیکن مسلمانوں کے اصل تہوار یعنی عیدین کے موقعوں پر ان کے جذبات میں کوئی خاطر خواہ تحریک ہوتی ہے، نہ انہیں منانے میں انہیں کوئی لطف آتا ہے۔ بلکہ ان اسلامی تہواروں کو تو وہ 'عامی' مسلمانوں کا ہی تہوار سمجھتے ہیں جن میں شریک ہونا ان کی کھوکھلی اَشرافیت اور سطحی جدیدیت کے تقاضوں کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ ان شریف زادوں کے روشن دماغ میں یہ سوال کبھی نہیں اُبھرتا کہ 'گلوبل کلچر' میں ان کی شرکت یکطرفہ اور غلامانہ کیوں ہے؟ ......

تقریبات منانے کے شغل کو یہ وسعت ظرفی اور روشن خیالی سمجھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے ممدوح اہل مغرب سے بھی بڑھ کر وسیع المشرب اور روشن خیال ہیں، کیونکہ انہوں نے تو کبھی مسلمانوں کے تہواروں میں اس جوش وخروش سے حصہ نہیں لیا۔

جس 'ویلنٹائن ڈے' کو منا منا کر ہمارے بعض 'محبت کے متوالے' ہلکان ہوتے رہے ہیں، وہ 'تقریبِ شریف' تو اہل مغرب کے لئے بھی بدعتِ جدیدہ کا درجہ رکھتی ہے۔ ماضی میں یورپ میں بھی اس کو منانے والے نہ ہونے کے برابر تھے، اس دن کے متعلق مغربی ذرائع اَبلاغ بھی اس قدر حساس نہیں تھے۔ اگر یہ کوئی بہت اہم یا ہردلعزیز تہوار ہوتا تو انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں اس کا ذکر محض چار سطور پر مبنی نہ ہوتا، جہاں معمولی معمولی واقعات کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں سینٹ ویلنٹائن کے متعلق چند سطری تعارف کے بعد ویلنٹائن ڈے کے متعلق تذکرہ محض ان الفاظ میں ملتا ہے:

'سینٹ ویلنٹائن ڈے' کو آج کل جس طرح عاشقوں کے تہوار (Lover's Fesitival) کے طور پر منایا جاتا ہے یا ویلنٹائن کارڈز بھیجنے کی جونئی روایت چل نکلی ہے، اس کا سینٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق یا تو رومیوں کے دیوتا لوپر کالیا کے حوالہ سے پندرہ فروری کو منائے جانے والے تہوار بارآوری یا پرندوں کے 'ایامِ اختلاط' (Meating Season) سے ہے۔"

گویا اس مستند حوالہ کی کتاب کے مطابق اس دن کو سینٹ سے سرے سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ بعض رومانویت پسند ادیبوں نے جدت طرازی فرماتے ہوئے اس کو خواہ مخواہ سینٹ ویلنٹائن کے سر تھوپ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ نے ماضی میں کبھی بھی اس تہوار کو قومی یا ثقافتی تہوار کے طور پر قبول نہیں کیا۔ البتہ آج کے یورپ کے روایت شکن جنونیوں کا معاملہ الگ ہے۔

ایک اور انسائیکلو پیڈیا 'بک آف نالج' میں اس دن کے بارے میں نسبتاً زیادہ تفصیلات ملتی ہیں مگر وہ بھی تہائی صفحہ سے زیادہ نہیں ہیں۔ اس کی پہلی سطر ہی رومان انگیز ہے

''۱۴ر فروری محبوبوں کے لئے خاص دن ہے۔''

اس کے بعد وہی پرندوں کے اختلاط کا ملتا جلتا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے:

''ایک وقت تھا کہ اسے سال کا وہ وقت خیال کیا جاتا تھا جب پرندے صنفی مواصلت کا آغاز کرتے ہیں اور محبت کا دیوتا نوجوان مردوں اور عورتوں کے دلوں پر تیر برسا کر انہیں چھلنی کرتا ہے۔ بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ انکے مستقبل کی خوشیاں ویلنٹائن کے تہوار سے وابستہ ہیں''۔

اس انسائیکلوپیڈیا میں 'ویلنٹائن ڈے' کا تاریخی پس منظر یوں بیان کیا گیا ہے:

'ویلنٹائن ڈے' کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ اس کا آغاز ایک رومی تہوار لوپر کالیا (Luper Calia) کی صورت میں ہوا۔ قدیم رومی مرد اس تہوار کے موقع پر اپنی دوست لڑکیوں کے نام اپنی قمیصوں کی آستینوں پر لگا کر چلتے تھے۔ بعض اوقات یہ جوڑے تحائف کا تبادلہ بھی کرتے تھے۔ بعد میں جب اس تہوار کو سینٹ ویلنٹائن کے نام سے منایا جانے لگا تو اس کی بعض روایات کو برقرار رکھا گیا۔ اسے ہر اس فرد کے لئے اہم دن سمجھا جانے لگا جو رفیق یا رفیقۂ حیات کی تلاش میں تھا۔ سترہویں صدی کی ایک پراُمید دوشیزہ سے یہ بات منسوب ہے کہ اس نے ویلنٹائن والی شام کو سونے سے پہلے اپنے تکیے کے ساتھ پانچ پتے ٹانکے۔ اس کا خیال تھا کہ ایسا کرنے سے وہ خواب میں اپنے ہونے والے خاوند کو دیکھ سکے گی۔ بعد ازاں لوگوں نے تحائف کی جگہ ویلنٹائن کارڈز کا سلسلہ شروع کر دیا۔''

۱۴ر فروری کو سینٹ ویلنٹائن سے منسوب کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کے متعلق کوئی مستند حوالہ تو موجود نہیں ہے البتہ ایک غیر مستند خیالی داستان پائی جاتی ہے کہ تیسری صدی عیسوی میں روم میں ویلنٹائن نام کے ایک پادری تھے جو ایک راہبہ (Nun) کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر ہوئے۔ چونکہ عیسائیت میں راہبوں اور راہبات کے لئے نکاح ممنوع تھا اس لئے ایک دن ویلنٹائن صاحب نے اپنی معشوقہ کی تشفی کے لئے اسے بتایا کہ اسے خواب میں یہ بتایا گیا ہے کہ ۱۴ر فروری کا دن ایسا ہے کہ اس میں اگر کوئی راہب یا راہبہ صنفی ملاپ بھی کرلیں تو اسے گناہ نہیں سمجھا جائے گا۔ راہبہ نے ان پر یقین کیا اور دونوں جوشِ عشق میں یہ سب کچھ کر گزرے۔

کلیسا کی روایات کی یوں دھجیاں اُڑانے پر ان کا حشر وہی ہوا جو عموماً ہوا کرتا ہے یعنی انہیں قتل کردیا گیا۔ بعد میں کچھ منچلوں نے ویلنٹائن صاحب کو 'شہیدِ محبت' کے درجہ پر فائز کرتے ہوئے ان کی یاد میں دن منانا شروع کردیا۔ چرچ نے اس خرافات کی ہمیشہ مذمت کی اور اسے جنسی بے راہ روی کی تبلیغ پر مبنی قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال بھی عیسائی پادریوں نے اس دن کی مذمت میں سخت بیانات دیئے۔ بنکاک میں تو ایک عیسائی پادری نے بعض افراد کو لے کر ایک ایسی دکان کو نذرِ آتش کردیا جس پر 'ویلنٹائن کارڈ' فروخت ہو رہے تھے۔

آج کل یورپ و امریکہ میں ویلنٹائن ڈے کیسے منایا جاتا ہے اور اس کو منانے والے دراصل کون ہیں؟ اس کی تفصیلات جاننے کے بعد اس دن کو محض 'یومِ محبت' سمجھنا درست نہیں ہے۔ یہ تہوار ہر اعتبار سے یومِ اوباشی یا یومِ اباحیت کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ مغرب میں 'محبت' کا تصور و مفہوم یکسر مختلف ہے۔ جس جذبے کو وہاں 'محبت'(Love) کا نام دیا جاتا ہے، وہ درحقیقت بوالہوسی (Lust) ہے۔ مغرب کے تہذیبی اہداف میں جنسی ہوس ناکی اور جنسی باؤلا پن کی تسکین کی خاطر مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کو بھرپور ہوا دینا ہے۔ اُس معاشرے میں عشق اور فسق میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ مرد وزن کی باہمی رضامندی ہر طرح کی شہوت رانی اور زنا کاری وہاں 'محبت'(Love) ہی کہلاتی ہے۔ اسی طرح ویلنٹائن ڈے منانے والوں کی جانب سے 'محبت' (Love) کا لفظ جنسی بے راہ روی کیلئے بطورِ استعارہ استعمال ہوتا ہے۔

ہمارے ایک فاضل دوست جو نہ صرف امریکہ سے بین الاقوامی قانون میں پی.ایچ.ڈی کرکے آئے ہیں بلکہ وہاں ایک معروف یونیورسٹی میں پڑھانے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے چشم دید واقعات کی روشنی میں اس کا پس منظر بیان کیا کہ حالیہ برسوں میں امریکہ اور یورپ میں اس دن کو جوش وخروش سے منانے والوں میں ہم جنس پرستی میں مبتلا نوجوان لڑکے (Gay) اور لڑکیاں پیش پیش تھیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سان فرانسسکو میں ویلنٹائن ڈے کے موقع پر ہم جنس پرست خواتین وحضرات کے برہنہ جلوس دیکھے۔ جلوس کے

شرکاء نے اپنے سینوں اور اعضائے مخصوصہ پر اپنے محبوبوں کے نام چپکا رکھے تھے۔ وہاں یہ ایسا دن سمجھا جاتا ہے جب 'محبت' کے نام پر آوارہ مرد اور عورتیں جنسی ہوسنا کی کی تسکین کے شغل میں غرق رہتی ہیں۔ جنسی انارکی کا بدترین مظاہرہ اسی دن کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہ دوست آج کل لاہور میں ایک پرائیویٹ لاء کالج کے پرنسپل ہیں۔ ایک جدید، روشن خیال اور وسیع المطالعہ شخص ہونے کے ساتھ ساتھ انہوں نے پاکستان میں 'ویلنٹائن ڈے' منانے والوں کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے کہا کہ'' میرا جی چاہتا ہے کہ اس دن کو منانے کے لئے جہاں جہاں اسٹال لگائے گئے ہیں، انہیں آگ لگا دوں۔''

قدیم رومی کلچر کی روایات ہوں یا جدید مغرب کا اسلوبِ جنس پرستی، ان کا ہماری مذہبی تعلیمات تو ایک طرف، مشرقی کلچر سے بھی دور کا واسطہ نہیں ہے۔ قدیم روم میں اس تہوار کو'خاوند کے شکار' کا دن سمجھا جاتا تھا۔ ہمارے ہاں کسی عورت کے لئے مارکیٹ میں خاوند کی تلاش میں نکل کھڑے ہونا بے حمیتی اور بے غیرتی کی بات سمجھی جاتی ہے۔ ہمارے خاندانی نظام میں عورت کو جو احترام حاصل ہے اس کے پیش نظر اس کی شادی بیاہ کا اہتمام اس کے خاندان کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔

'ویلنٹائن ڈے' ہر اعتبار سے 'یومِ اوباشی' ہے۔ اس کا اصل مقصود عورت اور مرد کے درمیان ناجائز تعلقات کو فروغ دینا بلکہ تقدس عطا کرنا ہے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ہاں نوجوان نسل کو ان خرافات کے مضمرات سے آگاہ نہیں کیا جارہا۔ اخبارات میں اس 'یوم' کے حوالے سے منعقدہ تقریبات کو جس طرح 'کوریج' دی گئی ہے، اس سے اس کے مزید بڑھنے کے امکانات پیدا ہوگئے ہیں۔ ہمارے وہ دانشور جو اسلامی کلچر کے مقابلے میں برصغیر کے قدیم کلچر کے احیا کا پرچار کرتے ہیں، مغربی تہذیب کے اس حیا سوز تہوار کے خلاف آخر خاموش کیوں ہیں؟ ہندوستان کی بعض ہندو تنظیموں بشمول کانگرس نے 'ویلنٹائن ڈے' کے خلاف احتجاجی مظاہرے کئے، لیکن ہمارے ہاں مذہبی تنظیموں اور مقامی کلچر سے 'محبت' کرنے والے دانشوروں نے اس طرح کے مظاہرے نہیں کئے۔ ان کی خاموشی کو کیا نیم رضا سمجھا

جائے؟......مغرب کی ثقافتی استعماریت کا اس قدر غلبہ ہے کہ ہماری قوم کے اندر بے حسی پیدا ہوتی جارہی ہے !!

اخباری اطلاعات کے مطابق اس دفعہ ایران میں بھی 'ویلنٹائن ڈے' کے موقع پر اجتماعی شادی کی تقریبات منعقد کی گئی۔ معلوم ہوتا ہے، مغربی ذرائع ابلاغ کی ایران کے خلاف رجعت پسند، قدامت پسند اور بنیاد پرست ہونے کی تکرار نے ایرانی قیادت کے اَعصاب کو بھی متاثر کیا ہے۔ انہوں نے بھی ایسی تقریبات منانے کی اجازت دے کر، معلوم ہوتا ہے اپنے خلاف مذکورہ پراپیگنڈہ کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسلام میں نہ تو اجتماعی شادیوں پر کوئی پابندی ہے اور نہ ہی میاں بیوی کے درمیان محبت کے اظہار پر کوئی بندش ہے لیکن اس کے لئے ایک ایسے دن کا انتخاب کرنا جو مغرب کی جنس پرست تہذیب کا علامتی اظہار بن چکا ہے، کسی بھی اعتبار سے مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کیا ہمارے ذرائع اَبلاغ کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ محض خبروں کی سنسنی خیز اشاعت کے ساتھ ساتھ ایسے مسائل میں پاکستانی قوم کی راہنمائی کا فریضہ بھی ادا کریں؟

دعوتِ فکر ہے ذرائع ابلاغ کے ذمہ داران کے لئے !!

'ویلنٹائن ڈے' پر شرمناک طرزِ عمل

جنسی آوارگی، بیہودگی اور خرافات کو ذرائع ابلاغ کس طرح ایک 'مقدس تہوار' بنا دیتے ہیں، اس کی واضح مثال 'ویلنٹائن ڈے' ہے۔ یہ بہت پرانی بات نہیں ہے کہ یورپ میں بھی 'ویلنٹائن ڈے' کو آوارہ مزاج نوجوانوں کا عالمی دن سمجھا جاتا تھا، مگر آج اسے 'محبت کے متوالوں' کے لئے 'یومِ تجدیدِ محبت' کے طور پر منایا جانے لگا ہے۔ اب بھی یورپ اور امریکہ میں ایک کثیر تعداد 'ویلنٹائن ڈے' منانے کو برا سمجھتی ہے، مگر ذرائع ابلاغ ان کے خیالات کو منظر عام پر نہیں آنے دیتے۔ مغربی ذرائع ابلاغ اخلاقی نصب العین کے مقابلے میں ہمیشہ بے راہ روی کو فروغ دینے میں زیادہ دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں، شاید سطحی صارفیت کے تقاضے انہیں یہ پالیسی اپنانے پر مائل کرتے ہیں!!

پاکستان میں دیکھتے ہی دیکھتے جس طرح 'ویلنٹائن ڈے' مٹھی بھر اوباشوں کے حلقہ سے نکل کر جدید نوجوان نسل اور مغرب زدہ طبقات میں پذیرائی حاصل کر چکا ہے، اس کی توقع ایک اسلامی معاشرے میں نہیں کی جاسکتی۔ اس سال 'ویلنٹائن ڈے' کو جس وسیع پیمانے پر اخبارات اور ذرائع ابلاغ میں 'پروجیکشن' ملی اور جس والہانہ انداز میں مختلف اداروں نے اسے ایک 'ہر دل عزیز تہوار' کا رنگ دینے کی کوشش کی، اس کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ پاکستانی معاشرہ اندر سے اس قدر کھوکھلا ہوگیا ہے کہ اعلیٰ ثقافتی قدروں کے تحفظ کے لئے وسیع پیمانے پر تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔

اس دفعہ پاکستان میں ویلنٹائن ڈے پر بے ہودگی کے سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گئے ہیں۔

۱۵رفروری کومختلف اخبارات نے بے حد رومانوی انداز میں ویلنٹائن ڈے کی رپورٹنگ کی۔ روزنامہ 'جنگ' کے مطابق:

''صبح سے رات گئے پھولوں کا سفر جاری رہا۔گل فروشوں کی چاندی رہی اور پھولوں کی دکانوں پر رَش رہا۔آج سرخ گلاب نہ ملنے پر دوسرے رنگوں کے گلاب خرید کر چاہے جانے والوں کو بھجوائے جاتے رہے۔گل دستے ۱۰۰ روپے سے ۵۰۰ روپے تک بکتے رہے۔ رات کو بعض بڑے ہوٹلوں نے 'ویلنٹائن ڈنر' کا بھی اہتمام کیا۔''

یہ ایک نئی بدعت تھی جو اس سال (۲۰۰۲ء) دیکھنے میں آئی۔ نوائے وقت جیسے سنجیدہ اخبار نے بھی سرخی جمائی: ''ویلنٹائن ڈے' وفا کے عہد و پیمان، روٹھوں کو منایا گیا۔''

مزید تفصیلات کے مطابق گلاب کے پھول، کارڈز اور دیگر تحائف کے تبادلے ہوئے، موبائل فونز پر پیغامات دیئے گئے۔ انٹرنیٹ کلبوں پر رش رہا۔نوائے وقت کی خبر کے مطابق ویلنٹائن ڈے منانے کے لئے ایک نوجوان شیخوپورہ کے گرلز کالج میں لڑکیوں کے کپڑے اور برقعہ پہن کر داخل ہوگیا۔معلوم ہونے پر کالج کے سٹاف اور طالبات نے اس کی خوب چھترول کی اور پولیس کے حوالہ کردیا۔ پولیس نے بھی اس کی خوب تواضع کی۔ لاہور میں ایک گرلز ہائی سکول کی طالبہ کو پھول پیش کرنے والے ایک نوجوان طالب علم کا منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھا کر پورے محلّہ کا چکر لگوایا گیا۔ پرائیویٹ انگلش میڈیم سکولوں میں ویلنٹائن ڈے جوش وخروش سے منایا گیا۔

اس سال جنرل سٹوروں اور کتابوں کی دکانوں پر 'ویلنٹائن کارڈ' اس طرح فروخت ہوتے رہے جس طرح عید کارڈ فروخت ہوتے ہیں۔ ان سٹوروں پر 'کیوپڈ' کے بڑے بڑے نشانات سرعام آویزاں کیے گئے تھے۔ ماڈل ٹاؤن، ڈیفنس اور گلبرگ، لاہور کی بات تو الگ ہے۔شہر کے چھوٹے چھوٹے محلات میں سرخ گلاب فروخت ہوتے رہے اور نوجوانوں کی ٹولیاں دن بھر پھول خریدتی رہیں اور انہیں کوئی سمجھانے والا نہیں تھا کہ جس بات کو وہ 'محبت' سمجھ کر منا رہے ہیں، وہ درحقیقت شہوت رانی اور جنسی بے راہ روی کی علامت ہے، اس کا ان کی سماجی

روایات اور اخلاقی قدروں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ انگلش میڈیم سکولوں میں طلباء و طالبات اساتذہ کی 'رہنمائی' میں بلا روک ٹوک گلاب کے پھولوں کا تبادلہ کرتے رہے۔ لبرٹی مارکیٹ اور دیگر پوش علاقوں میں اوباش نوجوان راہ چلتی لڑکیوں کو پھول پیش کر کے چھیڑ خانی کرتے رہے، شریف زادیاں اس بداخلاقی کا جواب دینے کی بجائے عزت بچا کر وہاں سے بچ نکلنے میں عافیت سمجھتی رہیں۔

ہمارے بعض انگریزی اخبارات نے ویلنٹائن ڈے کو تشہیر دینے میں جس طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا، اسے نرم ترین الفاظ میں 'شرمناک' کہا جاسکتا ہے۔ ان اخبارات نے عاشقوں اور حیا باختہ لڑکیوں کے رومان انگیز پیغامات کو اشتہارات کی صورت میں شائع کیا۔ انگریزی روزنامہ 'دی نیوز' نے ان پیغامات پر مبنی دو مکمل صفحات شائع کئے۔ ان دو صفحات پر ۴۱۹ پیغامات شائع کئے گئے۔ روزنامہ 'ڈان' نے ۱۴؍فروری کو دو صفحات مختص کئے جس میں ایسے بے ہودہ پیغامات شائع کئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے، ہمارے انگریزی اخبارات کسی ضابطہ اخلاق کے پابند نہیں، نہ انہیں اس ملک کی نظریاتی اساس اور سماجی اقدار کا خیال ہے۔ وہ اس ملک میں انگریزی زبان ہی نہیں، مغربی تہذیب کا پرچار بھی کررہے ہیں۔

۲۶؍فروری کو روزنامہ 'نوائے وقت' نے نمایاں خبر شائع کی کہ جہادی تنظیموں کی طرف سے نکالے جانے والے ۲۳ رسالہ جات پر حکومت پابندی لگانے کا فیصلہ کرچکی ہے، کیونکہ وہ جہادی تبلیغ کررہے ہیں، مگر جنسی بے راہ روی کو فروغ دینے والے ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے پیغامات کو شائع کرنے کی اس ملک میں مکمل آزادی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب کوئی لڑکا کسی لڑکی سے عشق کے معاملے کو حتیٰ الامکان ظاہر نہیں کرتا تھا، کیونکہ اس طرح کا اظہار سخت معیوب سمجھا جاتا تھا اور ایسی حرکت کے مرتکب نوجوانوں کی خوب درگت بنائی جاتی تھی، مگر آج یہ برا وقت بھی آ گیا ہے کہ ہمارے اخبارات ایک 'نائکہ' کا پست کردار ادا کرتے ہوئے عاشق و معشوق کے درمیان پیغام رسانی کا فریضہ انجام دینے میں کوئی باک نہیں سمجھتے بلکہ اسے محبت کرنے والے دلوں کی 'خدمات' سمجھتے ہیں۔ اخبارات کی طرف سے عشقیہ پیغامات کی

اشاعت پاکستان میں اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ یورپ کے اخبارات نے یہ جدت نکالی تھی جس کو بلاچون و چرا ہمارے اخبارات نے اپنا لیا ہے۔اس دفعہ تو یہ سلسلہ دو تین انگریزی اخبارات تک محدود رہا ہے، اگلے سال اردو اخبارات بھی شائد اس 'کارِخیر' میں پیچھے نہ رہیں۔

اسلام کے نام پر بننے والی اس مملکتِ خداداد میں لا دینیت اور جنسی بداعتدالیوں کو کس طرح تیزی سے پروان چڑھایا جارہا ہے، اس کا اندازہ پاکستان کے عام شہری نہیں کر پا رہے۔ جن لوگوں کو اس کا اندازہ ہے، وہ بھی اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے اردو اخبارات کے وہ قارئین جوانگریزی اخبارات کو نہیں دیکھ پاتے، ان کی معلومات کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی روزنامہ 'دی نیوز' میں ویلنٹائن ڈے پر شائع ہونے والے چند پیغامات کو اصل انگریزی الفاظ میں ہی یہاں نقل کردیا جائے

1) My love, Aftab! I love you since the time when the time was not created. *From Raheela.*

2) Sweet heart Ali! I love you, I miss you. Happy valentine's Day. *From Afsha Khan.*

3) Dear Madiha! Simply to say "Yes, Yes, Yes" I love you. *Najam.*

4) My sweet heart Bushra! I love you and miss you every time. I never live without you. *Naveed.*

5) My dear Nadia! I love you (1000-times) you are part of life. *Your Mad Asim.* *(The News, 14,Feb. '2002)*

قارئین کرام! یہ راحیلہ، افشا، مدیحہ، بشریٰ اور نادیہ اسی پاکستانی معاشرے کی بچیاں ہیں۔ عاصم، نوید، نجم، آفتاب اور علی بھی اسی معاشرے کے نوجوان ہیں۔ یہ مسلمان گھرانوں کی اولاد ہیں، یہودی یا عیسائی نہیں ہیں۔مگر وہ جس جنون اور پاگل پن کا شکار ہیں، کیا ایک مسلمان

گھرانے سے تعلق رکھنے والے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا 'کنڈکٹ' (کردار) یہی ہونا چاہیئے؟ اگر وہ گم کردہ راہ ہیں، تو اس کی ذمہ داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ حکومت، تعلیمی ادارے، ذرائع ابلاغ، اساتذہ اور والدین، سب اپنی اپنی جگہ پر اس قومی 'جرم' کے مرتکب ہوئے ہیں۔ آج اس ملک میں ویلنٹائن ڈے پر شہوت بھرے پیغامات کا آزادانہ تبادلہ ہو رہا ہے تو کل اسی پاکستان میں شہوانی تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچوں کی نسل بھی ضرور پروان چڑھے گی۔ یورپ یہ نتائج دیکھ چکا ہے، ہم بھی اس عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ یورپ میں بھی یہ سب کچھ ایک سال میں نہیں ہوگیا تھا، ان کے ہاں بھی خاندانی نظام کی تباہی اور جنسی انقلاب آہستہ آہستہ وقوع پذیر ہوا۔ یورپ کے دانشور خاندانی نظام کی بحالی کی دہائی دے رہے ہیں، مگر اب پانی ان کے سروں سے گذر چکا ہے۔ ہمارے ہاں اس وقت محض ایک قلیل تعداد اس خطرناک اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہوئی ہے، ہماری آبادی کی اکثریت اس آگ کی تپش سے اب تک محفوظ ہے۔ ابھی وقت ہے کہ آگے بڑھ کر چند جھاڑیوں کو لگی آگ کو بجھا دیا جائے، ورنہ یہ پورے جنگل کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی......!!

ذرائع ابلاغ پر چھایا ہوا ایک مخصوص گروہ ویلنٹائن ڈے کو 'یومِ تجدیدِ محبت' کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ یہ 'محبت' جو ماضی قریب تک ایک 'محبوبہ' سے منسوب کی جاتی تھی، اب اسے 'عام' کیا جا رہا ہے۔ پاکستان میں ایک سازش کے تحت ویلنٹائن ڈے جیسی واہیات تقریبات کو رواج دیا جا رہا ہے۔ ۱۵/فروری کے اخبارات میں ایک نقاب پوش خاتون کی تصویر شائع ہوئی جسے اسلام آباد کے کسی پھولوں کے سٹال سے گلاب کے پھول خریدتے دکھایا گیا ہے۔ خاتون نے بادامی رنگ کا برقعہ لے رکھا ہے۔ یہ تصویر انگریزی روزنامہ دی نیوز کے علاوہ 'جنگ'، 'نوائے وقت' اور 'انصاف' میں بھی شائع ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص ایجنسی نے کسی کرائے کی عورت کو برقعہ پہنا کر اسے ویلنٹائن ڈے پر پھول خریدتے دکھایا ہے۔ اس کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگوں میں یہ تاثر پیدا کیا جائے کہ ویلنٹائن ڈے منانا کوئی بری بات نہیں ہے، اب تو پردہ پوش خواتین بھی یہ دن منانے لگی ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں یہودی

خبر رساں ایجنسیاں اس طرح کی حرکات کرتی رہتی ہیں۔

ہمارے اخبارات کے کلچرل رپورٹروں نے رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لئے 'ویلنٹائن ڈے' کا اس مرتبہ ایسا پس منظر بیان کیا ہے جو ہمیں چند معروف انسائیکلو پیڈیا میں نظر نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ نے اسطرح کی موضوع روایات کو خود گھڑ لیا ہے اور اسے پھیلا دیا ہے۔ 'جنگ' کے فلمی رپورٹر عاشق چودھری نے ۱۳ر فروری کے کالم میں اس نام نہاد تہوار کا پس منظر بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے مختلف روایات ہیں۔ سب سے مستند روایت یہ ہے کہ اس دن کا آغاز رومن سینٹ ویلنٹائن کی مناسبت سے ہوا جسے 'محبت کا دیوتا' بھی کہتے ہیں۔ اس روایت کے مطابق ویلنٹائن کو مذہب تبدیل نہ کرنے کے جرم میں پہلے قید میں رکھا گیا، پھر سولی پر چڑھا دیا گیا۔ قید کے دوران ویلنٹائن کو جیلر کی بیٹی سے محبت ہوگئی۔ سولی پر چڑھائے جانے سے پہلے اس نے جیلر کی بیٹی کے نام ایک الوداعی محبت نامہ چھوڑا جس پر دستخط سے پہلے لکھا تھا: ''تمہارا ویلنٹائن'' ......

یہ واقعہ ۱۴ر فروری ۲۷۹ء کو وقوع پذیر ہوا۔ اس کی یاد میں انہوں نے ۱۴ر فروری کو یومِ تجدیدِ محبت منانا شروع کر دیا۔''

۱۴ر فروری ۲۰۰۲ء کے روزنامہ پاکستان میں بھی صفحہ اوّل پر بالکل یہی واقعہ بیان کیا گیا ہے مگر اس کا حوالہ بیان نہیں کیا گیا۔ انگریزی روزنامہ 'دی نیشن' کے رپورٹر نے ۱۴ر فروری کی اشاعت میں بالکل الگ کہانی بیان کی ہے۔ اس کے مطابق

''جب سلطنتِ روما میں جنگوں کا آغاز ہوا تو شادی شدہ مرد اپنے خاندانوں کو چھوڑ کر جنگوں میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے۔ نوجوان بھی اپنی محبوباؤں کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ جنگوں کے لئے کم افراد کی دستیابی کی وجہ سے شہنشاہ کلاڈئیس (Claudius) نے حکم دیا کہ مزید کوئی شادی یا منگنی نہیں ہونی چاہئے۔ ویلنٹائن نامی ایک پادری نے اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خفیہ طریقہ سے شادیوں کا اہتمام کیا۔ جب شہنشاہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے ویلنٹائن کو قید کر دیا۔ جو کچھ اس نے نوجوان عاشقوں کے لئے کیا تھا، اسے بعد ازاں یاد رکھا

گیا اور آج اسی نسبت سے ویلنٹائن ڈے منایا جاتا ہے۔"

یہ دونوں کہانیاں رومانوی افسانویت کے طبع زاد شاہکار معلوم ہوتی ہیں۔مندرجہ بالا حوالوں سے قطع نظر 'بریٹانیکا' میں ویلنٹائن ڈے کا پس منظر مختلف انداز میں ملتا ہے:

"سینٹ ویلنٹائن ڈے کو آج کل جس طرح "Lovers Festival" کے طور پر منایا جاتا ہے یا ویلنٹائن کارڈز بھیجنے کی جو نئی روایت چل نکلی ہے، اس کا سینٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق یا تو رومیوں کے دیوتا لوپر کالیا کے حوالہ سے ۱۴ رفروری کو منائے جانے والے تہوارِ بارآوری یا پرندوں کے موسم اختلاط (Mating season) سے ہے۔"

(انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا)

۱۹۹۷ء میں شائع ہونے والے انسائیکلو پیڈیا آف کیتھولک ازم (Catholicism) کے بیان کے مطابق سینٹ ویلنٹائن کا اس دن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصل بیان ملاحظہ کیجئے

"ویلنٹائن نام کے دو مسیحی اولیا (Saints) کا نام ملتا ہے۔ ان میں سے ایک کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ روم کا ایک پادری تھا جسے رومی دیوتاؤں کی پوجا سے انکار کرنے پر ۲۶۹ء میں شہنشاہ کلاڈیئس II (Cladius-II) کے حکم پر موت کی سزا دی گئی۔ دوسرا طرنی (Terni) کا ایک بشپ تھا جس کو لوگوں کو شفا بخشنے کی روحانی طاقت حاصل تھی۔ اسے اس سے بھی کئی سال پہلے 'شہید' کر دیا گیا تھا...... آیا کہ ایک سینٹ ویلنٹائن تھا یا اس نام کے دو افراد تھے؟ یہ ابھی تک ایک کھلا ہوا سوال ہے۔ البتہ یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ ان دونوں کا محبت کرنے والے جوڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ محبت کے پیغامات یا تحائف بھیجنے کا رواج بعد میں غالباً ازمنہ وسطیٰ میں اس خیال کے تحت شروع ہوا کہ ۱۴ رفروری پرندوں کی جنسی مواصلت کا دن ہے۔ مسیحی کیلنڈر میں یہ دن کسی سینٹ کی یاد میں تہوار کے طور پر نہیں منایا جاتا۔"

(The Harper Lollins Encyclopeadia of Catholicism: p.1294)

ویلنٹائن ڈے جیسے تہواروں کی تردید میں اس طرح کے تاریخی حوالہ جات کی ضرورت بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ مگر وہ لوگ جن کے ذہنوں میں ہوسناکی کے جذبات کے تحت پروان چڑھی ہوئی رومانویت نے ڈیرے جما رکھے ہیں، ان کی اطلاع کیلئے یہ وضاحت ضروری سمجھی گئی۔

فرض کیجئے مسیحی یورپ یا روم کی تاریخ میں ویلنٹائن نام کے کوئی 'شہیدِ محبت' گذرے بھی ہیں، تب بھی ہمارے لئے ایسے تہواروں کو منانا نرم ترین الفاظ میں ایک شرم ناک ثقافتی مظاہرہ ہوگا۔ امریکہ اور یورپ کے لغو جنس پرستوں کے ساتھ کندھا ملا کر چلنا ہمارے لئے کوئی باعثِ اعزاز امر نہیں ہے۔ ہمارا دین اور ہماری تہذیب اس گراوٹ سے ہمیں بہت بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔

اسلامی اخلاقیات اور ہندو تہذیب و تمدن کا کوئی مقابلہ نہیں ہے، مگر قومی ہزیمت کے شدید احساس کے ساتھ میں یہ سطور لکھنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں کہ ویلنٹائن ڈے کے خلاف بھارت کی ہندو انتہا پسند تنظیموں نے جتنا ردِ عمل ظاہر کیا ہے، پاکستان کی دینی اور سیاسی جماعتوں کو اتنی بھی توفیق نہیں ملی۔ ہندو قوم پرست تنظیم شیوسینا نے لوگوں کو ویلنٹائن ڈے منانے سے باز رکھنے کے لئے دھمکی اور ترغیب دونوں طرح کی حکمتِ عملی اختیار کی۔ شیوسینا کے کارکنوں نے ویلنٹائن ڈے کے خلاف احتجاج کے انوکھے طریقے بھی آزمائے۔ ۱۳؍ فروری کے روزنامہ 'جنگ' اور دیگر اخبارات میں شیوسینا کے کارکنوں کی ایک تصویر شائع ہوئی جس میں وہ اپنے چہروں پر کالک لگا کر ویلنٹائن ڈے کے خلاف مظاہرہ کررہے ہیں۔ اسی دن شیوسینا کے لیڈروں کے بیانات شائع ہوئے جس میں انہوں نے دھمکی دی کہ وہ ویلنٹائن ڈے کی تقریبات کو اُلٹا دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ویلنٹائن ڈے منانا فحاشی اور ہندو تہذیب واخلاقیات کے خلاف ہے۔ شیوسینا پارٹی دہلی کے سربراہ بھگوان گومل نے کہا کہ ہم ۱۴ فروری کو دِلّی کے کالجوں، کارڈز شاپس اور گفٹ سنٹروں میں جائیں گے اور ہر قسم کا احتجاج کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ اس موقع پر ویلنٹائن ڈے کارڈز نذرِ آتش کئے جائیں گے۔ بال ٹھاکرے جو شیوسینا کے سربراہ ہیں، پاکستان کے خلاف اشتعال انگیز بیانات کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ انہوں نے بمبئی میں کہا کہ ویلنٹائن ڈے کرپشن کلچر ہے جو مغربی ممالک سے درآمد کیا گیا۔ انہوں نے شیوسینا کے نوجوانوں کو ہدایت کی کہ وہ یہ دن منانے کی روک تھام کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ انہوں نے کہا کہ یہ مغرب کا فرض نہیں کہ وہ ہمیں بتائے کہ محبت کس طرح کرنی ہے۔ (روزنامہ جنگ)

شیوسینا اور دیگر انتہا پسند تنظیموں کی طرف سے اس ردعمل کی وجہ سے بمبئی، دہلی اور بھارت کے دیگر شہروں میں ویلنٹائن ڈے اس جوش وخروش سے نہیں منایا جاسکا جس کا مظاہرہ لاہور، کراچی یا اسلام آباد میں کیا گیا۔ شیوسینا کے حوالہ سے ایک اور تصویر کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ۱۵ر فروری کو پاکستان کے اردو اخبارات میں ایک تصویر شائع ہوئی جس میں دہلی میں شیوسینا کے کارکن ویلنٹائن ڈے کے موقع پر ایک خاتون کو ویلنٹائن ڈے کے خلاف پمفلٹ دے رہے ہیں۔ اس خاتون نے ہاتھوں میں پھولوں کا تازہ خریدا ہوا گلدستہ تھام رکھا ہے۔ (روزنامہ پاکستان) ...... اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیوسینا کے کارکنوں نے اس بے ہودہ تہوار کی مخالفت میں محض تشدد ہی نہیں، دلیل کا سہارا بھی لیا۔

مغرب کی طرف سے درآمد کردہ ویلنٹائن ڈے جیسے فحش انگیز، بے ہودہ تہوار ترقی پذیر بالخصوص اسلامی ممالک کی تہذیب وثقافت کے لئے سنگین خطرات پیدا کررہے ہیں۔ یہ مغرب کی ثقافتی استعماریت جسے 'گلوبلائزیشن' کا خوبصورت نام دیا گیا ہے، کو آگے بڑھانے کا ذریعہ ہیں۔ مغربی میڈیا اور انٹرنیٹ کی یلغار کی وجہ سے سعودی عرب جیسے کٹر اسلام پسند معاشرے بھی اپنی ثقافتی سرحدوں کو غیر محفوظ محسوس کررہے ہیں۔ اس سال سعودی عرب کی حکومت کو ویلنٹائن ڈے کی لعنت کی حوصلہ شکنی کرنے کے لئے سخت اقدامات اٹھانے پڑے۔ تین روز قبل ہی دکانوں اور مارکیٹوں میں سرخ گلاب، ٹیڈی بیئر اور ویلنٹائن کارڈز کی فروخت پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ ۱۳ر فروری کو سعودی پولیس نے مختلف دکانوں پر چھاپے مارکر ویلنٹائن گفٹ فروخت کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی۔ (پاکستان: ۱۴ر فروری)

البتہ عراق کے سیکولر صدر صدام حسین نے عراق پر ممکنہ امریکی حملہ کے باوجود عراقی قوم کو ویلنٹائن ڈے منانے میں مصروف رکھا۔ عراقی میڈیا نے یہ پراپیگنڈہ بھی کیا کہ عراقی عوام اس برس ویلنٹائن ڈے میں زیادہ دلچسپی اس لئے لے رہے ہیں، کیونکہ وہ دنیا کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہاں زندگی معمول کے مطابق ہے اور امریکی دھمکیوں کا عوام پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ (روزنامہ پاکستان) ...... الحاد پرست حکمران کسی قوم کو جہاد کے لئے تیار نہیں کرسکتے۔

اس طرح کی 'کھوکھلی زندہ دلی' کے اظہار سے کوئی قوم اپنا دفاع نہیں کرسکتی!!

پاکستانی معاشرے پراس وقت ایک وحشت انگیز بے حسی اور بے بسی کی کیفیت طاری ہے۔ ایک عام پاکستانی اپنی آنکھوں سے اسلامی اقدار کا جنازہ نکلتے دیکھ رہا ہے۔ مگر وہ آگے بڑھ کر کچھ کرسکنے کی ہمت نہیں پاتا۔ وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے، ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر مٹتی قدروں کے متعلق نوحہ خوانی تو ضرور کرتا ہے، مگر گلی سے باہر نکل کر اپنے دل کی بات کہنے کی جرأت نہیں کرتا۔ یا یہ وقت تھا کہ اسلامی حمیت سے سرشار نوجوان سینما گھروں اور نیو ایئر نائٹ منانے والے کلبوں کو بزورِ بازو ایسے کاموں سے روکتے تھے یا اب یہ صورت پیدا ہوچکی ہے کہ ویلنٹائن ڈے پر کھلے عام بے ہودگی کے خلاف معمولی سی صدائے احتجاج بلند کرنے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا۔ ہمارے خیال میں نہ پہلی صورت درست تھی اور نہ مؤخر الذکر حالت پسندیدہ ہے۔

پاکستان میں سیکولر اور اسلام پسند دونوں حلقوں نے افغانستان میں 'امریکہ گردی' کے غلط اثرات قبول کئے ہیں۔ سیکولر طبقہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اب پاکستان میں وہ جس قدر مغربی اقدار کو فروغ دے گا، اس کی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ جہادی تنظیموں کے خلاف کریک ڈاؤن کا اسلام پسند حلقوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت بھی نہیں دی جاسکتی۔ ایک اور غلط تاثر کو ختم کرنا بھی ضروری ہے۔ پاکستان میں لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی ثقافت اور پاکستانی اقدار کا تحفظ محض دینی جماعتوں کی ذمہ داری ہے۔ حالانکہ ہر مسلمان خواہ اس کا کسی بھی سیاسی جماعت یا طبقہ سے تعلق ہو، کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ثقافت کے تحفظ کے لئے مقدور بھر کوشش کرے۔ ہمارے اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ طالب علموں میں اسلامی اقدار کے متعلق محبت کے جذبات پروان چڑھائیں۔ ہم میں سے ہر شہری اگر اپنے محلے میں دعوت وترغیب کا عمل شروع کردے، تو یہاں ویلنٹائن ڈے منانے والے یوں دندناتے نظر نہیں آئیں گے۔ حکومت کو بھی نوجوانوں کو لہو ولعب اور جنسی بے راہ روی سے بچانے کے لئے مؤثر اقدامات کرنے چاہئیں۔ ویلنٹائن ڈے کے موقع پر گلاب

کے پھول اور کارڈز کی خرید وفروخت پر پابندی عائد کی جانی چاہئے۔ اخبارات میں ویلنٹائن اور کیوپڈ کے نشانات کے ساتھ اشتہارات اور پیغامات کی اشاعت ممنوع قرار دینی چاہئے۔

امریکہ اور برطانیہ میں شراب عام پی جاتی ہے، مگر ۱۸ سال سے کم عمر نوجوانوں کو شراب اور سگریٹ خریدنے کی اجازت ہے، نہ دکاندار انہیں یہ اشیا فروخت کر سکتے ہیں۔ امریکہ میں بعض ریاستوں نے شام کے بعد نوجوانوں کے گھر سے نکلنے پر پابندی عائد کر رکھی ہے، حالانکہ وہاں ہر طرح کی آزادیاں میسر ہیں۔ پاکستان کے سابق چیف جسٹس سجاد علی شاہ نے بالکل درست کہا ہے کہ

''مغرب سے گہری وابستگی اور قربت کے طوفان کو نہ روکا گیا تو مغربی فضولیات ہماری معاشرتی اقدار کو بہا لے جائیں گی۔ ویلنٹائن ڈے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انگریزی تہذیب کے ایام ہماری نئی نسل کے کردار کو مسخ کر دیں گے۔ اس حوالے سے نئی نسل کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ مغرب اسلام سے چونکہ بہت خائف ہے، اسی لئے وہ ہمارے معاشرے میں ایسے تہواروں کو فروغ دے رہا ہے۔'' (روزنامہ خبریں: ۱۵ر فروری ۲۰۰۲ء)

ابھی چند روز پہلے صدرِ پاکستان جناب پرویز مشرف نے مغربیت کے خطرناک اثرات سے بچنے کی تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

''مغربی طرزِ زندگی ہماری اقدار سے متصادم ہے۔ میں پاکستان کو اعتدال، رواداری، جمہوریت اور ترقی کی راہ پر لے جانا چاہتا ہوں، مغربیت (ویسٹرنائزیشن) کی راہ پر نہیں جو ہماری اقدار سے متصادم ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ پاکستان اپنی اقدار کے منافی روایات اپنا کر مغرب کی پیروی کرے۔ انہوں نے صوبائی حکومتوں کو ہدایت کی کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ ملک کی سماجی اور ثقافتی اقدار کا احترام ہو۔'' (جنگ، خبریں: ۲۸ر فروری ۲۰۰۲ء)

ویلنٹائن جیسے تہواروں کی حوصلہ شکنی بلکہ بیخ کنی کے لئے حکومت پاکستان کو بھرپور اقدامات کرنے چاہئیں۔ عوام کی بے ضرر تفریحی تقریبات میں حکومت کو مداخلت نہیں کرنی چاہئے، مگر ایسی بے ہودہ سرگرمیاں جو اسلامی اخلاقیات کا جنازہ نکال دیں، ان کے متعلق حکومت کو

خاموش تماشائی کا کردار ادا نہیں کرنا چاہئے۔

ایک مغرب زدہ اقلیت پاکستانی معاشرے کو اخلاقی زوال سے دوچار کرنے پر تلی ہوئی ہے تو حکومت اور عوام کو ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے سنجیدہ کاوش کرنی چاہئے۔قرآنِ مجید سراسر ہدایت اور روشنی ہے، اس میں بار بار راہِ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو خبردار کیا گیا ہے: ﴿فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ﴾ یعنی تم صراطِ مستقیم چھوڑ کر کدھر بھٹکے جا رہے ہو؟

ویلنٹائن ڈے منانے والے مسلمانوں کو قرآنِ مجید کے ان الفاظ پر غور کرنا چاہئے !!
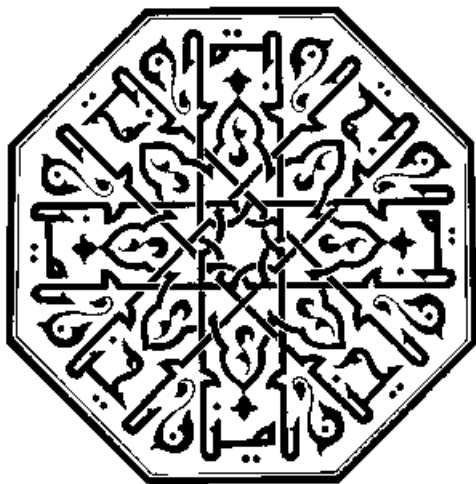
باب چھارم

قومی اخبارات میں شائع ہونے والے کالم

پتنگ بازی پر پابندی کیوں؟

تحریر: میاں عامر محمود، ضلع ناظم لاہور

میاں عامر محمود کے اس مضمون سے مترشح ہوتا ہے کہ ۲۰۰۳ء میں لاہور کی ضلعی حکومت نے پتنگ بازی جیسی سماجی لعنت کے خاتمے کے لیے مؤثر حکمتِ عملی وضع کر لی تھی۔ مگر فروری ۲۰۰۴ء میں جب بسنت کی گھڑیاں قریب آئیں تو حکومتی حلقوں میں عشاقِ بسنت نے اس پالیسی کو یکسر تاراج کر دیا اور ایک دفعہ پھر رقص بسنت شروع ہوگیا۔ اس مضمون سے یہ اندازہ کرنا بھی مشکل نہیں ہے کہ بعض سنجیدہ طبع حکام بھی بسنت اور پتنگ بازی کے حق میں نہیں ہیں مگر وہ نادیدہ ہاتھوں کے دستِ استبداد کے ہاتھوں اپنے عزائم کی تکمیل سے قاصر ہیں۔ (ع۔ص)

زیادہ پرانی بات نہیں جب پتنگ بازی موسم بہار اور وہ بھی بسنت کے تہوار تک محدود تھی، اسے عام آدمی کی تفریح تصور کیا جاتا تھا جس میں کسی کے جانی یا مالی نقصان کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ مگر دھاتی تار اور بعد ازاں تیز دھار ڈور کے استعمال نے اسے بہار کے تہوار کی بجائے خون کی ہولی میں بدل دیا ہے۔ گذشتہ کچھ عرصے کے دوران پتنگوں کی قاتل صفت ڈور نے کئی نوجوانوں کی زندگی کی ڈور کاٹ ڈالی ہے۔ شہ رگ پر ڈور پھرنے سے کئی بانکے سجیلے جوان نقد جاں ہار کے اور اپنی ماؤں بہنوں کو ہمیشہ کے لئے روتا چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں۔ کئی گھرانوں کے کفیل اور منتوں مرادوں سے لئے گئے بیٹے اپنی ماؤں کی بجائے موت کی آغوش میں جاچکے ہیں۔ اور اس طرح پتنگ بازی بے ضرر تفریح کی بجائے ایک جان لیوا کھیل بن چکی ہے۔ دھاتی تار، تندی اور زہریلے وخطرناک میٹریل سے تیار شدہ ڈور کی وجہ سے کئی قیمتی جانیں ضائع ہونے کے علاوہ واپڈا کی برقی تنصیبات کو بھی اربوں روپے کا نقصان پہنچا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق گذشتہ سال یہ نقصان ڈھائی ارب روپے کے لگ بھگ

تھا۔ گھروں میں برقی آلات کو پہنچنے والے نقصان کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ بجلی کی بار بار ٹرپنگ سے ہر چھٹی کا دن شہریوں کے لئے عذاب بن جانا ایک معمول بن چکا ہے۔

اس صورتِ حال پر ہر حساس اور دردِ دل رکھنے والا شہری تڑپ اُٹھا ہے اور حالات کی بہتری کے لئے آواز بلند کررہا ہے۔ حتیٰ کہ ' کائٹ فلائنگ ایسوسی ایشن' کے نمائندوں نے بھی ان اندوہناک واقعات کے بعد پتنگ بازی پر پابندی عائد کرکے خطرناک ڈور اور دھاتی تار بنانے والوں کے خلاف کریک ڈاؤن کرنے کی تائید کی ہے، کیونکہ کسی بھی مہذب معاشرے میں اس سفاک مشغلے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ضلعی حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے چند ہی ماہ بعد، یعنی فروری ۲۰۰۲ء میں ہم نے دھاتی تار اور تندی سے پتنگ بازی کے جان لیوا نقصانات کے پیش نظر اس رجحان پر قابو پانے کے لئے اپنی کاوشوں کا آغاز کردیا تھا۔ میں شروع دن سے ہی پتنگ بازوں کو ذمہ دارانہ طرزِ عمل اختیار کرنے، اپنی تفریح کو دوسروں کیلئے تکلیف کا ذریعہ نہ بنانے اور بالخصوص قاتل ڈور تیار یا استعمال نہ کرنے کی اپیل کرتا رہا ہوں اور اس سلسلے میں میری کاوشیں ریکارڈ پر ہیں :

① صورتِ حال کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے ہم نے گذشتہ سال گورنر پنجاب سے دھاتی تار سے پتنگ بازی اور ہوائی فائرنگ پر پابندی عائد کرنے کے لئے حکم جاری کرنے کی درخواست کی جسے منظور کرکے اس ضمن میں آرڈیننس جاری کردیا گیا۔ اس کے تحت دھاتی تار یا ممنوعہ قسم کی ڈور سے پتنگ بازی کو ناقابل ضمانت جرم قرار دے کر ملزم کو تین سال قید کی سزا دینے کا قانون بنایا گیا۔

② شہر میں ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۴۴ نافذ کرکے اس کی خلاف ورزی کے مرتکب افراد کو گرفتار کیا گیا۔

③ دھاتی تار کی تیاری، فروخت اور ذخیرہ کرنے والی جگہوں پر چھاپے مار کر انہیں سربمہر کردیا گیا۔

④ لیسکو کے تعاون سے پولیس، انتظامیہ اور متعلقہ یونین کونسلوں کے ناظمین کے تعاون سے خصوصی ٹیمیں تشکیل دی گئیں۔

⑤ لیسکو نے دھاتی تار سے ہونے والے نقصانات سے عوام کو آگاہ کرنے کے لئے شہر کے مختلف علاقوں میں ہوائی جہاز کے ذریعہ معلوماتی پمفلٹ گرائے۔

⑥ ان کے علاوہ ذرائع ابلاغ کا تعاون حاصل کرکے والدین اور اساتذہ سے اپیل کی گئی کہ وہ نوجوانوں کو دھاتی تار اور تندی سے پتنگ بازی کے جان لیوا نقصانات سے آگاہ کریں اور اس سلسلے میں ان میں سماجی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا شعور بیدار کریں۔

⑦ بسنت کے دنوں میں عوامی شکایات کے ازالے کے لئے ضلعی حکومت کے زیر اہتمام ایک کنٹرول روم کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔

گذشتہ سال کی طرح اس سال فروری میں بھی بسنت کے موقع پر عوام کے جان و مال کا تحفظ یقینی بنانے کے لئے ضروری اقدامات کئے گئے۔

⑧ دھاتی تار اور تندی سے پتنگ بازی کے خطرات کے بارے میں عوام میں شعور بیدار کرنے کے لئے سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ اور لیسکو کے اشتراک سے سیمینار، واک اور دیگر سرگرمیوں کا انعقاد کیا گیا جن میں لوگوں نے انتہائی جوش وخروش سے حصہ لیا۔

⑨ دفعہ ۱۴۴ نافذ کرکے اس کے اطلاق کے لئے پولیس کے تعاون سے دھاتی تار، تندی اور ہوائی فائرنگ پر قابو پانے کی کوشش کی گئی۔ شہر میں ۳۱/جنوری سے ۹/فروری تک بسنت کے دنوں میں ۳۵۴/افراد کے خلاف مقدمات درج کئے گئے۔ ان دنوں کے علاوہ بھی متعدد مرتبہ دھاتی تار، تندی اور خطرناک ڈور اور پتنگ بازی اور آتش بازی کے سامان کی تیاری اور خرید وفروخت پر پابندی عائد کرنے کے لئے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا گیا۔

⑩ مگر ان تمام اقدامات کے باوجود موٹر سائیکل سوار نوجوانوں کے گلے پر ڈور پھرنے کے واقعات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور حالیہ چند ماہ میں ۱۷ نوجوان ان حادثات کے نتیجے

میں جاں بحق ہو گئے۔ متعدد بچے پتنگ لوٹتے ہوئے زخمی ہوئے اور کئی افراد کو دھاتی تار کی وجہ سے بجلی کے شدید جھٹکے بھی لگے۔ پتنگ بازی پر جوے کی وبا بھی عام ہوگئی اور اس طرح پتنگ بازی ایک Unregulated تفریح بن گئی۔

⑪ ان حالات میں قیمتی انسانی جانوں کا ضیاع روکنے کے لئے دفعہ ۱۴۴ کے تحت یکم جولائی سے تین ماہ کی عبوری مدت کے لئے پتنگ بازی کرنے اور اس کا سامان تیار یا فروخت کرنے پر پابندی عائد کردی گئی ہے اور ہمارے اس اقدام کا عوام نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ خیر مقدم کیا ہے۔

⑫ پنجاب لوکل گورنمنٹ آرڈیننس ۲۰۰۰ء کے تحت پتنگ بازی کا سامان تیار کرنے کو Dangerous Business قرار دے دیا گیا ہے۔

⑬ اس کی شق ۱۴۲ کے تحت سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کے محکمہ مال، محنت، سالڈ ویسٹ مینجمنٹ اور سماجی بہبود کے گریڈ ۱۶ یا اس سے بڑے عہدے کے تمام افسران کو اسی آرڈیننس کی دفعہ ۱۴۳ کے تحت ان جرائم کے مرتکب افراد کو قانونی نوٹس جاری کرنے، پابندی کے مؤثر اطلاق کے لئے تمام ضروری اقدامات کرنے اور ملزمان کے خلاف کارروائی کا اختیار دیا گیا ہے۔

⑭ لیسکو کے مرکزی دفتر واقع نِکلسَن روڈ پر ایک کنٹرول روم کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جس کا ٹیلیفون نمبر 111-000-118 ہے یہاں ضلعی حکومت اور پولیس کے نمائندوں کو بھی تعینات کیا گیا ہے۔ یہ کنٹرول روم پتنگ بازی کے سلسلے میں عوامی شکایات کے فوری ازالے کے لئے اقدامات کرے گا۔

⑮ سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کی ویب سائٹ www.lahore.gov.pk پر پتنگ بازی پر پابندی اور اسے بے ضرر کھیل بنانے کے لئے، عوامی تجاویز وآرا حاصل کرنے کے لئے خصوصی انتظام کیا گیا ہے۔ تین ماہ کی اس عبوری مدت کے دوران عوام کی تجاویز کی روشنی

میں اس کھیل کے ضابطے وضع کرنے، پتنگ بازی کے لئے کھلی جگہوں پر اجازت دینے یا نہ دینے، ممنوعہ اقسام کے دھاگوں اور ڈور کی تیاری بند کروانے کے لئے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ افراد کی رائے معلوم کی جائے گی۔

اس مقصد کے لئے ایگزیکٹیو ڈسٹرکٹ آفیسر (کمیونٹی ڈویلپمنٹ) کی سربراہی میں ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دے کر اس میں لیسکو اور کائٹ فلائنگ ایسوسی ایشن کے نمائندوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ پابندی پر عمل درآمد یقینی بنانے کے لئے مانٹیرنگ کمیٹیاں تشکیل دے کر ڈپٹی ڈسٹرکٹ آفیسرز ریونیو کو ان کا سیکرٹری مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یونین کونسل کی سطح پر بھی مقامی ناظمین، یونین کونسلوں کے سیکرٹریوں اور پولیس کے نمائندوں پر مشتمل ٹیمیں تشکیل دے کر اُنہیں اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف کارروائی اور رائے عامہ کا تعاون حاصل کرنے کا فریضہ سونپا گیا ہے۔ ہمارے ان اقدامات کے نتیجے میں ایک عوامی بحث کا آغاز ہوگیا ہے۔ چنانچہ اس مشن اور کارخیر کے لئے ہمیں معاشرے کے تمام طبقوں کا تعاون درکار ہے۔ میری اہلیان لاہور سے استدعا ہے کہ ایک مہذب معاشرے کی تشکیل، خطرات سے پاک تفریح اور اس کھیل کے قوانین وضع کرنے اور ان پر عملدرآمد کے لئے قانون سازی کرنے کے لئے ہماری رہنمائی کریں۔ والدین اور اساتذہ نوجوانوں کو اس کے خطرات سے آگاہ کریں اور ان میں سماجی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا شعور پیدا کریں۔

(روزنامہ 'پاکستان' لاہور: ۱۱ جولائی ۲۰۰۳ء)

قتل عام اور عامر محمود

'چوراہا'......حسن نثار

حسن نثار ایک سیکولر دانشور ہیں مگر پتنگ بازی کے مہلک مضمرات کے پیش نظر وہ اس کے شدید مخالفین میں سے ہیں۔ اُنہوں نے میاں عامر محمود کی تعریف میں یہ کالم تحریر کیا، مگر جب پتنگ بازی سے پابندی اُٹھالی گئی تو اس کی مخالفت میں غالباً کچھ نہیں لکھا۔ حسن نثار جیسے کالم نگاروں کی رائے تو بڑی سنجیدگی سے لیا جاتا ہے، اگر وہ اس موضوع پر مسلسل لکھتے رہیں تو اس کے اثرات پالیسی سازی پر ضرور پڑ سکتے ہیں۔ اگر وہ پتنگ بازی کو 'قتل عام' سمجھتے ہیں تو اس قتل کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ (ع۔ص)

ایک سفید پوش باپ اپنے اکلوتے بیٹے کو ٹیوشن کے بعد واپس لا رہا ہے، باپ بیٹا دونوں گپ لگا رہے ہیں، باپ کی آنکھوں میں مستقبل کے خواب ہیں۔ اچانک بیٹا بات کرنا بند کر دیتا ہے، ہوں ہاں میں بھی جواب نہیں آ رہا کہ اچانک باپ کو اپنے سینے سے لے کر ٹانگوں تک گرم گیلاہٹ کا احساس ہوتا ہے تو وہ گھبرا کر موٹر سائیکل سائیڈ پر روک کر بچے کو اُترنے کے لئے کہتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کی شہ رگ کٹ چکی اور وہ اپنے ہی لخت جگر کے خون میں تر ہے۔

ایک اور حادثہ کا میں جزوی طور پر عینی شاہد ہوں، میں نے کلمہ چوک کے قریب معصوم خون کا وہ بہت بڑا دھبہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، جس کا تعلق ایک ایسے نوعمر لڑکے سے تھا جو کئی بہنوں کا اکلوتا بھائی ہونے کے ناطے پورے خاندان کی جان تھا اور یہ جان بھی بے رحم ڈور نے لے لی، ایک اور گھر چراغ پتنگ بازی کی لفنگ بازی نے گل کر دیا!!

یہ کیسا خون آشام کھیل ہے جس میں قاتل بھی نہیں جانتا کہ اس کا مقتول کون ہے اور اس

نے قتل کیا بھی ہے یا نہیں اور مقتول یا اس کے ورثا کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ قاتل کون تھا؟

قتل عام کا یہ کھیل کب سے جاری تھا۔ تقریباً ہر روز ایک آدھ ایسے ہی 'اندھے قتل' کی خبر ملتی تو میں سوچتا ہوں کہ جس دن حکمران طبقات میں سے کسی کا 'نور چشمی' پتنگ بازی کے پھانسی گھاٹ پر ڈور کے رسے کے پھندے میں جھولا، اُس دن اُنہیں ہوش آئے گی اور اندازہ ہوگا کہ شہر کی سڑکوں پر کیا ہو رہا ہے لیکن ڈسٹرکٹ ناظم نے اس وحشیانہ کھیل کا نوٹس لیا۔ جس کے نتیجہ میں پتنگ اُڑانے، بیچنے اور بنانے پر پابندی ہوگی، خلاف ورزی پر چھ ماہ سے تین سال تک قید کی سزا ہوگی جو میرے نزدیک بہت ہی کم ہے۔

پابندی پر عمل درآمد یقینی بنانے کے لئے ای ڈی او کمیونٹی ڈویلپمنٹ کی زیر قیادت کمیٹی قائم کی جائے گی، نکلسن روڈ پر کنٹرول روم قائم ہو چکا، شکایات پر فوری کارروائی ہوگی۔ سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کے گریڈ ۱۶ سے اوپر کے افسران کو خلاف ورزی کرنے والوں کو نوٹس جاری کرنے کا اختیار ہوگا۔ ضلعی ناظم میاں عامر محمود نے درست کہا۔ یہ کھیل، کھیل نہیں رہا اور اگر کھیل ہے تو باقی ہر کھیل کی طرح اس کے بھی رولز طے کرنا ہوں گے، دھاتی تار اور کیمیکل ڈور نے واقعی قتل عام کا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ میاں عامر محمود کو شہریوں کی مکمل پشت پناہی اور سپورٹ حاصل ہونی چاہئے کیونکہ پتنگ باز بلکہ پتنگ ساز اس فیصلے کے خلاف پیچا ڈالنے سے باز نہیں آئیں گے۔ میاں عامر کا اصل امتحان ہوگا جس میں شہریوں ہی نہیں، میڈیا کو بھی میاں عامر کا بھرپور ساتھ دینا چاہئے۔

رہ گئی بیروزگاری اور اس خونی جنونی دھندے سے روزگار کی وابستگی تو اگر یہ اسی آڑ میں جاری رکھنا ہے تو کل کلاں پیشہ ور قاتل بھی کہیں گے کہ ملک میں بیروزگاری بہت ہے، اس لئے 'نظریۂ ضرورت' کے تحت سزائے موت یا عمر قید کی سزائیں کینسل کی جائیں، پھر روزگار کی آڑ میں ہی ڈاکو، ڈکیتیوں کے لئے قانون میں ترمیم کے لئے تحریک چلائیں گے۔

میاں عامر محمود نے عوامی مفاد میں ایک انسانی قدم اٹھایا ہے تو اسے اپنے موقف پر چٹان کی طرح ڈٹ جانا چاہئے اور بے شک میاں عامر محمود اس سلسلہ میں مبارک باد اور شاباش

کا مستحق ہے کہ اس نے 'ووٹ بنک' اور 'مافیا' کی پرواہ کئے بغیر معصوم اور بے گناہ شہریوں کے قتل عام کو لگام دینے کا آغاز کیا۔

جسے اس پابندی پر اعتراض ہو، وہ ایک لمحہ کے لئے خود کو اس بچے کے باپ یا ماں کی جگہ محسوس کرے جس کا بے گناہ بچہ اس شیطانی، ہیجانی اور غیر انسانی کھیل کی بھینٹ چڑھ گیا۔

ویل ڈن ......اینڈ کیپ اِٹ اَپ عامر محمود............!!!

(روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۲/ جولائی ۲۰۰۳ء)

'پتنگ باز سجنا' سے!

'سویرے سویرے'...... نذیر ناجی

جناب نذیر ناجی نے بجا طور پر پتنگ بازوں کو بے رحم قاتلوں اور تخریب کاروں سے تشبیہ دی ہے۔ اُنہوں نے پتنگ بازی کے نقصانات کے پیش نظر اس لغو تفریح پر عائد کردہ پابندی کو سراہا ہے۔ اُنہیں چاہیے کہ وہ اپنے کالموں کے ذریعے اربابِ بست وکشاد کو پتنگ بازی کے بغیر 'بسنت' کے اہتمام پر آمادہ کریں۔ اگر تماش بین حضرات بسنت جیسا ہندوانہ تہوار منانے پر بضد ہیں تو کم از کم اس میں پتنگ بازی جیسے قاتلانہ فعل سے تو باز رہیں۔ بسنت کے حامی افراد کہتے ہیں کہ بسنت صدیوں سے منایا جا رہا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کئی سو سال پہلے پتنگ کہاں تھے؟ (ع۔ص)

ہمیشہ چند لوگ ہوتے ہیں جو اپنے گناہوں سے پورے معاشرے کو نہ صرف گندا کرتے ہیں بلکہ اکثر اوقات اجتماعی سزاؤں کا شکار بھی بنا دیتے ہیں، وہ چند ہی افراد تھے جنہوں نے امریکہ میں دہشت گردی کی وارداتیں کیں اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو اجتماعی سزا کا ہدف بنوا دیا، آج حالت یہ ہے کہ جس امریکہ میں جا کر لوگ اپنی قسمتیں بنایا کرتے تھے، آج وہاں جانا قریب قریب ناممکن ہو گیا ہے اور جو مسلمان وہاں جا کر بس گئے تھے، ان کا وہاں رہنا بھی روز بروز تکلیف دہ ہوتا جا رہا ہے۔ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر دہشت گردی کی واردات چند افراد کرتے ہیں لیکن پابندی پورے شہر پر لگ جاتی ہے اور وہ غریب لوگ، جن کی عورتیں اور بچے جو گھر کی سواری سے لطف اندوز ہوتے تھے، اس سے محروم ہو جاتے ہیں اور وہ بھی چند ہی افراد ہیں جو پتنگ بازی کے بے ضرر شوق کو ایک قاتلانہ ہتھیار میں بدل ڈالتے ہیں اور پھر پورے شہر کو سستی تفریح کے اس غریبانہ ذریعے سے محروم ہونا پڑتا ہے اور صوبے کے وزیر اعلیٰ چوہدری پرویز الٰہی کو یہ دھمکی دینا پڑتی ہے کہ ہم پتنگ بازی پر سختی سے عمل کرائیں گے!!

گذشتہ شب لاہور کے ناظم میاں عامر محمود نے چند احباب کو اپنے گھر جمع کیا اور پوچھا کہ نئی طرز کے ان شوقیہ قاتلوں کا کیا علاج کیا جائے؟ انہوں نے بتایا کہ اب ایک ایسی ڈور مارکیٹ میں آئی ہے جس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ وہ جسم کے کسی حصے کو چھو لے تو کھال کٹ جاتی ہے، یہ مشینی طور سے بنائی جاتی ہے اور پتنگ باز اپنی انگلی پر لوہے کا خول چڑھا کر اسے استعمال کرتے ہیں لیکن پتنگ کٹ جانے کے بعد جب یہ ڈور گرتی ہے تو اس کا نشانہ بننے والے کسی زرہ بکتر کے اندر نہیں ہوتے، یہی وہ ڈور ہے جو گردنیں کاٹتی ہے۔ گذشتہ چند روز کے اندر لاہور شہر میں ۱۷/افراد اس ڈور کے ہاتھوں جاں بحق ہوئے، قانونی طور پر اس ڈور کی خرید وفروخت ممنوع ہے لیکن اس کا استعمال جاری ہے اور انتظامیہ کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ اس جرم کو روکا جاسکے۔

کچھ لوگ پتنگ بازی کے مقابلے میں برتری کی خاطر وہ تار استعمال کرتے ہیں جو موٹر سائیکل یا رکشہ میں بریک کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ پتنگ کٹنے یا گرنے کی صورت میں جب یہ تاریں بجلی کی تاروں پر گرتی ہیں تو نہ صرف ٹرانسفارمر کو جلا ڈالتی ہیں بلکہ جگہ جگہ بجلی کے نظام کو بھی درہم برہم کردیتی ہیں، جس سے شہریوں کو الگ پریشانی ہوتی ہے اور لیسکو کو کروڑوں کا نقصان اُٹھانا پڑتا ہے، یہ خوبصورت اور بے ضرر سا کھیل محض چند افراد کی وجہ سے نہ صرف ایک قاتلانہ مشغلہ بن گیا بلکہ شہری زندگی کی آسائشیں بھی ختم کرنے لگا اور قومی دولت بھی اُجاڑنے لگا۔

یہ بات میاں عامر محمود بھی مانتے ہیں کہ عوام کو یہ موسمی تہوار منانے سے روکنا اچھی بات نہیں مگر وہ پوچھتے ہیں کہ کیا ہم عوام کو گلی گلی اور سڑک سڑک پھیلے اس قاتلانہ ہتھیار کے سامنے بے یارومددگار چھوڑ دیں؟ کیا کسی پارک میں گیند کے پیچھے بھاگتے بچے کی گردن ڈور سے کٹوا دیں جو کسی کے وحشیانہ شوق کی تسکین کرتی ہے؟ کیا ہم شہریوں کو شدید گرمی اور حبس کے موسم میں زندگی کی ان تمام آسائشوں سے محروم کردیں، جو وہ بجلی کے ذریعے حاصل کرتے ہیں؟ یہ ہیں وہ سوالات جن سے انتظامیہ پریشان ہے۔

عامر محمود کہتے ہیں کہ ہم نے پتنگ بازی پر پابندی صرف تین ماہ کے لئے لگائی ہے، اس دوران ہم شہریوں سے مکالمہ کریں گے اور یہ پوچھیں گے کہ چند افراد کے وحشیانہ شوق اور بے مقصد قاتلانہ کارروائیوں سے معصوم لوگوں کو بچانے کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی جائیں؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم بسنت کے تہوار کی خوشیوں سے لوگوں کو محروم نہیں کرنا چاہتے لیکن شہریوں اور قومی اثاثوں کو بے رحم قاتلوں اور تخریب کاروں کے رحم وکرم پر بھی نہیں چھوڑا جاسکتا۔

ایک دوسرا نقطہ نظر بھی ہے جس کی ترجمانی قاسم ضیا کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قانون کی پابندی کرانا حکومت کا کام ہے۔ یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ ایک پورے کاروباری شعبے کو بند کردیا جائے؟ شہر میں ہزاروں خاندان پتنگیں بنانے اور ڈوریں لگانے کے کاروبار سے وابستہ ہیں، پتنگ بازی پر پابندی کے نتیجے میں یہ سب بیروزگار ہوجائیں گے، اگر موٹروں کے حادثوں میں لوگ مرتے ہیں تو کیا موٹروں پر پابندی لگائیں گے؟ مگر اس موقف کے جواب میں سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی کی روزی کا انحصار دوسرے کی زندگی لینے والے کاروبار پر ہے تو کیا یہ کاروبار اس لئے جاری رکھنے کی اجازت دی جائے کہ اس سے وابستہ شخص بیروزگار ہوجائے گا؟ میرا خیال ہے اس معاملے کو حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کی روایتی کشمکش سے بلند ہوکر دیکھنا چاہئے۔ انتظامیہ نے ابھی تک کوئی واضح فیصلہ نہیں کیا، مناسب یہ ہوگا کہ تمام سیاسی گروپ مل کر بیٹھیں اور اس مسئلے کا مناسب حل تلاش کریں۔

ذاتی طور پر میں نے میاں عامر محمود کو مشورہ دیا کہ دوسرے موسمی تہواروں کی طرح بسنت کو بھی ایک تہوار کی حیثیت دے کر وقت اور علاقے میں محدود کردیا جائے، ہندوؤں کے موسمی تہوار جیسے ہولی، بیساکھی اور لوہڑی وغیرہ سال میں مقررہ ایام پر ہوتے ہیں، کیوں نہ بسنت کے لئے دو یا تین دن مخصوص کردیئے جائیں؟ اور باقی پورا سال پتنگ بازی پر پابندی رہے، دو یا تین دن کے لئے انتظامی نگرانی کا انتظام کرنا ممکن ہے مگر پھر قاسم ضیا کا سوال اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ اس کاروبار سے وابستہ لوگوں کی روزی کا کیا بنے گا؟ مناسب یہ ہوگا کہ ان سوالوں پر شہریوں کو مل کر غور وفکر کرنا چاہئے اور جس کے ذہن میں جو تجویز آئے، اسے خط یا ای میل

کے ذریعے میاں عامر محمود تک پہنچانا چاہئے۔ یہ نوجوان اپنی ڈاک اور ای میل کے پیغامات کو باقاعدگی اور ذمہ داری سے پڑھتا ہے اور بڑے خلوص سے یہ چاہتا ہے کہ شہریوں کو بے جا پابندیوں کا شکار بنائے بغیر ان کی زندگی اور قومی اثاثوں کا تحفظ کیا جاسکے۔

(روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۳/ جولائی ۲۰۰۳ء)

لوٹی ہوئی اور خریدی ہوئی پتنگ میں فرق؟

'بے نیازیاں' ......ڈاکٹر محمد اجمل نیازی

ایک پتنگ باز سجنا کی عیادت کرتے ہوئے دوست نے کہا کہ چند روپوں کی پتنگ کی خاطر تم ٹانگ تڑوا بیٹھے۔ اس نے کہا کہ افسوس، تم لوٹی ہوئی پتنگ اور خریدی ہوئی پتنگ کا فرق بھی نہیں جانتے۔ بس اتنی سی بات ہے کہ پتنگ دوسری چھت پر جا گری تھی اور یہ فیصلہ پتنگ نہیں کرتی، ہوائیں کرتی ہیں۔ ہوا کتنی ضروری ہے پتنگ بازی کے لئے؟ جس کام میں 'بازی' ہو، وہ ہمارے لوگوں کو بہت پسند آتا ہے، اس لئے وہ جلدی کی بجائے جلد بازی کرتے ہیں۔ اس میں ایک مزیدار اور منفی لہر سی پیدا ہو جاتی ہے۔

شاید بہت مزیدار ہونے کے لئے کچھ کچھ منفی ہونا ضروری ہے۔ پتنگ بازی بھی اب ایک منفی مشغلہ ہوتا چلا گیا ہے، اسے مثبت بنانے کی ضرورت ہے اور ہمیں مثبت باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ ہم فطری طور پر ایک نگیٹو قوم ہیں۔

ضلعی ناظم عامر محمود نے پتنگ بازی پر تین مہینوں کے لئے پابندی لگائی ہے، یعنی اس کے بعد اُنہیں کھلی چھٹی ہوگی۔ کھلم کھلا اجازت ہوگی اور میں اس دن سے ڈر رہا ہوں جب تین مہینے ختم ہو جائیں گے۔ ویسے ان تین مہینوں کو بھی ایسے ہی ختم نہیں ہونے دیا جائے گا، چنانچہ پتنگیں اُڑ رہی ہیں، بوکاٹا ہو رہا ہے، پتنگ باز سجنا کا گانا لگا ہوا ہے۔ فریحہ پرویز لہک لہک اور لہرا لہرا کر گا رہی ہے۔ لوگ پتنگ کے ساتھ اسے بھی دیکھ رہے ہیں۔

میں اُڈّی اُڈّی جاواں ہوا دے نال!

یہ گیت کس نے لکھا، کس کے کہنے پہ لکھا؟ کمپوز ہوا، گایا گیا تو پھر......؟

مگر پتنگ اڑانے والے 'پتنگ باز سجنا' میں ایک معمولی سے پتنگے کا جذبہ بھی نہیں۔ یہ ہوتا تو پھر پتنگ بازی ہوتی، جنگ بازی نہ ہوتی۔ سرکاری سرپرستی نے اسے قومی میلہ بنا دیا۔ کامران لاشاری کی نگرانی میں ہوا، جو کچھ ہوا، کروڑوں روپے خرچ ہوئے۔ اس روپے سے کیا نہیں ہوسکتا تھا؟ کم ازکم ایک اور فوڈ سٹریٹ ہی بن جاتی مگر 'فوڈ فارتھاٹ' بھی کوئی چیز ہے۔

ڈور کسی بچے کی گردن پہ پھری اور وہ پھیرا بھی نہ لے سکا، پھریری بھی نہ لے سکا۔ وہ بچہ جومر گیا ہے اس کے قاتل کو نہ جانے دو۔ وہ پھانسی پہ لٹکے تو پھر اُڑاتے رہو پتنگیں! کیسے ظالم ہیں، کہتے ہیں کہ سڑک پر حادثے نہیں ہوتے؟ لوگ مرتے ہیں، تو کیا بسیں ویگنیں چلنا بند ہوجائیں؟ یہ بات کرنے والے کو کسی پتنگ کے ساتھ باندھ کر اُڑایا جائے اور اس کی لاش پر کسی ماں بہن کو رونے نہ دیا جائے۔

پتنگ بازی کوئی کھیل نہیں۔ یہ ایک رسم ہے، رسمی کارروائی۔ ہندوؤں کا تہوار ہے بسنت، مگر اُنہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ بسنت دیکھنے لاہور آتے ہیں۔ کچھ تو ایسا ہو جو ہمارا ہو اور ہندو کریں اور ہم دیکھنے جائیں۔ میں ہندوؤں اور ان کی رسموں کے خلاف نہیں مگر ہم آنکھ بند کئے ان کی باتوں پر عمل کئے جارہے ہیں۔ شادی بیاہ پر جو کچھ ہوتا ہے، بس ہوتا ہی چلا جاتا ہے۔ ایک مہینے تک رسمیں ہی ختم نہیں ہوتیں۔ عرب اور انگریز شادیاں کرتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی اور ہم......؟

پتنگ کی ڈور کو نجانے کس کس چیز کی ڈوز دی جاتی ہے کہ وہ تلوار کی طرح تیز اور بال کی طرح پتلی ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ تو باقاعدہ اسلحہ ہے، اس کا لائسنس ہونا چاہئے اور اس کے استعمال پر قانونی کارروائی ہو۔ اس طرح کی نجانے کتنی خبریں آئیں اور پھر ہمارے بااختیار لوگوں کو خیال آیا۔ کیا کسی ایسے مظلوم بچے کے جنازے میں عامر محمود، چودھری پرویز الٰہی اور جنرل خالد مقبول شریک ہوتے ہیں؟

ان کے علاوہ جن علاقوں میں یہ شغل عام ہے، وہاں بجلی کے آنے جانے کا خاص معاملہ ہے۔ ایک اتوار کو میرے گھر کی بجلی ۵۱۵ دفعہ آئی اور گئی۔ ساتھ والے آدمی کے گھر کا فریج، ٹی وی اور ایئر کنڈیشنڈ جل گیا۔ واپڈا والے الگ پریشان ہیں اور وہ سارا الزام پتنگ بازوں کے سر پر مڑھ دیتے ہیں۔ قصور اپنا بھی ہو تو ان کا قصور نہیں ہوتا۔ تو یہ خیال ضلعی حکمرانوں کو آیا کہ یہ لوگوں کے ساتھ ساتھ افسروں کے ساتھ بھی زیادتی ہو رہی ہے۔ ایک بسنت رُت (جو سارا سال چلتی ہے) پر اُٹھنے والے اخراجات کو جمع کیا جائے تو میوہسپتال جیسا ایک ہسپتال بنایا جاسکتا ہے۔ عامر محمود بتائیں کہ یہ ہسپتال کیا بن رہا ہے اور کہاں بن رہا ہے؟ کوئی فلاحی کام بھی ہونا چاہیے۔ ورنہ جس پابندی سے فائدہ نہیں ہوتا تو کیا فائدہ؟

ویسے پابندی لگائی نہیں جاتی۔ پابندی خود بلکہ خود بخود کی جاتی ہے۔ ہم اگر مہذب قوم تھے تو عامر محمود کا یہ بیان ہی کافی تھا کہ آج کے بعد لاہور میں پتنگیں نہیں اُڑیں گی۔ پتنگ بازی اور پتنگ سازی ایک صنعت ہے اور ایک کھیل تو اس ملک میں کیا کیا صنعتیں بند پڑی ہیں، کیسے کیسے کھیل ختم ہو چکے۔ ایک زمانے میں کبڈی، والی بال، نیزہ بازی اور گلی ڈنڈا ہوتا تھا۔ میرا یقین ہے کہ کرکٹ ہمارے گلی ڈنڈے کی ایڈوانس شکل ہے۔ وہ عالمی کھیل ہے اور گلی ڈنڈا عوامی کھیل بھی نہیں رہا۔

ڈسپلن وہ ہے جو اندر سے پھوٹے۔ خود ہی آدمی کا دل چاہے کہ پابندی کرے، ہم پر ہر چیز باہر سے ٹھونسنے اور تھوپنے کی کوشش کی جاتی ہے، پھر ناکامی ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں جب کوئی قانون بنتا ہے تو اسے توڑنے والے پہلے ہی پیدا ہو جاتے ہیں اور اسے مذاق بنا دیتے ہیں، کوئی ان کا ہاتھ روکنے والا نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں قانون اور لاوارث خاتون سے ایک جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ عامر محمود نے یہ پابندی دفعہ ۱۴۴ کے تحت لگائی اور یہ دفعہ ایک برس میں ۱۴۴ دفعہ توڑی جاتی ہے۔

اس پابندی کا بھی وہی حال نہ ہو جو چودھری پرویز الٰہی کے اس قانون کا ہوا، جو اُنہوں نے شادیوں پر کھانے کی پابندی کے سلسلہ میں بنایا۔ ولیمہ تو ٹھیک ہے مگر اس سے زندہ لوگوں

کا قیمہ تو نہ بنایا جائے۔ چودھری صاحب کی ایک لیڈی ایم پی اے لیلیٰ مقدس (دُلہن) نے اپنی شادی پر اپنے دُولہا کو کھلی اجازت دے دی۔ چنانچہ باراتیوں کا تو شمار بھی نہ تھا۔ کھانے بھی بے شمار تھے، اس پر کالم لکھے گئے مگر چودھری صاحب اور ان کے کسی چہیتے نے اس کا نوٹس نہ لیا۔ ایک بارات میں تو چودھری صاحب خود شریک تھے، وہاں کیا ہوا؟ میں نہیں بتاؤں گا، عامر محمود بھی نہ بتائے۔ وہ کسی دن ہماری طرف آ کے دیکھے، پتنگیں اُڑتی ہوئی کتنی حسین لگتی ہیں۔ اسے لوٹی ہوئی اور خریدی ہوئی پتنگ کا فرق بھی بتا دیا جائے گا۔ وہ دریائے راوی کے پیٹ میں ایک تفریح گاہ بنا رہا ہے، جو عام لوگوں کے لئے ہوگی۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوگا کہ مجیب الرحمٰن شامی بھی خوش ہو جائے گا اور رفیق ڈوگر بھی۔ سہیل صاحب اپنے ناظم کی باتیں توجہ سے سنیں اور یہ کہ ہم ان کے ساتھ ہیں، ساتھ ساتھ ہیں۔ کچھ ایسا کر جائیں عامر محمود کہ لوگوں کو پتہ چلے ناظم واقعی نظم و نسق والا ہوتا ہے، بدنظمی کا سرپرست نہیں ہوتا۔

(روزنامہ 'دن' لاہور: ۵/ جولائی ۲۰۰۳ء)

پتنگ بازی

'طلوع'......ارشاد احمد عارف

دو تین سال قبل جب پنجاب میں بسنت کے نام پر ہلڑ بازی، بے ہودہ اُچھل کود، فضول خرچی اور شراب و شباب کو پروان چڑھانے کا 'لاشاری نظام' رائج کیا جارہا تھا تو ہر ذی شعور شخص کو اندازہ تھا کہ پتنگ بازی کے بے ضرر شوق اور موسمی تہوار حکومتی سرپرستی کا تڑکا لگنے کے بعد بگڑے ہوئے مالداروں کے لئے نقصان مایہ اور غریبوں کے لئے شماتتِ ہمسایہ کے علاوہ قیمتی جانوں کے ضیاع کا باعث بنے گا، مگر اسے تنگ نظری، تفریح دشمنی اور بنیاد پرستی قرار دے کر مسترد کردیا گیا۔

دراصل ہر مطلق العنان حکمران عوام کی توجہ اپنے غیر جمہوری اقدامات سے ہٹانے اور شہری حقوق و آزادیوں کی عدم موجودگی میں پیدا ہونے والی گھٹن کو کم کرنے کے لئے کھیل تماشے کو فروغ دینے کی کوشش کرتا ہے تاکہ نوجوان نسل اس میں پڑ کر اہم قومی امور سے لاتعلق ہوجائے اور وہ آرام سے غیر آئینی حکمرانی کے مزے لیتا رہے۔ مرحوم ضیاء الحق نے کرکٹ کو سر پر چڑھایا جو ہمارے قومی اُمور اور علاقائی کھیلوں کو نگل گئی۔ جنرل پرویز مشرف کو پتہ نہیں کس سیانے نے بسنت اور پتنگ بازی کی راہ دکھائی۔ سرکاری طنبوروں نے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ سرکاری سرپرستی سے بسنت کا تہوار اقتصادی و معاشی سرگرمیوں میں اضافہ کررہا ہے، سیاحوں کو لارہا ہے حالانکہ لاہور میں ہونے والی تقریبات میں سوائے اسلام آباد کے چند گھروں اور گوریوں کے سوا کسی نے شرکت نہیں کی۔ باقی وہی بگڑے ہوئے جاگیردار، کھلنڈرے سرمایہ دار وصنعتکار اور حرام خور سول و خاکی

بیوروکریٹس اپنی کندہ ناتراش اولاد کے ساتھ اُچھل کود کرتے رہے جنھوں نے غریب لوگوں کا خون چوس کر تجوریاں بھر رکھی ہیں اور ہر یوم کو یومِ عید اور ہر شب کو شبِ برات سمجھتے ہیں۔

اس کے برعکس پتنگ بازی کی برکت سے صرف واپڈا کو سالانہ اڑھائی ارب روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ بار بار بجلی جانے سے گھریلو اشیا اور صنعتی وتجارتی اداروں کو جو نقصان پہنچتا ہے، اس کی مالیت کا اندازہ آج تک نہیں لگایا جاسکا، بسنت کے موقع پر 'کوٹھا کلچر' کو جو فروغ ملتا ہے اس کی تو خیر ہمارے حکمرانوں اور اشرافیہ کے علاوہ بعض نام نہاد لبرل قلمکاروں کو پرواہی نہیں،مگر اصل نقصان جانی ہے جو دھاتی تار کے بجلی کے تاروں سے چھونے، چھتوں سے گرنے اور گلے پر قاتل ڈور پھرنے سے واقع ہوتا ہے۔ بسنت کو گزرے چار ماہ ہوگئے مگر صرف پچھلے دو ماہ کے دوران ۱۷ قیمتی جانیں ضائع ہوچکی ہیں۔ زخمیوں کی تعداد درجنوں میں ہے اور آگے چل کر معلوم نہیں مزید کتنے گھرانوں کی روشنیاں بجھیں گی اور کتنے خاندانوں کو صدمہ برداشت کرنا پڑے گا......!!

ہمارے ہاں جب تک پانی سر سے نہ گزر جائے کسی برائی کو روکنے اور تباہ کاری کا سدباب کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ مسلسل اموات کے بعد ناظم لاہور میاں عامر محمود نے دفعہ ۱۴۴ کے تحت شہر میں پتنگ بازی پر پابندی لگا دی ہے۔ حالانکہ اگر دو تین سال قبل حکومت بسنت کی سرپرستی کا آغاز نہ کرتی اور ٹی وی چینلز پر ہر طرف 'پتنگ باز سجنا' کی بلائیں نہ لی جاتیں تو اس قدر جانی و مالی نقصان سے بھی بچا جاسکتا تھا اور پتنگ بازی پر مکمل پابندی کی بھی شاید ضرورت نہ پڑتی،تاہم دیر آید درست آید۔ البتہ پابندی کے ساتھ ساتھ دھاتی ڈور بنانے، ڈور کو مانجھا لگا کر آلہ قتل بنانے اور گھروں کی چھتوں، پارکوں، سڑکوں وغیرہ کو قتل گاہیں بنانے والوں پر ہاتھ ڈالنا بھی ضروری ہے تاکہ یہ سلسلہ بند ہو اور لوگ اطمینان سے اپنے معصوم بچوں کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر باہر نکل سکیں۔

لاہور میں دھاتی ڈور کہاں بنتی اور بکتی ہے؟ کن کن سڑکوں کے کنارے اور پارکوں میں ڈور کو مانجھا لگایا جاتا ہے اور کن حویلیوں اور ہوٹلوں میں بسنت کے نام پر مذہب و اخلاق کی

دھجیاں بکھیری جاتی ہیں، اسراف کے ان مظاہروں سے ملک کے ۹۵ فیصد عوام کے احساسِ محرومی میں اضافہ کیا جاتا ہے، اور نوجوان نسل کو تعلیم، مطالعہ، جدوجہد اور دیگر مثبت سرگرمیوں سے ہٹا کر کھیل تماشے کا خوگر بنایا جاتا ہے۔اس کا سب کو پتہ ہے لیکن جب گھر کو آگ لگا کر تماشہ دیکھنے کی عادت پختہ ہوجائے تو پھر یہی ہوتا ہے جو لاہور میں عرصہ سے ہو رہا ہے۔ اور ضلعی حکومت کو اس کی روک تھام کے لئے قانون کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ خدا کرے کہ ضلعی حکومت کی یہ کوششیں کامیاب ہوں اور مزید کسی کا چراغ گل نہ ہونے پائے۔

اس مقصد کے لئے میاں عامر محمود کو شعور کی بیداری اور احساس زیاں اجاگر کرنے کی ایک بھرپور مہم منظّم کرنی پڑے گی تاکہ پابندی کا وہی حشر نہ ہو جو بالعموم دفعہ ۱۴۴ کا ہوتا رہا ہے۔ یا ٹی وی چینل سگریٹ سازوں کے حوالے کرنے کے بعد پبلک میں سگریٹ نوشی پر پابندی کے حکم کا ہوا ہے۔ متمول خاندانوں کے بگڑے ہوئے بچے بلکہ بڑے خلاف ورزی پر اُتر آئیں تو میاں عامر کیا کرلیں گے۔ ویسے بھی جہاں آئین کا احترام اُٹھ جائے، وہاں دفعہ ۱۴۴ جیسے قانون کی پابندی کرانا مشکل ہے مگر ؎

مشکلے نیست کہ آسان نشود

مرد بائد کہ ہراساں نہ شود

(روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۳/ جولائی ۲۰۰۳ء)

جشنِ بہاراں اور احوالِ وطن

’جاوید نامہ‘...... جاوید قریشی

جاوید قریشی صاحب پنجاب کے چیف سیکرٹری رہے ہیں، اُنہوں نے بجا طور پر بسنت کے تہوار کو انتہا پسندی قرار دیا ہے۔ آج جب کہ حکومتِ پاکستان اعتدال پسندی کی پالیسی اپنا رہی ہے، اُسے چاہیے کہ بسنت کے معاملے میں بھی اعتدال پسندی کو یقینی بنائے اور کم از کم اس قاتلانہ تہوار کو انسانیت کے دائرے میں لانے کے لیے مؤثر اقدامات اُٹھائے۔ (ع۔ص)

لاہور شہر میں ان دنوں سال کا سب سے اہم تہوار بسنت اپنی تمام رعنائیوں اور رنگینیوں کے ساتھ اُفق پر جلوہ گر ہے۔ استقبالِ بسنت کے سلسلہ میں پتنگ بازی پر سے پابندی اُٹھا لی گئی ہے۔ دھات کی ڈور مانجھے کی بجائے استعمال کرنے کی وبا حکومت کے انتباہ اور دھمکیوں کے باوجود عام ہے۔ بار بار بجلی کی رو منقطع ہو جانے سے شہریوں کو جو تکلیف ہو سو ہو، خود واپڈا کو بھی بیش بہا نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لگتا ہے کہ خرابی اگر ایک بار شروع ہو جائے تو آسانی سے قابو میں نہیں آتی ہے۔ حکومت اس سلسلے میں اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتی ہے۔ بسنت جو موسم سرما کے اختتام اور فصل بہار کے استقبال کے لئے ایک معصوم سا تہوار ہوا کرتا تھا، وقت کے ساتھ ساتھ یقیناً سال بھر کا سب سے بڑا تہوار بن گیا ہے۔ ایسا لوگوں کی اپنی خواہش اور کوشش سے ہوا۔ اس میں حکومت کا کوئی حصہ یا ذمہ داری نہیں ہے۔ البتہ جب حکومت نے محسوس کیا کہ اس کو روکنے کی کوئی صورت نہیں تو خود اس میں شریک ہو گئی۔ اب تو ایسا ہے کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ بسنت فیسٹیول ہے کہ رو کے نہیں رکتا۔ البتہ ایک رسم جو حکومت کی مخالفت کے باوجود اس موقع پر جڑ پکڑ گئی ہے پتنگ بازوں کی طرف سے بلا جواز

فائرنگ کی بدعت ہے۔جس سے بسا اوقات بے گناہ شہریوں کا جانی اتلاف بھی ہوتا ہے،کوئی ایک گولی چلانے والوں کی لاپرواہی سے کسی قیمتی زندگی کو ختم کرسکتی ہے اور ایسا بسا اوقات ہوتا بھی ہے۔ ہوٹل خصوصی انتظامات کے ذریعے اپنے سرپرستوں کی تفریح کے لئے پتنگ بازی کے جملہ لوازمات کے علاوہ کھانے پینے کے بھی اعلیٰ اور وسیع انتظامات کرتے ہیں۔ چھتوں پر پتنگ بازی کے مقابلے اور رنگ و بو کے جملہ لوازمات اس کے ساتھ ہی کھانے پینے کا اہتمام۔شہر کی اندرونی حویلیاں عجیب منظر پیش کرتی ہیں۔ مردوں کے علاوہ خواتین بھی بڑی تعداد میں ان تقریبات اور ہنگاموں میں شریک ہوتی ہیں۔ان میں سے کچھ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا کہ پاکستان ایسے ملک میں شہری اس قسم کی تقریبات اور تفریح منعقد کرسکتے ہیں۔لیکن ہر شعبہ کی طرح ہم پاکستانی اس موقع پر بھی اعتدال سے گزر جاتے ہیں۔شہریوں کو تفریح منانے اور ذوقِ سلیم کی تسکین کا پورا پورا حق حاصل ہونا چاہئے لیکن ہر چیز کی کوئی انتہا بھی ہوتی ہے، بسنت کا تہوار لگتا ہے کہ اعتدال کی حدوں سے کہیں آگے گزر چکا!!

(روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۱۶ر فروری ۲۰۰۴ء)

بسنت، ویلنٹائن......'شامِ غزل' فیصل آباد

'بشارتیں+بجھارتیں'...... بشریٰ رحمٰن

...... یوں لگتا ہے کہ گانے بجانے کا شوق کچھ زیادہ ہو گیا ہے......!!

ادھر لاہور میں کئی سالوں سے ویلنٹائن ڈے منایا جا رہا ہے اور تنقید کی زد میں بھی ہے۔ مگر یہ دن آیا کہاں سے، ہمارے بچپن میں ایسے ایسے دن اور ایسی ایسی راتیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔

بسنت بہار کے ساتھ پتنگ بازی بھی تنقید کی زد میں آ رہی ہے...... اس کے حق میں اور اس کے خلاف بہت کچھ کہا جا سکتا ہے...... مگر اہل خرد ایک دن بیٹھ کے سوچیں کہ ایسا کیوں ہے؟ آج کی دنیا میں کوئی بھی ملک بند کمرے میں نہیں بیٹھ سکتا۔ انٹرنیٹ اور ٹی وی کے ذریعے دنیا کی جانب ہزارہا کھڑکیاں کھل گئی ہیں۔ نوجوان نسل کو ہمیشہ تازہ ہوا، خوشبو اور چاندنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے پاس وقت بھی ہوتا ہے اور اُمنگ بھی اور کچھ کر گزرنے کی ترنگ بھی ...... مگر تہذیب کی آبیاری کہاں ہوتی ہے...... پہلے ماں کے آنگن میں اور پھر درسگاہ کے صحن میں، تہذیب سے تمدن پروان چڑھتا ہے۔ اور تمدن کلچر کا رنگ اختیار کرتا ہے...... ہمارے ہاں گھروں اور درسگاہوں میں تہذیب اور تربیت کا عنصر نکل گیا ہے...... والدین سے بات کریں تو وہ بے بس نظر آتے ہیں اور اساتذہ بھی...... اصل میں کسی کے پاس وقت ہی نہیں ہے...... زندگی یہاں بھی تیز تر ہو گئی ہے...... مگر آج بھی جن استادوں اور والدین کے پاس وقت ہے وہ قوم کو سرمایہ فراہم کر رہے ہیں!!

ذرا رکئے اور سوچئے...... کیا آج ہم سے ہر شخص صرف اعتراض نہیں کر رہا......؟ ہر کوئی نقاد

بنا بیٹھا ہے۔اور ہر بات پر اعتراض کر رہا ہے۔جن اطوار کی داغ بیل والدین نہیں ڈال سکے اور جو اسباق اساتذہ نہیں پڑھا سکے، وہ حکومت کیسے سکھا سکتی ہے، جو آئے دن بدل جاتی ہے......

کوئی شے بری نہیں ہوتی، اگر اعتدال میں رہے۔ اُمنگ بھی اور جنگ بھی......رسم ورواج فیشن کی طرح ہوتے ہیں، آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔سمندر کی لہروں کی طرح...... بچوں اور نوجوانوں کو صحت مند تفریح چاہئے۔ بیکاروں کے لئے کوئی کام درکار ہے...... ایک سبب پیدا کر لیتے ہیں ہم سب...... اور کتنا آسان ہے، اعتراض پر اعتراض کئے جانا...... رات گئے جب میں فیصل آباد سے واپس آ رہی تھی۔ تو موٹر وے کی زمین سے میں دور دور لاہور کا آسمان ڈھونڈھ رہی تھی۔ لاہور پتنگ بازوں کی گرمی سے سرخ ہو رہا تھا......نعرے، گیت، ساز، کلاشنکوف سب آوازیں آسمانی مخلوق کو ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ زمین کا شور آسمان پر پہنچا ہوا تھا۔نجانے کیوں اندھیرے کے آخری لمحے میں مجھے صبح کے آنے کا گمان ہوتا ہے۔ میں سوچ رہی تھی یہی نسل جب آگے چل کر کمان سنبھالے تو ہر شے سنور جائے گی، فی الحال تو کلاشنکوف کی تڑ تڑ اور ٹرانسفارمروں کی ٹھاہ ٹھاہ ہے بسنت چند بڑے خاندان منا رہے ہیں اور عذاب لاکھوں افراد سہ رہے ہیں۔

(روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۱۶رفروری ۲۰۰۴ء)

بسنت، لاہور اور 'کوٹھا'

'تجزیہ'......عطاء الرحمٰن

جناب عطاء الرحمٰن ایک سلیم الفکر اور سنجیدہ طبع دانش ور ہیں۔ اُنہوں نے اپنے کالم میں ایک سیکولر دانش ور خالد حسن جو کہ انگریزی صحافت کے معروف کالم نگار ہیں، کے خیالات کو بھی شامل کر دیا ہے۔ گویا بسنت جیسے مکروہ اور سماج دشمن تہوار کی مخالفت میں دائیں اور بائیں بازو کے دانش وروں کی تفریق نہیں ہے۔ جناب عطاء الرحمٰن کا یہ کالم بے حد فکر انگیز ہے۔ (ع۔ص)

میں یہ سطور لکھ رہا ہوں تو پتنگوں سے آسمان پیلا ہوا جا رہا ہے۔ اسی کو موسم بہار کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی کا جشن منایا جاتا ہے۔ پہلے جو بہار فصل گل کے کھل اُٹھنے کا نام ہوتا تھا۔ ہر سو پھولوں کی مہک ہوتی تھی۔ پیلا رنگ بھی سرسوں کے پھولوں کا ہوتا تھا۔ اب وہ کیفیت نہیں رہی ......نظریں آسمان پر ہوتی ہیں اور خبریں متوالوں کی گردنیں کٹ کر گر مرنے کی چھپتی ہیں۔ بسنت پہلے بھی منائی جاتی تھی ......صدیوں سے اس کا رواج چلا آ رہا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ موسمی تہوار ہے، دوسرا نقطہ نظر یہ بتاتا ہے کہ ہندو ثقافت کے باقیات السیئات میں سے ہے۔ مسلم کلچر کے ساتھ زیادہ لگا نہیں رکھتی ،مگر کیا دور آ گیا ہے کہ بھارت میں کم اور پاکستان خاص طور پر لاہور اور اس کے گرد ونواح میں زیادہ جوش، ولولے اور بسا اوقات نا قابل بیان رنگینیوں کے ساتھ بسنت منائی جاتی ہے۔ ایسا نہیں کہ لاہور کی فضائیں پہلے اس سے نا آشنا تھیں۔ میلے کا سا سماں پہلے بھی ہوتا تھا۔ دن کے وقت مکانوں کی چھتیں اس سے آباد ہوتی تھیں۔ بوکاٹا کی آوازیں بھی بلند ہوتی تھیں۔ خاص مزاج اور مخصوص روایات کے حامل لاہوریے دن بھر کے لئے جی خوش کر لیتے تھے لیکن راتیں کم کم آباد ہوتی تھیں۔ شراب و کباب

کی محفلیں اس طرح نہیں سجتی تھیں، جان و مال کا نقصان بھی اس انداز سے نہیں ہوتا تھا۔ امرتسر اور دہلی لاہور سے زیادہ فاصلے پر واقع نہیں ہیں لیکن بھارت میں ہیں۔عجیب بات ہے کہ وہاں بسنت کی رات اور دن کو یہ شباب نصیب نہیں ہوتا جو ہمارے لاہور کا خاصا بن گیا ہے۔ وہاں کے متوالے بسنت کے حسن یار کا نظارہ کرنے کے لئے مصر کے اُس بازار میں آنے کے لئے بے تاب ہوتے ہیں جو اب لاہور میں سجتا ہے!!

پچھلے چار برس سے بسنت کو حکومت کی خصوصی سرپرستی حاصل ہے۔اسی دوران میں یہ اہل بھارت کو بہت پیچھے چھوڑ گیا ہے۔تہذیب ان کی، نظارے ہمارے، کیا خوب امتزاج ہے!! بھارت اور دیگر مقامات سے آئے مہمانوں کے دل بہلانے کا بھی خوب سامان ہوتا ہے۔ حیرت ہے کہ پاکستان سے کشمیر اور 'دہشت گردی' کے بارے میں تمام شرائط منوا لینے کے باوجود، نام نہاد دوستی کا دور شروع کرنے کے باوصف بھارت کے حکمرانوں کو آج بھی اس پر اعتراض ہے کہ ان کی کرکٹ ٹیم ہمارے ملک میں آ کر میچ کھیلے۔ مبادا اسے شکست ہوجائے اور بھارتیوں کی سبکی ہوجائے...... لیکن ہمارے اس انداز سے بسنت منانے پر انہیں بہت خوشی ہے۔شائد اس میں بھی وہ اپنی ثقافت کی یلغار اور کامیابی کے آثار دیکھ رہے ہیں۔

تین برس قبل انگریزی کے معروف کالم نگار خالد حسن نے ۲۶ر فروری ۲۰۰۱ء کے روزنامہ 'ڈان' کی اشاعت میں لاہور کی بسنت کا احوال قلم بند کیا تھا ...... خالد حسن فکرونظر کے لحاظ سے 'روشن خیال' ہیں۔ لہٰذا ۲۰۰۱ء کی بسنت کو جو کچھ انہوں نے لاہور میں دیکھا، وہ انہی کے الفاظ میں پڑھیئے۔ ذیل میں ان کے کالم The Yellow Valentine کے لفظ لفظ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

''پچھلے چند برسوں سے اور خاص طور پر امسال بسنت کے تہوار کو لاہور میں سماجی رتبے کو بلند کرنے اور اپنی شخصیت کو چمکانے کی خاطر منایا گیا ہے۔شہر کے مکانوں کی چھتوں کو جنہیں 'کوٹھوں' کا نام دینا زیادہ موزوں ہوگا، پوری شب اور دن کے لئے بھاری رقوم کے عوض کرائے پر حاصل کرلیا گیا تھا تاکہ انسانوں کی اس جنس کو یہاں مدعو کیا جاسکے جنہیں اہل

پاکستان 'وی آئی پی' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہاں ان کے لئے پتنگیں اُڑانے، کھانوں سے لطف اندوز ہونے اور پینے پلانے کا بندوبست تھا۔ یا یوں کہیئے کہ پینے پلانے، لذتِ کام ودہن سے شاد کام ہونے اور پھر پتنگ بازی کا اہتمام تھا۔ کچھ لوگوں نے تو ذاتی یا کرائے پر حاصل کردہ مکانوں کی چھتوں پر اہم مناصب پر فائز اور چمک دمک رکھنے والے لوگوں کی خاطر روپیہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان مہمانوں میں ایسے افراد بھی تھے جنہیں دھکے دے کر نیچے پھینک دیا جاتا تو بہت بہتر ہوتا۔ اس سے ہمارے ملک کو کچھ گندے کیڑوں سے تو نجات مل جاتی۔

اس برس (بسنت کے روز) اسلام آباد خالی پڑا تھا۔ خاص طور پر یہاں مقیم غیر ملکی سفارت کاروں میں سے تو بہت سے لوگ لاہور پہنچے ہوئے تھے۔ یہاں اُنہوں نے پتنگیں اُڑائیں، شکم پروری کی، پینے پلانے کے شغل سے شاد کام ہوئے۔ پیلے رنگ کے دیدہ زیب بھڑکیلے ملبوسات پہنے ہوئے خواتین کو دیکھ کر آنکھوں کو سرور بہم پہنچایا۔

کراچی تک سے صنعت کار اور تفریح کے دلدادہ نوجوان اپنی بیویوں اور گرل فرینڈز کے ساتھ ہوائی جہازوں کی اُڑان لے کر لاہور پہنچے ہوئے تھے تاکہ اہم افراد کی آنکھوں کے سامنے رہیں اور ان کے ساتھ تصویریں بھی بنواسکیں۔ فلمی ستاروں نے اپنے 'شو' علیحدہ منعقد کرر کھے تھے۔ اسی لئے کئی ایک افراد کے پاس ایک سے زیادہ مقامات کے دعوت نامے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بسنت کی شب اور اس کا خاص دن ایک سے دوسرے کوٹھے پر چڑھتے اور اُترتے گذارا...... پینے پلانے کا ذوق رکھنے والوں کے لئے اتنی زیادہ مقدار میں دستیاب تھی کہ دیکھ کر حیرانی ہوتی تھی کہ ابھی تک پاکستان کے بارے میں سرکاری طور پر اعلان کیوں نہیں کر دیا گیا کہ یہاں آبِ سرخ سے بہنے والی نہریں خشک نہیں، لبریز ہیں۔ کیونکہ اب مسئلہ یہ نہیں ہے کہ شراب کو حاصل کیسے کیا جائے، بلکہ چیلنج تو یہ درپیش ہے کہ اس سے بچ کر کیسے رہا جاسکتا ہے؟''

یہ ہے ۲۰۰۱ء کی بسنت والی رات کا منظر نامہ...... ۲۰۰۴ء کی شب جو ابھی ابھی گذری ہے کیسی ہوگی۔ اس نے ترقی اور عروج کی کیا کیا منازل طے نہیں کی ہوں گی۔ اس کا اندازہ آپ خود لگائیں......!!

بسنت ایک قدیم رواج ہے۔ ان دنوں اسے کچھ زیادہ جوبن ملا ہے لیکن یہ جوبن بھی پہلی مرتبہ اس دن کے نصیب میں نہیں ہوا۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی دہلی بھی زیادہ مختلف نہ تھی۔ مشہور انشا پرداز انتظار حسین نے اپنی تازہ کتاب 'دلی تھا جس کا نام' میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''ادھر دن ذرا ڈھلا اور ادھر پتنگ بازوں نے جھرجھری لی۔ نامی گرامی استاد پتنگ باز ڈور کے بڑے پندے، ہچکے، چرخیاں، پتنگ، کنکوے لے کر نکلے اور چلے لال قلعہ کے شمال میں سلیم گڑھ کی طرف۔ ادھر سے بادشاہ بہادر شاہ ظفر تختِ رواں پر سوار ہو کر یہاں آن پہنچے۔ ایک طرف شاہی پتنگ باز مرزا یاور بخت کی سرکردگی میں شروع ہوئے۔ دوسری طرف سے معین الملک نظامت خاں شاہی ناظر کی ٹولی نے پتنگ کو ٹھمکی دی۔ ایک پتنگ دوسری پتنگ، تیسری پتنگ، دیکھتے دیکھتے سارا آسمان پتنگوں سے بھر گیا اور لیجئے پیچ شروع ہو گئے۔ دونوں طرف سے اُستادوں نے ڈھیل دینی شروع کر دی۔ پتنگیں جیسے آسمان سے جا لگی ہوں اور ڈور نے پیٹا اس قدر چھوڑا کہ ڈور جیسے زمین کو چھونے لگی۔ مگر سواروں نے کہ اسی کام کے لئے تعینات ہوئے تھے، اپنی انکڑے دار لکڑی سے ڈور کو اوپر اٹھایا اور سہارا دیا اور لیجئے ایک پتنگ کٹ گئی اور اس کے ساتھ 'وہ کاٹا' کا شور اٹھا۔ استاد کی وضع داری دیکھو کہ اس نے ڈور کھینچنے کی بجائے اسے ہتھے سے توڑ دیا۔ جہاں پتنگ بھی گئی وہاں ڈور بھی جائے۔

بادشاہ سلامت کو بھی جھرجھری آئی۔ تختِ رواں سے اتر کر اشارہ کیا۔ شاہی پتنگ باز نے اشارے کو سمجھا۔ آگے بڑھ کر مچھلی کے چھلکے والے دستانے پہنائے اور قد آدم تکل حضور میں پیش کی۔ تکل ھمکی کے ساتھ اوپر اٹھتی چلی گئی اور دیکھتے دیکھتے تارا بن گئی۔

شہر کے پتنگ باز اپنی جگہ، قلعہ کے پتنگ باز اپنی جگہ۔ دونوں اپنے اپنے مقام پر بھاری۔ اپنے اپنے فن میں طاق۔ قلعہ کے پتنگ بازوں میں شہزادہ یاور بخت کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ان کی پتنگ شاذ و نادر ہی کٹتی تھی۔ مگر ایک اور بھی شہزادہ تھا کہ وہ بھی پتنگ بازی میں جواب نہیں رکھتا تھا۔ یہ تھے مرحوم شاہ عالم بادشاہ کے پڑپوتے فخر الدین عالم۔ جو فخر الدین عالم سے مرزا فخرو بنے۔ مرزا فخرو سے مرزا چپاتی۔ قلعہ سے نکل کر دربدر ہوئے۔ شہزادگی کے ٹھاٹ باٹ جاتے رہے مگر نہ پتنگ بازی سے باز آئے، نہ کبوتر بازی سے قطع تعلق کیا، نہ

شطرنج بازی اور چوسر بازی سے توبہ کی۔ آخر میں ڈور پتنگ ہی ذریعہ روزگار بنی۔ وہ زمانہ گذر گیا جب ان کا کلسرا یا السرا نوشیروان بن کر اترتا تھا۔ یعنی نو پتنگوں کو کاٹا اور فتح کا ڈنکا بجاتے نیچے اُتر آیا۔ اب بڑھاپا تھا اور ایک چھوٹی سی دکان میں پتنگوں کے ساتھ بسیرا۔ اب پتنگیں بیچتے تھے اور چیلوں کو پتنگ بازی کے داؤ پیچ بتاتے تھے۔''

دیکھ لیا آپ نے سلطنتِ مغلیہ کا زوال اور پتنگ بازی کا شوق وعروج کس طرح ایک دوسرے کے دمساز بنے۔ لیکن جب مسلمانوں کی اس سلطنت کو عروج اور کمال حاصل تھا یعنی بابر، اکبر، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگزیب کا دور کامیابی و کامرانی تھا جب یہ صورتِ حال نہیں تھی۔ ہرسو علم وفن کا چرچا تھا۔ انواع واقسام کی ہنرمندی کو عروج حاصل تھا۔ لاہور، دہلی اور آگرہ میں جابجا اہل علم کی محفلیں سجتی تھیں۔ شرحِ خواندگی ۸۰ فیصد سے زیادہ تھی۔ لاہور کو علم کا عروس البلاد کہا جاتا تھا۔ شاہجہاں کا عہد آیا تو تعمیرات کے فن نے وہ کمال حاصل کیا کہ سرزمین ہند پر جابجا اس کے نقش ایسے اُبھر کر نمودار ہوئے۔ زمین کا حسن بنے اور آج ان کا شمار عجائباتِ عالم میں ہوتا ہے۔ پتنگ بازی، کبوتر بازی، شطرنج بازی اور اس طرح کے اشتغال کا نصیبہ مغلوں کے دورِ زوال میں جاگا اور اُنہیں لے ڈوبا۔

(روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۱۶رفروری ۲۰۰۴ء)

'سرراہے'

اس وقت وطن عزیز میں 'بسنت بجلی اُڑنت' کا تہوار حسبِ سابق پورے جوش وخروش اور عقیدت وشوق سے منایا جارہا ہے۔ بسنت نائٹ گزر گئی اوراب بسنت ہی بسنت ہے جواس وقت تک جاری رہے گی جب تک بہار کی آخری کلی بھی مرجھا نہیں جاتی۔ بسنت کس قدر 'مبارک' تہوار ہے کہ اس نے پوری قوم کو دوفرقوں میں تقسیم کردیا، ایک وہ فرقہ جوبسنتی رنگ میں رنگا ہوا صرف عیش ونشاط اور ناؤنوش میں ڈوبنے کا قائل ہے۔ دوسرا وہ جسے یہ ضد ہے کہ وہ دوتہواروں کے علاوہ کسی تیسرے تہوار کوتسلیم نہیں کرسکتا۔ ہم بیسیویں صدی میں جس فرقہ بندی کے اسیر تھے، آج اکیسویں صدی میں ترقی کرکے اس کی بنیاد مذہب کی بجائے ہندو کلچر پر رکھ دی ہے جسے درآمد کرنے کے لئے مسئلہ کشمیر کے حل سے پہلے سارے راستے کھول دیے گئے ہیں تاکہ بعد میں اگر چراغوں میں روشنی نہ رہی تب بھی مخصوص مقاصد پورے ہوتے رہیں۔ بسنت کو آج پاکستان میں جو مقام و مرتبہ مل گیا ہے، اس میں لاہور کا گہرا ہاتھ ہے۔ایک زمانہ تھا کہ بیداری وحق گوئی اوراسلام و پاکستان سے متعلق ہرتحریک کی امامت کا شرف اس شہر کو حاصل تھا لیکن اب یہ اس تہذیب کو عام کرنے کا امام بن چکا ہے جس کی جھلکیاں کیبل پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ لاہور ہائی جیک ہوچکا ہے اور بسنت کی آڑ میں اس کی شناخت چھینی جارہی ہے۔ اگر لاہوریے اب بھی سیانے بن کر دکھادیں تو خود کو ہائی جیکروں سے چھڑا سکتے ہیں وگرنہ وقت بقولِ اکبر یہ طعنہ دے گا کہ ؎

میں جو روتا ہوں کہ افسوس زمانہ بدلا   مجھ پر ہنستا ہے زمانہ کہ تمہیں وہ نہ رہے!

(روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۱۶رفروری ۲۰۰۴ء)

آئی بسنت ...... گردن اُڑنت

'چوراہا' ...... حسن نثار

جناب حسن نثار نئی تراکیب وضع کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔انہوں نے بسنت کو 'پالا اڑنت' کی بجائے 'گردن اڑنت' کہہ کر اس کی قبیح صورت کو اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ ہمارے تمام دانشور اگر اس تہوار کو 'گردن اُڑنت' سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت میں قلمی جہاد برپا کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمارے معاشرے کو اِس لعنت سے نجات نہ ملے۔ (ع۔ص)

جنریٹر کی مدد سے چلنے والی جمہوریت نہیں جانتی کہ اگر آج کل 'ڈی بریفنگ' کا زمانہ ہے تو کل 'فزیوتھراپی' کی نوبت بھی آ سکتی ہے۔ٹیڑھی اُنگلی سے گھی نکالنے کا سمے بیت چکا ہے اور اب ٹیڑھی ٹانگوں سے گھی مکھن نکالا جائے گا اور کسی 'لکھن' کو بچ نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

پہلے بھوک بیروزگاری کی وجہ سے صرف باپ مرتا تھا اور اب مہنگائی کے کارن ماتا جی بھی سرگباش ہورہی ہیں لیکن کسی کو جنتا کی چنتا نہیں ہے، ہر ایک کو اپنے اپنے پریوار کی پڑی ہے۔ مہنگائی کا مورال یونہی دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا رہا، مہنگائی کے عوام دشمن اور مشترکہ اجلاس یونہی چلتے رہے تو مرکز میں ریسلنگ اور صوبوں میں کبڈی شروع ہوسکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی درآمد شدہ ریفری 'رنگ کاٹ' ڈال کر کھیل کا مزہ دوبالا کردے۔ ایسے میں ممبران کے منی آرڈر ضبط بھی ہوسکتے ہیں۔ سیاست کا حجرہ کھلا رکھنا مقصود ہے تو مہنگائی کا مسلسل مجرا بند کرنا ہوگا ورنہ جس طرح خاموشی کبھی کبھی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے تو کبھی کبھار شور شرابہ خون خرابہ کا سبب بھی بن سکتا ہے۔کون جانے کب عوام کا میٹر گھوم جائے!!

مندے کا یہ عالم ہوگیا کہ اتوار بازاروں میں بھی ہو کا عالم طاری ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے

جیسے کسی نے کرفیو لگا دیا ہو۔

حکمران بسنت کے مصنوعی ہنگامے دیکھ کر کسی غلط فہمی میں نہ رہیں کہ سب اچھا ہے کیونکہ یہ بے فکرے پتنگ باز سجناں سوہنی دھرتی کی بھوکوں مرتی آبادی کا ایک فیصد بھی نہیں ہے۔ حساب کتاب میں کمزوری کجی کا شکار لوگوں کی خدمت میں احتیاطاً عرض ہے کہ چودہ کروڑ کی آبادی کا ایک فیصد بھی چودہ لاکھ بنتا ہے جبکہ پتنگ بازی کی خارش کا مرض چودہ ہزار کو بھی نہیں۔ اس پتنگ بازی کا بھی جواب نہیں جسے 'غیر اسلامی' قرار دینے والوں کو سرتاپا غیر اسلامی معاشرہ نظر نہیں آتا۔ کوئی پوچھے کہ حکمران طبقوں کا تام جھام اسلامی ہے یا عوام کی بھوک ننگ اسلامی ہے؟ سیاست دانوں کے جھوٹ اسلامی ہیں یا مقتدر لوگوں کی لوٹ کھسوٹ اسلامی ہے؟ برگر اسلامی ہے یا جاگر اسلامی ہے؟ یہاں کیا اسلامی ہے جو تہواروں کو اسلام کے پیمانوں پر رکھ کر پرکھا جائے!!

سیدھی سی بات ہے کہ بسنت کے بارے میں کبھی کہا جاتا تھا: ''آئی بسنت، پالا اُڑنت''

اب زندہ دلان لاہور نے یہ محاورہ 'اپ گریڈ' کر دیا ہے۔ پہلے یہ محاورہ ۱۷ویں، ۱۸ویں گریڈ میں تھا گذشتہ چار سالوں میں پروموٹ ہو کر اب یہ محاورہ ۲۲ ویں گریڈ میں پہنچ کر کچھ یوں ہوگیا: ''آئی بسنت ...... گردن اُڑنت''

کبھی صرف حکمران اور حکومتیں سفاک سمجھی جاتی تھیں۔ اب عوام کا خون بھی ایک دوسرے کے لئے سفید نہیں تو کم از کم 'آف وائٹ' ضرور ہوگیا ہے۔ اب جو کھا بے افورڈ کرسکتا ہے، کھابے اُڑائے اور فاقہ مستوں سے شرمائے بغیر اُڑائے کہ نصیب اپنا اپنا۔ معاشرہ سے محبت، خلوص، ہمدردی، صلہ رحمی، تیزی سے ختم ہو رہی ہے اور یہ وہ معاشرہ ہے جسے حکم تھا کہ

''پھل کھانے کے بعد چھلکے بھی باہر نہ پھینکو تاکہ اگر پڑوسی کے بچوں نے نہ کھایا ہو تو احساسِ محرومی کا شکار نہ ہوں۔''

لیکن آج کل تو دوسروں کے احساسِ محرومی سے لطف کشید کرنا ہی کامیابی کی معراج ہے۔

مسلمانوں کو ایک جسم کے مختلف اعضا کہا گیا کہ ایک حصہ میں درد ہو تو باقی سارے اعضا بے چین ہو جائیں لیکن ہم ایک ایسے نوری نت جسم کے معاشرہ میں زندہ ہیں جہاں جسم کا ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو جسم کے باقی صحت مند اعضا شکتی کپور کی طرح شیطانی قسم کے قہقہے لگانے لگتے ہیں...... ''وہ بھوک ہے کہ اعضا کہیں اعضا کو نہ کھالیں......''

پورا معاشرہ 'آئی فار مائی سیلف' (I for my self) کے سحر میں جکڑا رقص کر رہا ہے اور ایڑیاں بھی رگڑ رہا ہے: ''آئی بسنت ...... گردن اُڑنت''

شاید ایک دوسرے کی گردنیں مارنا ہی وہ 'صدقہ' ثابت ہو جو بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔

(روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۱۷رفروری ۲۰۰۴ء)

نوٹ: کالم میں کچھ ہندی الفاظ کا استعمال ہندوستان کیلئے کاملانہ خیرسگالی سمجھا جائے۔

نسبت

'حرفِ راز'......اوریا مقبول جان

جناب اوریا جان مقبول راست فکر دانشور ہیں ۔اُنہوں نے اپنے کالم میں مسلمانوں کی حضور اکرم ﷺ سے عقیدت کو اپیل کیا ہے ۔ان کا یہ کالم دل دردمند کی بے حد مؤثر آواز ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے دانشوروں کی اِس صدائے پرسوز پر کان دھرا جائے۔انہوں نے بسنت کے موقع پر کی جانے والے جن خرافات کا تذکرہ کیا ہے، اصل حقیقت اس بھی کہیں زیادہ سنگین ہے۔ہمارے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ہم مسلمان ہوکر ایک گستاخِ رسولؐ کی یاد میں منائے جانے والے تہوار کا جشن مناتے ہیں۔ (ع۔ص)

دونوں میاں بیوی مکھن پورہ کے ایک متوسط رہائشی علاقے میں مقیم تھے۔مبین شاہد کے پاس ایک موٹرسائیکل تھی جس پر وہ اپنے تین سالہ جگر گوشے فہیم اور اپنی بیوی کو لے کر بازار جاتا یا کسی دوست رشتے دار سے ملنے کے لئے۔اس دن بھی شام کے وقت وہ اپنے نورِنظر کو موٹرسائیکل پر بٹھائے اپنی بیوی کے ہمراہ جارہا تھا۔

ننھا فہیم اس سوچ میں خوش تھا کہ وہ اپنے نانا اور نانی سے ملے گا۔محبتوں کے جلو میں جب یہ چھوٹا سا قافلہ مزنگ کے قریب پہنچا تو اچانک ننھے فہیم کی گردن سے خون کا فوارہ سا نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا پورا لباس لہو سے تر ہوگیا۔حواس باختہ باپ نے موٹرسائیکل روکی، ماں نے چیختے ہوئے بیٹے کو گود میں لیتے ہوئے اس کی گردن کی طرف ہاتھ کیا تو کٹی ہوئی گردن میں تیز دھار آرے کی طرح پروئی ہوئی کٹی پتنگ کی ڈور اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ وہ ہنستا بستا گھر تو ویران ہوگیا۔لیکن اس معصوم کا خون کتنی مدھر اداکاراؤں، نازنینوں، تھرکتی ناچتی بجلیوں کے چہروں کو لالی دے گیا جو اسی کٹتی پتنگ کے معرکے میں کیسٹوں پر بجتے ہوئے گانوں کی

تھاپ پر جھومتی رہیں۔

☜ اس کی عمر چودہ سال تھی۔ بہنوں کا لاڈلا بھائی ندیم شاہد میٹرک کے امتحان میں تیاریوں میں مصروف تھا۔ شام کو ٹیوشن پڑھنے جاتا تو ماں اس کی واپسی کا انتظار کرتی رہتی۔ اس کی واپسی کے لئے دعائیں مانگتی، کیسی کیسی اُمیدیں اور کیسے کیسے خواب اس سے وابستہ ہوں گے جو اس کی بہنوں اور ماں نے دیکھے ہوں گے اور پھر ایک دن یہ کئی بہنوں کا اکلوتا بھائی ہاتھوں میں کتابیں پکڑے کلمہ چوک کے نزدیک پہنچا تو کٹی پتنگ کی ایک ڈور اس کی گردن پر یوں پھری کہ ساری اُمیدوں، آرزؤں اور خوابوں کے چراغ گل کرگئی۔ لاش کے سرہانے اس کی ماں صرف خون آلود کتابیں لئے کھڑی تھی اور روتے ہوئے لاہور کے اس آسمان کو دیکھ رہی تھی جہاں عیش وعشرت کی پتنگیں اُڑ رہی تھیں۔ کلمہ چوک پر بہت بڑا خون کا دھبہ تھوڑی دیر تک رہا پھر تیز رفتار گاڑیوں کے خوفناک ٹائر اس نشان کو اپنے ساتھ لے گئے۔

یہ صرف دو واقعات ہیں کہ ان کے لکھنے کے بعد یہ قلم مزید لکھنے کی تاب رکھتا ہے، نہ آنسو ساتھ دیتے ہیں کہ دم بھر کو رک جائیں اور میں اس 'خوبصورت' ثقافت کے ہاتھوں لٹنے والے ایک ایک شخص کا مرثیہ لکھ سکوں۔ وہ جو اس رنگ ونور اور عیش وعشرت کے جشن کی نذر ہو گئے۔

یہ جشن میرے بچپن میں میاں صلاح الدین کی ایک حویلی میں منایا جاتا تھا اور پورا لاہور اسی جگہ جا کر کوٹھوں پر بیٹھنے والی حسیناؤں کو چھتوں پر دیکھا کرتا تھا۔ آج یہ پورے لاہور کو اپنے آسیب میں لے چکا ہے۔ پہلے صرف ان گھرانوں کی چھتیں اس سے آباد ہوتی تھیں۔ اب چھتیں بکتی ہیں۔ پچاس ہزار سے لے کر دس لاکھ روپے تک۔ لیکن یہ چھتیں نہیں بکتیں، اپنے ساتھ غیرت وحمیت اور شرم وحجاب کا بھی سودا کر دیتی ہیں۔

لیکن اس سودے میں گھاٹے کا ایک سودا بھی ہے، جانوں کے گھاٹے کا سودا ۱۹۹۵ء میں بسنت کے دن ۶/ افراد جان سے گئے اور دو سو شدید زخمی، ۱۹۹۷ء میں تیس ہلاک اور ۸۰۰ زخمی، ۱۹۹۸ء میں چھ ہلاک اور ۵۰۰ زخمی، ۱۹۹۹ء میں تین ہلاک اور ۶۷۵ زخمی اور اب

این جی اوز اور ملٹی نیشنل کا دور آیا۔ آزادی اور لبرل ازم کا زمانہ آیا۔ بسنت کی دھوم نرالی اور منانے والوں کی سرپرستی دیکھنے کے قابل تھی۔ اس کا آغاز ۲۰۰۰ء کی بسنت میں ۸ جانوں کے ضیاع اور ۱۸۱ لوگوں کے زخمی ہونے اور ہاتھ پاؤں ٹوٹنے سے ہوا۔ گذشتہ تین سالوں میں ۲۴ لوگ ہلاک ہوچکے ہیں اور ہزاروں شدید زخمی۔ ان ہلاک ہونے والوں کی کہانیاں فہیم اور مبین شاہد سے مختلف نہیں تھیں۔ ایسے ہی جوانوں کی لاشیں بوڑھے والدین نے اُٹھائی ہیں اور ننھے بچوں کو چھوٹی چھوٹی قبریں کھود کر زمین کی آغوش میں دفن کیا گیا کہ اب ماؤں کی آغوش کی گرمی ان تک پہنچ نہیں سکتی تھی۔

لیکن یہ ساری لاشیں اور سارے دکھ ان لوگوں کو کہاں نظر آئیں گے جو بڑے بڑے ہوٹلوں کے برآمدوں میں بسنت کے دن نشے میں دھت نظر آتے ہیں۔ ہوٹل کا کمرہ کئی گنا کرایہ دے کر لیتے اور اس دن دادِعیش دینے کے لئے چاروں جانب سے لاہور پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ خون ان حسیناؤں کو کیسے نظر آ سکتا ہے جن کے پہناوؤں، اداؤں اور رنگینیوں کو قید کرنے کے لئے کیمرہ مین ان کے طواف کرتے نظر آتے ہیں اور میڈیا ان کی تصویروں سے بھرے لوگوں کی ذہنی عیاشی کا باعث بنتا ہے۔ ان معصوموں کی آہ و پکار سے ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کو کیا سروکار جو صرف اپنا کاروبار چمکانے کے لئے اسپانسر بنتی ہیں۔ کولا مشروبات کی صرف دو کمپنیاں ہر سال ایک کروڑ روپیہ اس تہوار پر خرچ کرتی ہیں۔ کوٹھیوں، حویلیوں، دالانوں، چھتوں اور پارکوں میں رقص میں جھومتے ہجوم کی بلند آواز میں کسی بہن کا ماتم، کسی ماں کا نوحہ یا کسی باپ کی چیخ کیسے سنائی دے سکتی ہیں۔

میں یہاں اس بحث میں کیا جاؤں، اس دکھ کے آغاز کی کہانی کیا بیان کروں کہ بسنت اصل میں گستاخِ رسول حقیقت رائے دھرمی کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی شان میں گستاخی اور منافرت پھیلانے کے جرم میں پھانسی کی سزا کے روز یعنی بسنت پنچمی کے دن پھانسی دی گئی تھی اور پھر اسی روز ہندوؤں اور سکھوں کے جتھے شہر میں پھیل گئے اور مسلمانوں کا قتل عام کیا اور پھر اسی دن کی یاد میں حقیقت رائے دھرمی کے میلے پر اس کی سمادھی جو آج بھی لاہور میں ہے،

اس پر ہندو اور سکھ بسنت پنچمی پر پتنگیں اڑایا کرتے تھے۔ آج یہ سمادھی تو ویران ہو چکی ہے اور لاہور میں شاید ہی کوئی اس طرف کا رخ کرتا ہو، لیکن پورا لاہور حقیقت رائے دھرمی کی سمادھی بن چکا ہے۔ وہ لاہور جو غازی علم دین جیسے عاشق رسول ﷺ کی آخری آرام گاہ ہے، وہاں گستاخِ رسولؐ کے شیدائیوں کی سنت پر عمل ہوتا ہے۔ کس اُمت کی امین یہ قوم اب کس نسبت سے محبت کرتی ہے۔

(روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۱۷/ فروری ۲۰۰۴ء)

'ایک رونے والا'

'حرفِ راز'...... اوریا مقبول جان

جناب اوریا جان مقبول نے اس کالم میں بسنت کا نوحہ خونِ دل میں اُنگلیاں ڈبو کر تحریر کیا ہے۔ یہ کالم بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ جناب اوریا صاحب مایوس نہ ہوں، ان کے قلم کی سیاہی، عشاقِ بسنت کے دلوں کی سیاہی کو تو شاید مکمل طور پر زائل نہ کر سکے، البتہ بسنت کے زخم خوردہ دلوں کو ان کا کالم پڑھ کر روشنی کی کرن ضرور میسر آئے گی۔ ایک تہذیبی لعنت اور ثقافتی بدعت کے خلاف ان کا قلمی جہاد بے حد قابل ستائش ہے۔

اوریا صاحب! صرف آپ ہی نوحہ کناں نہیں ہیں......

یہاں کے کروڑوں عوام بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں!! (ع۔ص)

میرے سامنے شرخ شرٹ پہنے اس تین سالہ معصوم فیصل کی تصویر ہے جو آج سے چند دن پہلے انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے سرونٹ کوارٹر میں ہنستا کھیلتا اور اودھم مچاتا پھرا کرتا تھا۔ فیض الامین کا یہ منتوں اور مرادوں سے حاصل کیا ہوا بیٹا اپنے صحن میں کھیل رہا تھا کہ اس چھوٹے سے گھر میں اس کی چیخوں کی آواز گونجی۔ بے چین ماں تڑپتی ہوئی صحن کو دوڑی تو دیکھا کہ اس کا لختِ جگر خون میں لت پت ہے۔ کٹی پتنگ کی ڈور اس کے منہ، زبان اور جسم کو چیرتی ہوئی گزر چکی تھی اور وہ اوندھے منہ درد سے تڑپ رہا تھا۔ اسپتال پہنچتے پہنچتے اس کا خون اتنا بہہ چکا تھا کہ اس نے جان جانِ آفرین کو دے دی۔ صبح دس بجے ننھی سی قبر کھودی گئی اور اسے مٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ جہاں سب نے ایک دن سمانا ہے۔

جس وقت یہ جنازہ اُٹھ رہا تھا اس وقت لاہور کا آسمان پتنگوں سے بھرا ہوا تھا، ڈھول کی تھاپ اور رنگ برنگے ملبوسات سے مزین لوگ شور و ہنگامے میں غرق تھے، میرا بس چلتا تو میں اس ننھے فیصل کو اس جگہ کے سامنے دفن کرتا جہاں سے پوری رات اس جشن کی کہانیاں،

اس عیش و عشرت کے ہنگاموں کی داستان اور اس کھیل تماشے کے روپ دکھائے جا رہے تھے۔ لیکن میں صرف ننھے فیصل کو وہاں کیوں دفن کروں؟ میں ان بیس لاشوں کو کہاں لے جاؤں، انہیں کس کے سامنے کفن پہناؤں کہ جن میں کوئی بھی ایسا نہیں جس نے جوانی کی بہاریں پوری طرح دیکھی ہوں۔ میں اس ننھے ظہیر کی قبر کس مقامِ عبرت پر بناؤں جو نوشہرہ ورکاں سے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ موٹر سائیکل پر سوار جی ٹی روڈ پر شاہدرہ سے گزر رہا تھا کہ اس کی شہ رگ اس ڈور سے کٹ گئی۔

میں جب صرف چند دن پہلے بیتے ہوئے سالوں کا ماتم کرتے ہوئے کالم لکھ رہا تھا تو خوش تھا کہ میں نے فرض ادا کر دیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں جس قوم کا فرد ہوں، اس کا ضمیر مردہ نہیں کہ ننھے ننھے بچوں کی لاشوں پر اپنی عیش و عشرت کے محل تعمیر کرے گی۔ مجھے کبھی بھی مردہ ضمیر دانشوروں اور بے روح سماجی رہنماؤں سے گلہ نہیں رہا۔ میں کبھی بھی ان لوگوں کی باتوں سے نہیں کڑھتا جن کے عقل و ہوش نے یہ طے کر لیا ہوتا ہے کہ صرف یہی ایک دنیا ہے اور یہی ایک زندگی ہے جسے جتنی عیش و عشرت میں گزارا جائے، اتنا ہی کم ہے۔ مجھے اس نسل سے بھی کبھی رنج نہیں ہوتا جن کے والدین نے اُنہیں صبح سویرے اٹھ کر مغرب کی طرف دیکھنے اور رات گئے تک اس تہذیب کے گیت گانے سکھائے ہوں جنہیں اپنے اعلیٰ سطح کے ڈرائنگ روموں اور ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں چھابہ، جھولا، چنگیر، چارپائی، پرانے چمچے اور ٹوٹے ناک اور کٹے بازوؤں والے مجسّمے رکھ کر فخر سے گنگا، جمنی تہذیب پر گفتگو کرنے میں مزا آتا ہو۔ یہ سب تو وہ ہیں کہ ذرا ہوا بدلی تو ان کے مزاج، اقدار، کلچر سب بدل جاتا ہے جو انگریز کے دور میں لاؤنج سوٹ، بھٹو کے دور میں عوامی شلوار قمیص، ضیاء الحق کے زمانے میں اچکن پہنتے رہے اور اب شاید رِتک روشن کے زمانے میں تلک لگالیں۔

میرا دکھ اور میرا المیہ تو اس لاہور سے ہے جس کی دھرتی پر کمزور سی شہادت کی اُنگلی اٹھا کر ایک گرج دار آواز گونجی تھی۔ سنو اے ہندوستان کے رہنے والو! ہم مسلمانوں کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، کھانا پینا سب تم سے الگ ہے۔ وہی لاہور جس سے چند میل دور واہگہ

سے ہوتے ہوئے والٹن کے میدان میں لاکھوں مسلمان اپنے پیاروں کا خون دے کر اور ہزاروں عورتیں اپنی عصمتیں گنوا کر پہنچی تھیں۔ کون ہے جس نے اس شہر کے دھڑکتے دلوں پر راج نہیں کیا۔ وہ لوگ جو عاشق رسول غازی علم دین کا جنازہ لے کر روانہ ہوئے تو یوں لگا جیسے انسانوں کا سمندر اُبل پڑا ہو۔ کوئی اس پورے لاہور میں ایسا نہ تھا جو کہتا کہ آؤ ہم ان بیس میتوں کا اکٹھا جنازہ لے کر نکلتے ہیں؛ صرف عبرت کے لئے۔ ان لوگوں کے لئے عبرت جو لاکھوں کا ٹکٹ خرچ کر کے امریکہ اور یورپ سے یہ تماشہ دیکھنے آئے۔ یہ سب کیسے ہوسکتا ہے اور شاید کبھی بھی نہ ہو۔

جس قوم کو باخبر رکھنے والے ہی یہ بھول جائیں کہ لوگوں کو کس موت کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ جس قوم کے اخبار اپنے رنگین صفحے بیچنے کے لئے ہر حسینہ کی ناز و ادا کی تصویر اور پتنگ کے ڈور میں اُلجھی نشیلی آنکھوں کی گفتگو لکھ رہے ہوں۔ جس شہر کے خاص و عام اپنے ہی شہر میں بھوک سے مرتے، خودکشی کرتے لوگوں کو چھوڑ کر صرف ایک رات میں پچاس کروڑ روپے خرچ کردیں۔ ایسی قوم اگر یہ سوال کرتی ہے کہ وہ ذلیل و رسوا کیوں ہے، اس کے دن کیوں نہیں بدلتے، اس پر رحمتیں کیوں نہیں نازل ہوتیں، اس کو عالمی برادری میں عزت کیوں نہیں ملتی، تو اسے پہلے قوموں کے عروج و زوال کی کہانیاں پڑھ لینی چاہئیں۔ انہیں صرف رومن بادشاہوں کے تہواروں کی رونق دیکھ لینی چاہئے جہاں ایسے ہی کروڑوں روپے خرچ ہوتے تھے اور پڑوس سے لاشیں اُٹھتی تھیں اور جب زوال آیا تو تاریخ میں کسی نے اس قوم کو دوبارہ اُبھرتے نہیں دیکھا۔ اسے صرف سونے کی چڑیا ہندوستان کے محمد شاہ رنگیلا اور مغل تاجداروں کے تہواروں اور جشنوں کی کہانیاں پڑھ لینی چاہئیں اور پھر بہادر شاہ ظفر کے سامنے طشتری میں رکھے شہزادوں کے کٹے ہوئے سر بھی یاد کر لینے چاہیں۔ لیکن شاید میرے قلم کی سیاہی اور میری آنکھ کے آنسو اتنے بے توقیر اور اتنے بے وقعت ہیں کہ صرف ان پر رکھ کر مونگ پھلی چھیلی جاسکتی ہے، مالٹے کھائے جاسکتے ہیں، پڑیا باندھ کر سودا بیچا جاسکتا ہے۔ چاروں طرف ہنستے مسکراتے گاتے بجاتے لوگوں میں ایک رونے والے کو کون دیکھتا ہے!!

(روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۲۶ رفروری ۲۰۰۴ء)

سرکاری کہرام

'کنکریاں'......عباس اطہر

جناب عباس اطہر سینئر صحافی ہیں۔ وہ سوچ کے اعتبار سے سیکولر ہیں مگر بسنت کی تباہ کاریوں کی وجہ سے وہ اس کے سخت مخالف ہیں۔ اُنہوں نے سرکار کی سرپرستی میں منائی جانے والی بسنت کو 'سرکاری کہرام' کا بے حد بلیغ نام دے کر عوام الناس کے جذبات کی سچی ترجمانی کا فریضہ ادا کیا ہے۔ان کا یہ تبصرہ بھی بروقت ہے کہ بسنت اب طبقاتی امتیاز کا مظہر بن چکا ہے۔ (ع۔ص)

بسنت کیا ہے؟ ایک جشن ہے یا پاگل پن، کوئی اسے موت کا تہوار قرار دیتا ہے اور کسی کے نزدیک سال کی سب سے بڑی خوشی ہے۔مرنے والوں کی تعداد گنیں تو موت کا تہوار ہے اور چھتوں پر چڑھ کر ڈیک بجانے، فائرنگ کرنے والوں اور بوکاٹا کے نعرے لگانے والوں کو دیکھیں تو ایک ایسا میلہ ہے جو عید سمیت خوشی کے کسی دوسرے موقع پر برپا نہیں ہوتا۔ لاہور اور دوسرے شہروں میں یہ جشن کئی برسوں سے منایا جارہا ہے اور ہر مرتبہ اسے سرکاری سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ ہر بار حکومت اعلان کرتی ہے کہ تندی، دھاتی تار اور کیمیکل ڈور استعمال کرنے والوں کے خلاف سخت اقدامات کرے گی لیکن ہر بار اسے ناکامی ہوتی ہے!!

دہلی ہائیکورٹ بار کی رکن مسز کاجل اور ان کے شوہر نے ہماری بسنت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''پاکستان میں یہ تہوار فضول خرچی کی حد تک شان وشوکت سے منایا جاتا ہے۔ یہ ہمارا تہوار ہے لیکن جس انداز سے پاکستان میں منایا جاتا ہے وہی طریقہ بھارت میں اختیار کیا جائے تو لوگوں کی بہت بڑی تعداد اس کے خلاف ہوجائے۔''

ہوسکتا ہے کہ ہمارے عوام کی اکثریت اس جشن کے حق میں ہو۔لیکن سڑکوں اور گھروں

میں بچوں کی گردنیں کٹتے اور چھوٹے بڑوں کو بجلی سے جھلس کر مرتے دیکھ کر کوئی اس کہرام کی حمایت نہیں کرے گا۔ ایک اندازے کے مطابق اس بسنت پر ۱۵ سو مرتبہ ٹرپنگ ہوئی۔ کروڑوں روپے ہوا میں بکھیر دیئے گئے۔ مرنے والوں کی تعداد دو درجن کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے جبکہ زخمیوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ تین سال کا ایک بچہ ٹانگوں پر ڈور پھرنے سے والدین کے سامنے تڑپ تڑپ کر مرگیا۔ ایک ڈیڑھ سالہ بچی کی گردن کٹ گئی اور صدمے سے اس کے باپ کو ہارٹ اٹیک ہوگیا۔ ایسے دردناک واقعات ہر سال ہوتے ہیں لیکن اگلی بسنت کی اجازت دیتے وقت اُنہیں بھلا دیا جاتا ہے۔ شاید ہماری نیک دل اور خدا ترس سرکار یہ سمجھتی ہو کہ یہ اس تفریح کی بہت معمولی قیمت ہے جو اس کی سرپرستی میں برپا کی جاتی ہے۔ اُصولی طور پر حکومت کو چاہئے کہ وہ سرکاری کہرام میں ضائع ہونے والی جانوں کا معاوضہ ادا کرے۔ افسوس ہمارے ہاں ایسا کوئی تصور نہیں!!

بسنت کے بارے میں بی بی سی کا یہ تبصرہ بہت معقول اور بھارتی مہمانوں کے خیالات سے ہم آہنگ ہے کہ اب یہ تہوار خوشیوں کا نہیں بلکہ طبقاتی امتیاز کا مظہر بن چکا ہے۔ بسنت نائٹ پر جو کچھ ہوتا ہے، پیسے والوں کے گھروں میں ہوتا ہے۔ جہاں اخباری اصطلاح میں پریاں رقص کرتی اور جام اُچھلتے ہیں۔ عوام کی اکثریت غریب اور متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ جو بسنت جیسی عیاشی خوابوں میں دیکھ سکتی ہے یا جاگتے میں محض اس کا تصور کرسکتی ہے۔ ۶۰ لاکھ سے زائد آبادی والے شہر لاہور میں ایسے گھروں کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہوگی جو بسنت نائٹ پر 'خیام' کا گھر بن جاتے ہیں۔ اکثریت کو تو اپنے گھروں کے چولہے گرم رکھنے کی فکر سے فرصت نہیں۔ حالت یہ ہے کہ پچھلے ہفتے شمیم نامی ایک خاتون نے صرف تین سو روپے نہ ہونے کی وجہ سے تیزاب پی کر خودکشی کرلی۔ یہ مقروض عورت اپنے گھر کی واحد قیمتی شے استری لے کر سارے محلے میں پھری لیکن کوئی خریدار نہیں ملا۔ شاید پورا محلّہ ہی اس معاشی استحکام میں مبتلا تھا جو موجودہ حکومت کے سنہری کارناموں میں شامل ہے۔ جس معاشرے کی حقیقت یہ ہو کہ اکثریت کے گھروں میں واحد قیمتی شے استری یا اس سے ملتی جلتی

کوئی اور چیز رہ گئی ہو اور محلوں کی اقتصادی حالت یہ ہو کہ کوئی گھر یہ قیمتی شے خریدنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، وہاں بسنت جیسے سرکاری جشن دکھوں میں ڈوبے ہوئے کروڑوں افراد کا مذاق اُڑانے کے سوا کیا سمجھے جاسکتے ہیں؟

بسنت کا کہرام اپنا زور دکھا چکا ہے، ۲۰ فروری تک اس کی باقیات اپنے جلوے دکھاتی رہیں گی۔ ادھر اسلام آباد میں پاک بھارت دوستی کے جشن کا نیا مرحلہ، پہلے باضابطہ اور جامع مذاکرات کے نام پر شروع ہوچکا ہے جو مزید دو دن جاری رہے گا۔ اس کے بعد کئی ہفتے تک ہمارے سرکاری ترجمان اور معتبر دانشور پاکستان کے اُصولی موقف کی فتح کا ڈھنڈورا پیٹیں گے۔ ایسے مواقع پر بیانات اور مضامین پہلے ہی تیار کر لئے جاتے ہیں، البتہ کچھ سطروں کے لئے جگہ چھوڑ دی جاتی ہے تاکہ پسپائی کے گلے میں اُصولی پیش قدمی کے ہار پہنائے جاسکیں اور عبدالغنی بھٹ جیسے کشمیری لیڈروں کے یہ اندیشے دب کر رہ جائیں کہ پاکستان سے کشمیریوں کے گلے شکوے بڑھتے جارہے ہیں۔ ہمیں تو اپنی کامیابیوں سے غرض رکھنی چاہئے جس کا چرچا بھارتی لیڈروں کی زبان سے یوں ہورہا ہے کہ کشمیر میں 'در پردہ جنگ' ختم ہونے والی ہے۔

چلتے چلتے ایٹمی بسنت کا نیا منظر ملاحظہ ہو۔ عالمی ایٹمی توانائی ایجنسی نے اپنی تحقیقات کی روشنی میں انکشاف کیا ہے کہ ایٹمی بلیک مارکیٹ میں امریکہ، آسٹریلیا، بلجیم، چین، جرمنی، جاپان، ملائیشیا، ہالینڈ، جنوبی افریقہ، سپین، سوئٹزر لینڈ اور جنوبی کوریا کی کمپنیاں شامل ہیں اور کئی امریکی کمپنیوں نے دانستہ طور پر ایران کے ایٹمی پروگرام کے لئے مخصوص آلات فراہم کئے۔ اس بسنت میں تندی، دھاتی تار اور کیمیکل ڈور استعمال کرنے کا سہرا ہم نے خود اپنے سر پر باندھا ہے اور اپنے لئے اس سزا کا راستہ صاف کردیا ہے جو قانون اور انصاف کے تقاضوں کے تحت اقبالی مجرموں کے حصے میں آتی ہے، خیر جو ہونا تھا ہوچکا اور جو ہونا ہے ہوکر رہے گا۔

(روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۱۷ر فروری ۲۰۰۴ء)

'بسنت'

'ناتمام'...... ہارون الرشید

جناب ہارونُ الرشید کی شہرت ایک اسلامی سوچ رکھنے والے دانشور کی ہے۔اُردو کالم نگاری میں اُنہوں نے نیا اسلوب متعارف کرایا ہے، مگر اس کالم میں انہوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ اسلام کے تصورِ تہوار سے مطابقت نہیں رکھتا۔ جب وہ خود لکھتے ہیں کہ اسلام کے دو بنیادی تہوار ہیں تو پھر ان کی طرف سے یہ بات حیران کن ہے: ''بسنت کی حمایت کرنے والوں نے جب یہ کہا کہ تہوار اس قوم کی ضرورت ہیں تو اُنہوں نے سچ کہا۔'' ایک اسلام پسند دانشور کی طرف سے بسنت جیسے ہندووانہ تہوار کی اس انداز میں حمایت قابل افسوس ہے۔اپنے کالم میں انہوں نے حضرت علیؓ کے متعلق جو واقعہ نقل کیا ہے، اس کا نفس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ قیاس مع الفارق کی ایک بھونڈی مثال کہی جا سکتی ہے۔ان کا یہ فرمان بھی اسلام کے تہذیبی فلسفہ سے متصادم ہے: ''موسم بہار کا تہوار منانے میں کیا خرابی ہے؟ کچھ بھی نہیں' اسلام نے موسموں کے لحاظ سے تہوار منانے کی اجازت نہیں دی۔ یہ ایرانی مجوسیوں کی بدعت ہے جن کی مشابہت اسلامی رویہ میں شامل نہیں ہے۔ جناب ہارون الرشید نے خورد ونوش کی پر لطف تقریبات کو اسلامی ثقافت کا حصہ قرار دیا ہے مگر وہ بسنتی ضیافتوں میں کی جانے والی اسراف وتبذیر کو یکسر فراموش کر گئے ہیں۔ پھر خورد ونوش کو بسنت کی تقریب سے ہی مخصوص کیوں کیا جائے؟ اس کا جواب بھی اُنہیں دینا چاہیے۔ (ع۔ص)

اگر غور کرنے والے غور کریں اور اگر فیصلہ کرنے والے فیصلہ کرسکیں تو اگلی بسنت خونی چھینٹوں کے بغیر منائی جاسکتی ہے۔

بسنت ایک سادہ سا سوال نہیں ہے، جسے محض کھیل تماشا سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ ایک دوسرا اور زیادہ بنیادی سوال اس کے ساتھ جڑا ہے کہ ایک قوم کی حیثیت سے ہماری بنیادی شناخت کیا ہے؟ افراد کی طرح اقوام بھی اظہار کی تمنا کرتی ہیں۔ تقریبات، تہوار، میلے ٹھیلے اور

ان کے انداز اسی کا مظہر ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کے دو بنیادی تہوار ہیں: عیدِ رمضان اور عیدالاضحیٰ۔ رمضان کی عید مہینہ بھر کے روزوں کے بعد اظہارِ مسرت کا دن ہے اور روزے محض روحانی بالیدگی کا ذریعہ نہیں بلکہ مفلسوں، محتاجوں اور محروموں کی دست گیری کا احساس پیدا کرنے والی عبادت بھی ہیں۔ اللہ کے آخری رسولؐ سب سخیوں سے بڑے سخی اور آدمیت کے سب خیر خواہوں سے بڑے خیر خواہ تھے۔ رمضان کا چاند طلوع ہوتا تو جود وکرم کے اس دریا میں طغیانی آ جاتی اور کہا جاتا ہے کہ آپؐ ہوا کی طرح فیاض ہو جاتے۔ وہ جو سب درّوں اور سب روزنوں سے داخل ہوتی اور ہر ذی نفس پہ کرم فرما ہوتی ہے۔

عیدالاضحیٰ اس عظیم ایثار کی یاد میں منائی جاتی ہے جب باپ بیٹے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی پیروی میں اس اقدام کا فیصلہ کیا تھا۔ تاریخ میں جس کی کوئی دوسری نظیر نہیں!!

تہواروں کا قرینہ مقرر ہے۔ پڑوسیوں، عزیزوں، رشتہ داروں، مجبوروں اور کم مایہ لوگوں کی اعانت اور ان سے تعلق کی تجدید۔ یہ بچوں میں مسرت بانٹنے، ناراضی تمام کرنے، تحائف تقسیم کرنے، خوش ذائقہ پکوانوں اور باہمی ملاقاتوں کے دن ہیں۔ کلفتیں بھلا دی جائیں اور شادمانی کو فروغ دیا جائے۔ اللہ اور اس کی مخلوق سے محبت کے دن......!

دھوم دھڑکا، شور و غوغا، چیخ و پکار اور ہنگامہ اسلامی تقریبات کا خاصہ نہیں۔ یہ ہمارے ہندو پڑوسیوں کا اُسلوب ہے اور ہمیں اس پر برہم ہونے کا ہرگز کوئی حق نہیں کہ یہ لا إكراه في الدين کی روح کے خلاف ہوگا لیکن ہمیں ان کی پیروی کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے اپنے قرینے، ہماری اپنی ثقافت اور ہمارا اپنا اُسلوبِ حیات ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ دہلی، امرتسر اور چندی گڑھ میں جہاں بہار کا موسم لاہور کے ساتھ ہی طلوع ہوتا ہے، بسنت کے تہوار پر دھاتی تار سے گردنیں نہیں کٹتیں۔ کمسن بچے چھتوں سے گرتے ہیں اور نہ رنگیں کاغذ لوٹنے کی تگ و دو میں بسوں اور کاروں تلے کچلے جاتے ہیں۔

ایران میں اشاعتِ اسلام کے بعد بھی نوروز کا تہوار منایا جاتا۔ علما اس کی حوصلہ افزائی تو نہ کرتے تھے لیکن کچھ زیادہ حوصلہ شکنی بھی نہیں۔ ہم صوفیوں کے ایک گروہ کو ان تقریبات میں شریک دیکھتے ہیں۔ بارہ سو برس ہوتے ہیں، دشتِ سوس کے ایک گاؤں میں احمد اپنے مرشد حسین بن منصور حلاج کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آمدِ بہار کی مبارکباد پیش کرے۔ حسین نے جنہیں شہادت کے رتبے پر فائز ہونا اور آنے والی تمام صدیوں میں ایک لہکتا ہوا استعارہ بننا تھا، سر اُٹھا کر اُسے دیکھا اور یہ کہا: میرا نوروز ابھی نہیں آیا......

موسم بہار کا تہوار منانے میں کیا خرابی ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اسلام نے مقامی رسوم و رواج کو کبھی پامال کیا اور نہ معصوم مسرتوں کو روندا۔ صرف یہ کہ قرینہ باوقار اور شائستہ ہونا چاہئے۔ خیر خواہی، دوست داری، پڑوسیوں سے اُلفت اور خورد نوش کی پرلطف تقریبات اسلامی ثقافت کا کبھی نہ الگ ہونے والا حصہ ہے۔ ہم جب جناب علی بن ابی طالبؓ کو دوستوں کے لئے ضیافتوں کا اہتمام کرتے، اہل بیت کو مسافروں اور محتاجوں کے لئے شاندار پکوانوں کی تقریبات برپا کرتے، مسلمان امرا اور صوفیوں کو وسیع عریض لنگروں کا سلسلہ دراز کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ ہم مدینہ کے ایک خاندان کو دیکھتے ہیں جہاں دوسو سال تک ایک دلآویز رسم جاری رہی۔ ہر صبح اور ہر شام ایک پکارنے والا پکار کر کہتا: جسے گوشت، روغن اور لذیذ کھانا درکار ہو ہمارے ہاں چلا آئے۔ سرکارؐ کی تشریف آوری کے بعد یہ گھرانا مسلمان ہوا اور رسم جاری رہی۔ ایک روایت کے مطابق دس روز تک خود آنجنابؐ کے لئے اس گھر سے کھانا بھیجا گیا۔

بسنت کی حمایت کرنے والوں نے جب یہ کہا کہ تہوار اس قوم کی ضرورت ہیں تو اُنہوں نے سچ کہا۔ قدم قدم پر اس سماج میں رکاوٹیں ہیں۔ صحت مند تفریحات کا اہتمام نہیں۔ لوگوں کی روزمرہ زندگیاں پھیکی اور بدمزہ ہی نہیں بلکہ بوجھل اور مجروح ہو چکیں۔ جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں کرکٹ کو فروغ ہوا اور ۱۴ر اگست کو تہوار کی صورت دینے کا فیصلہ ہوا تو رنگوں، روشنیوں، پرچموں اور پکوانوں کا سیلاب اُمڈ آیا اور گلی گلی چراغاں ہونے لگا۔ معاشرے کے دکھ درد تہواروں سے دور نہیں ہو سکتے۔ زخم تو تبھی مندمل ہوں گے جب انصاف، آزادی اور

رواداری کا چلن ہوگا اور کمزوروں کی گردنوں سے طاقت کا شکنجہ ہٹا دیا جائے گا، لیکن اگر تہوار وقتی مسرت عطا کر سکتے ہیں تو اُنہیں گوارا کرنا چاہیے۔ کامران لاشاری نے لاہور کو رنگوں اور پھولوں سے بھر دیا۔ یہ تصویر کا روشن رخ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی بے ہنگم اور بے سروپا ہنگاموں نے جنم لیا اور یہ سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ وحشت ننگا ناچ ناچنے لگی۔ ہر سال قصور، لاہور، گوجرانوالہ، شیخوپورہ اور فیصل آباد میں بسنت خون کے چھینٹے اُڑاتی گزرتی ہے۔ کیا ہم ان تقریبات کو تہذیب کے سانچے میں نہیں ڈھال سکتے۔ پاگل پن سے بچ نہیں سکتے؟

یہ شدید ذہنی دباؤ یعنی ڈپریشن کا مارا ہوا معاشرہ ہے۔ یومِ نجات تو اس وقت آئے گا جب اسے ایک سمت عطا ہوگی۔ صدیوں سے قوم جس کو ترس رہی ہے لیکن کیا اس سمے تک ہم خود کو حالات کے حوالے کر دیں؟

اگر غور فرمانے والے غور کریں اور اگر فیصلے کرنے والے فیصلے کر سکیں تو اگلی بسنت خونی چھینٹوں کے بغیر منائی جاسکتی ہے۔ کیا وزیراعلیٰ پرویز الٰہی اور گورنر خالد مقبول غور کریں گے؟ کیا وہ فیصلہ کریں گے؟

راولپنڈی کے میئر طارق کیانی نے یہ کہہ کر بسنت کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہے کہ وہ اس ہندوانہ رسم کو برداشت نہیں کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم کوئی درمیانی راہ اختیار نہیں کر سکتے......؟

(روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۲۱رفروری ۲۰۰۴ء)

تہوار

'ناتمام'...... ہارون الرشید

شاید ہمیں اپنے ذہنوں کو ٹٹولنا چاہئے کہ اس میں یہ وحشت کہاں سے آ گئی......؟

شاعر کے نواسے نے بسنت کا جواز پیش کرنے کے لئے فرمایا: اقبال بھی پتنگ اُڑایا کرتے تھے۔ اقبال نہیں، جاوید اقبال اُڑاتے تھے اور جیسا کہ اُنہوں نے لکھا ہے کبھی کبھار دبے پاؤں وہ چھت پہ آتے اور ڈور تھام لیتے مگر جب بھی ایسا ہوتا، فرزندِ اقبال کے بقول اُنہی کی پتنگ کٹتی۔ پتنگ بازی بچوں، بازاریوں اور کسانوں کا مشغلہ ہے، اقبال ایسے عبقری کو ایسے مشاغل سے کیا واسطہ......!!

ایک طرف علماء دین ہیں جن کا ارشاد ہے کہ پتنگ بازی شریعت سے متصادم ہے اور دوسری طرف وہ بزرجمہر جن کا فرمان یہ ہے کہ علما کی مزاحمت بنیادی انسانی حقوق یعنی فرد کی آزادی اور اس سے پھوٹنے والی آرزوے نشاط کی مزاحمت ہے۔ نہیں جناب والا! پتنگ بازی کوئی شرعی مسئلہ نہیں اور لاہور کی بسنت بازی کو پتنگ اُڑانے سے کوئی علاقہ نہیں۔

اللہ نے زندگی کو تنوع میں پیدا کیا ہے۔ معاشرہ میں، ہر مزاج اور ذوق کے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ تاش، کیرم اور لڈو کھیلنے میں سارا دن بتا دیتے ہیں تو پتنگ بازی پہ کیا اعتراض لیکن آمدِ بہار پہ لاہور میں جو ہنگامہ برپا ہوتا ہے، وہ تو کچھ اور ہے۔ مہندی اور ولیمے کی ان دعوتوں کی طرح جن پر نواز شریف نے پابندی لگا دی تھی اور عظیم اکثریت نے جس کا خیر مقدم کیا ہے، ریا، نمود ونمائش اور بعض اوقات چھچھورے پن کے ساتھ دولت کی نمائش !!

اس معاشرے میں جہاں چالیس فیصد انسان غربت کی زندگیاں جی رہے ہیں، طرح طرح کے پکوان، لاؤڈ سپیکروں پر بے ہنگم اور بے معنی فلمی گیتوں کا شور، تیز دھوپ اور پھیلتی شام میں، الکحل کا پاگل پن، رات گئے مریضوں اور بوڑھوں کو اذیت دیتا ہوا وحشیانہ شور وغوغا، بجلی کی ڈوبتی اُبھرتی نبض اور سب سے بڑھ کر دھاتی تاروں سے کٹتی ہوئی گردنیں، چھت سے پھسل کر گرتے اور سڑکوں پر رنگین کاغذ لوٹنے کی دوڑ میں بسوں کے نیچے کچل کر دم توڑتے کمسن بچے اور لاشوں پہ بین کرتی مائیں۔ کیا اس کا نام تہوار ہے، کیا یہ جشن مسرت ہے......؟

ٹھہر سکا نہ ہوائے چمن میں 'خیمہ گل'
یہی ہے فصل بہاری، یہی ہے بادِ مراد

ایک کروڑ کی آبادی میں زیادہ سے زیادہ کتنے لوگ جشن پہ اتارو تھے؟ دو لاکھ یا چار لاکھ؟ دس لاکھ؟...... باقی لوگوں کا جرم کیا ہے؟ خاص طور پر وہ جن کی غربت رنگوں سے بھرے آسمان اور پکوانوں کی پاگل کر دینے والی خوشبو کو حیرت وحسرت سے تکتی ہے۔ چلئے آپ جشن ہی منا لیجئے اور اس وقت بھی منا لیجئے، جب ۱۹۷۱ء کے بعد ملک سب سے بڑے صدمے کی زد میں ہے۔ آپ کی تفریح طبع کے لئے زحمت بھی گوارا لیکن جب دھاتی تار سے کسی سکوٹر سوار کی گردن کٹتی ہے اور سرخ لہو سرمئی سڑک کو رنگین کر دیتا ہے۔ جب پھٹے ہوئے سر، ٹوٹی ہوئی ٹانگوں اور مجروح بازوؤں والے کسی بچے کے سرہانے اس کی ماں بین کرتی ہے؟......

بعض کے پاس بہت سا فالتو وقت ہے، اتنی بہت سی دولت ہے کہ مصرف نہیں پاتی۔ بے مقصد پھیکی زندگیاں سنسنی اور نشاط کو ترستی ہیں لیکن تفریح کی آرزو میں کلاشنکوف کی چیختی چنگھارتی گولیوں کے مینہ کا جواز کیا ہے؟...... یہ وحشت کن رجحانات سے جنم لیتی اور کس چیز کی آرزو کرتی ہے!!

لاہور کی پتنگ بازی بے ضرر کھیل ہوتی تو سال بھر سے پابندی عائد نہ کی جاتی اور اب ہفتہ بھر کے بعد پھر سے دروازہ بند کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آمدِ بہار کا

خیر مقدم ہے۔ برصغیر میں پتنگ بازی کی ابتدا ابھی کل کی بات ہے۔ ایران اور ثقافتی اعتبار سے اس کے زیر اثر افغانستان میں ہزاروں برس سے 'نوروز' منایا جاتا ہے۔چین، جاپان اور مغرب کے بعض ممالک میں پتنگ بازی کا کھیل صدیوں پرانا ہے، ایسی وحشت وہاں کیوں نہیں؟...... کوئی الفاظ کے طوطے مینا اُڑانے والے دانشوروں کو بتائے کہ یہ ایک مریضانہ مزاج کا مسئلہ ہے؛ فرار کی ایک تمنا ......اور اس قوم کے لاشعور میں اس مرض کی جڑیں بہت دور تک پھیلی ہیں، جس کے سامنے کوئی مقصد نہیں، جس کی کوئی سمت نہیں اور جس کے ولولے کوئی راہ نہیں پاتے۔ اُفق تا بہ اُفق اسے آسیب نے جکڑ لیا ہے۔ نیچے سے اوپر تک انسانی لہو پر پلنے والے جرائم پیشہ گروہ اور ان کے درمیان بے بس ہے، صرف پولیس اور پٹواری ہی نہیں اور بھی بہت ہیں۔ کیا یہ بات ایسے دانشوروں کو سمجھائی جاسکتی ہے جنہوں نے اپنے عزیزوں کو کسٹم اور انکم ٹیکس میں بھرتی کرایا۔ اب 'فتوحات' کا حساب جوڑتے اور یہ موسم میں کسی نئی جماعت میں کسی نئے مافیا کے قصیدے رقم کرتے ہیں۔ جی نہیں! یہ ایک شخص نہیں، ایک رویہ ہے اور یہ رویہ کینسر کی طرح پھیلتا جا رہا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ تین ارب کے اخراجات سے معیشت میں تحرک پیدا ہوتا ہے، سبحان اللہ کیا کوئی دوسرا قرینہ، کوئی دوسری تدبیر ممکن نہیں کہ یہ سرمایہ کاری کسی معقول تفریح پہ خرچ ہو۔ کوئی اور تہوار ایجاد کر لیا جائے جو ہمارے ثقافتی اُسلوب، ورثے اور پیراہن کو زیادہ حسن کے ساتھ اجاگر کر سکے یا اسی تہوار کو شائستہ بنا دیا جائے مثلاً سڑکوں اور چھتوں کو نقل گاہیں بنانے کی بجائے، مینارِ پاکستان کے میدان اور درجنوں چمن زاروں کو مختص کر دیا جائے۔ کیا ہم اتنے گر گئے کہ لاشوں کے بغیر کوئی تہوار منا نہیں سکتے۔ کیا ہمارے ذہن اتنے سونے ہو گئے؟ طباعی اور اختراع سے اس قدر محروم؟ کیا ہم قدیم روم کے ان امرا کی طرح ہو گئے جو غلاموں پر بھوکے درندے چھوڑ کر جشن منایا کرتے تھے؟ شاید ہمیں اپنے ذہنوں میں ٹٹولنا چاہیے، اس میں یہ وحشت یہ درندگی کہاں سے آ گئی...... اور آ ہی گئی تو اس کا علاج کرنے کی بجائے، ہم اسے تہوار کا نام کیوں دیتے ہیں؟ تہوار اور پاگل پن میں کچھ فرق تو ہونا چاہیے !!

(روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۱۸؍فروری ۲۰۰۴ء)

'مسرت'

'ناتمام'......ہارون الرشید

کاش وہ جانتے، کاش وہ سمجھ سکتے کہ زندگی اپنے آپ پرنہیں، سچائی پر ایمان لانے سے پنپتی ہے!! کائنات کی سب سے بڑی جہالت کیا ہے؟ غلطی کرنے کے بعد اس پر اصرار، حماقت فرمانے کے بعد دلائل افروزی، جھک مارنے کے بعد دلائل فروشی!! انسان غلطیوں کے سبب برباد ہوتے تو سب ہو جاتے جبکہ غلطی کرنے سے نہیں، آدمی غلطی پہ اصرار کرنے سے تباہ ہوتے ہیں۔ جب قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ تو اس کا مفہوم یہی ہے جب تک آدمی غلطی کو غلطی گردانتا ہے، جب تک اس پر شرمندہ ہوتا اور پچھتاوے کا شکار ہوتا ہے وہ احساس اور شعور کی بلند منزل میں ہے اور بتدریج سنورتا جائے گا!!

چونتیس برس ہوتے ہیں۔ بہار کے یہی دن تھے جب مبتدی رپورٹر کے طور پر اپنے فرائض انجام دینے کے لئے میو ہسپتال پہنچا، پتنگ بازی کے نتیجے میں چھ زخمی بچے اور ان کی گیلی لکڑیوں کی طرح سلگتی ہوئی مائیں۔ ایڈیٹر نے کہا: یہ خبر تو نہیں، کالم ہے، خبر الگ سے لکھو۔ ہرچند کہ تب تہوار اس وحشت، دکھاوے اور اسراف کے ساتھ نہ منایا جاتا تھا لیکن حد درجے کی لاپرواہی تب بھی روا رکھی جاتی اور ہر سال المناک واقعات پیش آتے۔ اب تو وحشت ہی چلن ہے!!

اگر لاہور والے سستے اور خوش ذائقہ پکوان نہیں پکا سکتے تو کوئی بھی نہیں پکا سکتا لیکن وہ روپیہ برباد کرتے ہیں اور مقابلے میں ان کے پڑوسی بھی۔ دھاتی تار، فلمی گانوں کی چیختی دھاڑتی آوازیں، کلاشنکوف کی فائرنگ اور الکحل ......اس سارے عمل میں مسرت کہاں ہے؟ گلیوں اور چھتوں کی بجائے اگر وہ صرف باغوں اور کھلے میدانوں میں پتنگ اُڑاتے، سادہ مگر

خوش رنگ کھانے پکاتے اور اسے تقریبِ ملاقات کا رنگ عطا کرتے؟

جیسا کہ پچھلے سال عرض کیا تھا کہ یہ بچوں اور کسانوں کا تہوار ہے۔ کسانوں کی زندگیاں کسی زمانے میں بہت پھیکی ہوا کرتی تھیں۔ جن کے پاس ٹیلی ویژن یا ریڈیو نہیں، ان کی اب بھی ہیں۔ بچوں پر ڈسپلن بہت سختی سے نافذ کیا جاتا ہے۔ سردی ہو یا گرمی صبح سویرے سکول کی تیاری، روزانہ آموختہ، کبھی کبھار کی چھٹی اور کبھی کبھی تھوڑا سا ہنگامہ اُن کے لئے اچھا ہے لیکن جان کی قیمت پر؟ تار سے کٹتی گردنوں کے ساتھ؟ ماؤں کے ہاتھوں میں بچوں کے لاشے؟ مسرت کہاں ہے......؟

جناب عباسؓ بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بارِدگر حاضر ہوئے اور آسودگی کے لئے دعا کی درخواست کی۔ فرمایا: اے میرے چچا! جب سے انسان اس دنیا میں آیا ہے، اس نے عافیت سے بہتر کوئی دعا نہیں مانگی، غالباً یہی وہ موقع تھا جب یہ دعا تعلیم کی

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ

''اے میرے اللہ مجھے دنیا اور آخرت میں عافیت عطا فرما......''

آدمی کو ازل سے عافیت درکار ہے۔ انصاف، امن، رزقِ طیب، مناسب لباس اور ڈھنگ کا کھانا۔ اظہارِ خیال کی، عقیدے کی آزادی؛ رہی راحت تو وہ عبادت میں ہے۔ اطمینان ذکر میں ہے، بندوں کی خدمت میں، ایثار میں، محتاج کو کھلانے، مریض کے لئے دوا خریدنے اور محروم بچے کو تعلیم دلانے میں اور ایسی تفریح میں جو شاد کام کرے۔ علم حاصل کرنے میں، سیر و سفر میں، دوستوں کے ساتھ وقت بتانے میں، ان کے ساتھ احساسات کی شرکت میں جن سے طبیعت ہم آہنگ ہو اور جن پر بھروسہ کیا جا سکے۔

چیختے چنگاڑتے فلمی گانوں میں، الکحل میں، دکھاوے کے لئے پکائے گئے، گرانی پیدا کرنے والے پکوانوں میں مسرت کیسی؟ یہ فرار ہے اور خودفریبی!! اقبال نے کہا تھا: گاہے فرار بھی عین حیات ہوتا ہے۔ جی ہاں کبھی کبھی کم کم!! یہ ایک رویہ نہیں ہوسکتا جو اختیار کرلیا جائے

اور دوسروں کواس کی دعوت دی جائے حتیٰ کہ سارا شہر پاگل ہوا جائے!!

تیرہ برس ہوتے ہیں، گرد و نواح سے تب تہوار منانے والے خال خال ہی لاہور کا رخ کرتے تھے۔ بسنت کی شام سید صاحب سارے شہروں کی خبریں سامنے رکھے کچھ دیر سوچتے رہے پھر سرخی جمائی: 'قصور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، فیصل آباد اور لاہور میں بسنت خون کے چھینٹے اُڑاتے گزر گئی۔'' سید اب جوان آدمی نہیں، اب ان کے پوتے اور نواسے جوان ہیں۔ کل شام ملاقات ہوئی تو وہ بسنت کے تذکرے تک سے بے زار تھے۔ کہا شہر گویا پاگل ہوا جاتا ہے!!

آدمی اپنے آپ سے ناخوش ہیں اور خود سے بھاگ رہے ہیں۔ غم حیات سے گھبرا کر بندگانِ خدا۔ چلے ہیں جانب میخانہ خودکشی کے لئے۔ بدترین بات یہ ہے کہ ہر چیز کے لئے دلائل موجود ہیں۔ یہ محض علم نہیں، آدمی کا احساس اور ضمیر ہوتا ہے جو اسے راستے دکھاتے ہیں۔ ورنہ علم تو خود حجاب ہو جاتا ہے۔ انسانی ہمدردی، مثبت اندازِ فکر، خودداری اور اللہ پر ایمان ہے اصل چیز ورنہ چڑچڑا پن ہے۔ ہسٹریائی کیفیت، وحشت، بغض، عناد، حسد، انتقام اور گالی۔ آدمی کو تھوڑا سا دھیما پن اور تہذیبِ نفس درکار ہے لیکن خودستائی کے مارے ہوئے لوگ تہذیبِ نفس کیونکر اختیار کریں کہ اصلاح کا دروازہ تو غلطی کے شعور سے اور عجز و انکسار سے کھلتا ہے۔ زندگی آج بھی وہی جبلّتوں کا کھیل ہے۔ وہی غلبے کی آرزو حریف ہے حتیٰ کہ اختلاف کرنے والے سے وہی نفرت، اسے مٹا دینے کی آرزو؛ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔

سرکارؐ نے کہا تھا: 'خیر خواہی' الدین النَّصیحۃ ''دین تو بس (تمام انسانوں کی) خیر خواہی سے عبارت ہے: کھانا کھلانا، سلام کرنا، تیمارداری، ایثار، ضبطِ نفس، صبر، تحمل شائستگی۔

مزید فرمایا: ''مجھے اس لئے بھیجا گیا کہ اخلاق کی تکمیل کر دوں......''

کاش! وہ جانتے، کاش وہ سمجھ سکتے کہ زندگی اپنے آپ پر نہیں، سچائی پر ایمان لانے سے پنپتی ہے اور سچائی کے لئے گاہے اپنی نفی درکار ہوتی ہے!!

(روزنامہ جنگ لاہور: ۳رفروری ۲۰۰۵ء)

بسنت کا مسئلہ

'تکبیر مسلسل'......خورشید ندیم

جناب خورشید حسن ندیم جاوید احمد غامدی صاحب کے شاگردِ رشید ہیں۔ اسی لئے اگر اُنہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ پتنگ اُڑانے اور بسنت منانے سے کون سا شرعی ضابطہ مجروح ہوتا ہے، تو یہ بات حیران کن نہیں ہے۔ انہیں چاہئے کہ فقیہ عصر (غامدی صاحب) کے خطاب پر مبنی وہ مضمون ضرور دیکھ لیں جو اُنہوں نے اسلام میں فنونِ لطیفہ کی حیثیت پر ارشاد فرمایا۔ ان کے کالم کا عنوان تو 'تکبیر مسلسل' ہے، مگر یہ 'تکبیر' وہ اسلام کا کلمہ حق بلند کرنے کے لئے نہیں، بلکہ اسلام کی اصلی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لئے بلند کرتے ہیں!!

خورشید صاحب نے اپنے کالم میں ہیگل کے فلسفہ کو شامل کر کے فلسفیانہ موشگافی کے بیکار شغل میں وقت ضائع کیا ہے۔ وہ اسلام پسندی کا دعویٰ کرنے کے باوجود شدید کمپلیکس میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ان کا یہ اُسلوب رہا ہے کہ بات اس انداز میں کی جائے کہ وہ سیکولر دانشوروں کی تنقید کا باعث نہ ہو۔ اسی لئے وہ اس کالم میں ٹامک ٹوئیاں مارتے نظر آتے ہیں۔ بسنت کے متعلق حسن نثار، نذیر ناجی اور عباس اطہر نے تو بالکل دوٹوک الفاظ میں اپنے تحفظات بیان کئے ہیں مگر خورشید ندیم جیسے نام نہاد اسلامی دانشور ہیگل کے فلسفے کی چادر لپیٹ کر اپنا موقف پیش کرتے ہیں، اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ ان کا کالم ہم نے اس غرض سے شامل کیا ہے کہ ہمارے قارئین جان لیں کہ دورِ حاضر کے معتزلہ سماج دشمن تہواروں کے متعلق بھی کس طرح معذرت خواہانہ انداز اپناتے ہیں اور حق بات لکھتے ہوئے ان کے قلم کی زبان کس طرح لکنت کا شکار ہو جاتی ہے۔

اگر وہ ہمارا یہ تبصرہ دیکھ سکیں تو ہماری ان سے گزارش ہے کہ وہ ثابت کریں کہ بسنت ہندووانہ تہوار نہیں ہے؟ اگر یہ ہندووانہ تہوار ہے اور یہ بات ناقابل تردید ہے تو پھر یہ ارشاد بھی فرمائیں کہ ایک ہندوانہ تہوار کو اس جوش وخروش سے منانے سے شرعی قباحت کیونکر نہیں ہے؟ معلوم ہوتا ہے ان کی خانہ زاد شریعت میں یہ سب کچھ جائز ہے۔ (ع۔ص)

بسنت جیسی خوبصورت تفریح، اس افراط وتفریط کی نذر ہو گئی، جو اب ہمارے مزاج کا حصہ بن گئی ہے میں نہیں جانتا وہ توازنِ فکر کہاں کھو گیا ہے، جسے اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ

نے خیر الأمور کہا ہے۔

سب سے پہلے تو اس دلیل کو دیکھئے کہ بسنت شریعت میں ناجائز ہے۔ میں نہیں جانتا کہ پتنگ اُڑانے سے کون سا شرعی ضابطہ مجروح ہوتا ہے؟ میں اس تصورِ دین ہی کو سمجھنے سے قاصر ہوں جس کے تحت ہر وہ بات خلافِ شریعت قرار دے دی جاتی ہے، جس میں لوگوں کے لئے خوشی یا تفریح کا کوئی پہلو ہوتا ہے۔ موسیقی، مصوری یا جمالیات سے متعلق کسی بات کا ذکر کیجئے، معلوم ہوتا ہے کہ ہر شے حرام ہے۔ جمالیات سے عاری ہونے کے بعد لوگوں کو قرآنِ مجید بھی محض قانون کی ایک کتاب نظر آتی ہے۔ اس کی حکمت ان کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔

ہمارے ہاں جو لوگ دینی حوالے سے کوئی معاشرتی تشخص رکھتے ہیں، کبھی کبھی مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے دینی تصورات کسی شعوری تجربے کا نتیجہ نہیں بلکہ محض ردِعمل کا حاصل ہیں۔ سیکولر طبقہ جس کام میں دلچسپی لے، وہ ان کے نزدیک غیر اسلامی ہو جاتا ہے۔

تہذیب اور تمدن کا تعلق ایک علاقے سے ہوتا ہے۔ ہمارے خطے کی اپنی ایک تہذیب ہے۔ اس میں شاعری، موسیقی، تہوار، بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ ہمارے دینی طبقات کو اِن سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔ وارث شاہ، پنجاب کے ایک بڑے شاعر ہیں۔ ان کے ذکر کے بغیر یہاں کا ثقافتی تذکرہ ادھورا ہے۔ ہمارا سیکولر طبقہ چونکہ تہذیب کا تمام تعلق علاقے سے جوڑتا ہے، اس لئے وہ اپنی سرگرمیوں میں مقامی زبان، شاعری وغیرہ کو نمایاں کرتا ہے۔ ہمارے دینی طبقات چونکہ ردِعمل میں سوچتے ہیں، اس لئے انہوں نے اپنی مجالس کو وارث شاہ کے ذکر سے ہمیشہ 'پاک' رکھا ہے۔ بلکہ اگر کوئی وارث شاہ یا پنجابی زبان کی بات کرے تو اسے کسی نہ کسی طرح خلافِ اسلام قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ اندازِ فکر ایک ردعمل کا نتیجہ ہے۔ اگر پنجاب میں بسنے والا کوئی آدمی یا سندھ کا کوئی باسی اپنے تہذیبی مظاہر کو زندہ رکھتا ہے تو اس سے اس کی اسلامیت کو آخر کیا خطرہ ہوسکتا ہے؟

بسنت کی اس غیر معمولی مخالفت کا سبب یہی ردعمل کی نفسیات ہے۔ اگر ہمارے دینی طبقات اس سے باہر نکل کر یہ جائزہ لیں کہ اس میں شرعی اعتبار سے کیا مسئلہ ہے تو میرا خیال

ہے کہ ان کی مخالفت میں کمی آ سکتی ہے۔ آج جس اُصول پر اس کو ناجائز قرار دیا جارہا ہے، اس کا اطلاق تو ہر کھیل پر ہوتا ہے۔ کرکٹ گراؤنڈ میں آج جو کچھ ہورہا ہے، کیا وہ ہمارے مذہبی ذوق کے مطابق ہے؟ وہاں لڑکیاں چوکے اور چھکے پر جیسے داد دیتی ہیں، کیا اس کے بعد کرکٹ غیر اسلامی کھیل بن جاتا ہے؟ ہمارے ہاں شادیوں پر جس طرح اسراف اور غیر شرعی حرکات ہوتی ہیں، کیا اس کے بعد شادیوں پر پابندی لگا دینی چاہئے؟ اگر کسی کھیل یا تہوار کے ساتھ کچھ خرافات وابستہ ہوجائیں تو کیا اس کے بعد وہ کھیل یا تہوار غیر شرعی ہوجاتا ہے؟

اپنے مذہبی طبقات سے میری درخواست یہ ہے کہ وہ علاقائی تہواروں کو محض تہذیبی نظر سے دیکھیں اور اسے اسلام یا غیر اسلام کا مسئلہ نہ بنائیں۔ ہم نے اہل علم سے جو کچھ جانا وہ یہی ہے کہ اسلام ایک اخلاقی رویے کی تعمیر کرتا ہے اور ہر خطے کے کلچر کو اپنے دامن میں سمو لینے کی صلاحیت رکھتا ہے، سوائے ان باتوں کے جن سے انسان کے اخلاقی وجود کو کوئی عارضہ ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام محض عربوں کا دین نہیں بنا، یہ ایران، برصغیر، افریقہ اور وسطی ایشیا میں بھی اسی طرح مقبول ہوا جیسا کہ وہ جزیرہ نما عرب میں پسندیدہ تھا۔

سوال یہ ہے کہ معاشرے میں اگر کوئی غیر اخلاقی رویہ مقبول ہونے لگے تو کیا اس کا علاج یہ ہے کہ ہم لٹھ لے کر لوگوں کے پیچھے پڑ جائیں، یا حکومت سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ کچھ قوانین کے زور پر اسے ختم کردے۔ یہ بات تو اب تجربے سے ثابت ہوچکی کہ محض قانون سازی سے کوئی معاشرہ اسلامی نہیں بن سکتا۔ اب اگر معاشرے میں کوئی خرابی ہے تو اس کی اصلاح تربیت سے ہوسکتی ہے۔ تربیت کا مطلب یہ ہے کہ لوگ شعوری طور پر کسی خرابی سے آگاہ ہوجائیں۔ جب تک یہ نہیں ہوگا، ہماری تمام رسوم، مذہبی ہوں یا غیر مذہبی ان میں خرافات شامل رہیں گی۔

یہ صحیح ہے کہ بسنت کے تہوار کے ساتھ بھی بہت سی خرابیاں وابستہ ہوگئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان خرابیوں کی اصلاح ہو، لیکن اس کا یہ طریقہ نہیں کہ ہم بسنت ہی کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے لئے دلائل تراشنے لگیں یا اسے کسی غیر مسلم قوم سے متعلق قرار دیں۔ اس کا صحیح طریقہ یہی ہوسکتا ہے کہ ہم لوگوں کو مسلسل متوجہ کرتے رہیں کہ کیسے وہ اس تفریح سے زیادہ سے

زیادہ حظ اُٹھا سکتے ہیں اور کیسے خرابیوں سے بچ سکتے ہیں جن کے نتیجے میں انسانی جان بھی جاسکتی ہے۔

بسنت کے موقع پر ہماری قوم جس طرح دو حصوں میں بٹ جاتی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں کیسے انتہا پسندی کو ایک قدر کی حیثیت حاصل ہوتی جارہی ہے۔ اس وقت ہمارے ہاں دین کا جو تصور رائج ہے، وہ تمام تر انتہا پسندی سے عبارت ہے۔ اسی طرح سیکولرزم کا مفہوم ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ہر اس چیز کو ختم کر دینا چاہیئے جسے مذہب سے کوئی نسبت ہوسکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم ہر بات پر باہم دست و گریباں رہتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے بسنت پر پابندی لگا دی جائے۔ دوسرا کوشش کرتا ہے کہ اس میں شامل خرافات میں اضافہ ہو۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ حدود قوانین کو بالکل ختم کر دیا جائے، دوسرا کہتا ہے کہ اس میں کوئی ترمیم گوارا نہیں۔ یہی معاملہ بین الاقوامی اُمور کا بھی ہے۔

یہ بات کہ امریکہ سے تصادم کے علاوہ بھی تعلق کی بنیاد ہوسکتی ہے، ہماری سمجھ میں کبھی نہیں آسکی۔ اس رویے کی ایک بڑی وجہ ہمارے ہاں جمہوری کلچر کا فقدان ہے۔ جمہوریت کی برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے رواداری اور دوسرے نقطہ نظر کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہیگل کی اصطلاحات میں بات کی جائے تو معاشرہ ایک نظریے (thesis) اور اس کے مخالف نظریے (anti-thesis) میں نہیں اُلجھا رہتا بلکہ کسی امتزاج (synthesis) تک بھی پہنچتا ہے۔

جب ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں تو پھر بات بسنت تک محدود نہیں رہتی، ایک قومی المیہ بن جاتی ہے۔ میں جس قومی تعمیر کی بات کرتا ہوں، اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہمیں ایک مثبت اندازِ فکر اپنانا چاہیئے۔ ہمیں ردعمل میں نہ تو کوئی نظریہ قائم کرنا چاہیئے اور نہ ہی کوئی اقدام کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد ممکن ہے کہ ہم اس تقسیم (polarization) سے نکل سکیں جس میں ہم بحیثیتِ قوم مبتلا ہیں اور مل کر قومی مسائل پر سوچ سکیں۔ آیئے اس کا آغاز اسی بسنت کے مسئلے پر غور وفکر سے کریں۔ (روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۱۶ر فروری ۲۰۰۴ء)

بسنت اور حقیقت رائے

'تکبیر مسلسل'......خورشید ندیم

جناب خورشید ندیم کا پیش کردہ استدلال اس قدر بودا، بھونڈا اور سطحی ہے کہ اس پر تبصرہ کرنا بھی تضیع اوقات معلوم ہوتا ہے۔ ایک ایسی حقیقت کو وہ جھٹلانے کے درپے ہیں جو تاریخی واقعات سے ثابت ہے۔ یہ بات ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ لاہور میں بسنت کے موقع پر پتنگ بازی کا آغاز حقیقت رائے دھرمی کی سمادھی پر جشن کے دوران ہندوؤں نے کیا۔ اگر آج کے دانشور اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں یا پھر 'تجاہل عارفانہ' سے کام لیتے ہیں تو ان کی خود منتخب کردہ جہالت کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ خورشید ندیم لاہور کے اندرونِ شہر علاقوں کا دورہ فرمائیں، اب بھی بہت سے بزرگ زندہ ہوں گے جو اُنہیں بتائیں گے کہ ہندو حقیقت رائے کی سمادھی پر ہی بسنت مناتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مذہب کے نام پر استحصال نہیں کیا جانا چاہئے۔ مگر ایک تاریخی حقیقت کو جھٹلا کر اپنی دانشوری کا سکہ جمانے کی کوشش بھی کم درجے کی بے ہودگی نہیں ہے۔ یہ دلیل قابل اعتنا نہیں ہے کہ آج کے مسلمان چونکہ حقیقت رائے دھرمی کی یاد میں بسنت نہیں مناتے، لہٰذا یہ قابل اعتراض نہیں۔ اگر بسنت کا ہندوانہ تہوار مسلمانوں کے لئے قابل تہوار نہیں ہے، تو ہندوؤں کے دیگر تہوار مثلاً ہولی، دسہرا وغیرہ کے منانے میں بھی کوئی 'شرعی قباحت' کیونکر ہوسکتی ہے!!

خورشید ندیم کو چاہئے کہ وہ ہولی منانے کے جواز میں بھی دلائل کا بے ہودہ گورکھ دھندا تیار کریں۔ اُنہیں شاید علم ہوگا کہ ۲۰۰۴ء میں بعض بے حمیت پاکستانی مسلمانوں نے دہلی میں ہولی کے تہوار میں شرکت کی اور اپنے کپڑوں پر ہولی کے رنگ انڈیلے۔ ایسے بے حمیت لوگوں کے لئے خورشید ندیم کی دانشوری 'مینارۂ نور' کا کام کرسکتی ہے۔ (ع۔ص)

اس خطے کے مسلمانوں پر آپ جو الزام دھریں، ممکن ہے اس کے لئے کوئی تاریخی شہادت یا تہذیبی قرینہ موجود ہو لیکن یہ بات کہ یہاں کے مسلمان مل کر کسی گستاخِ رسولﷺ کی یاد منائیں،

اس کے لئے ممکن نہیں کہ کوئی تاریخی حوالہ یا تہذیبی مظہر آپ کی تائید میں کھڑا ہو۔ جس قوم کا سب سے بڑا آدمی غازی علم دین کو رشک کی نظر سے دیکھتا ہو، وہاں یہ گمان کرنا بھی تہذیب اور تاریخ سے بے خبری کی دلیل ہے۔ بسنت کو حقیقت رائے سے نسبت دیتے وقت لوگ اگر اس پہلو کو پیش نظر رکھیں تو شاید وہ ایسی غلطی کے مرتکب نہ ہوں۔ تاہم اپنا مقدمہ ثابت کرنے کے لئے ہم ہاتھ میں آنے والے ہر اینٹ روڑے کا استعمال جائز سمجھتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے دامن پر لگے اس الزام کو دھونے کے لئے ہم تاریخ ہی سے پوچھیں کہ بسنت اور پھر حقیقت رائے کی حقیقت کیا ہے؟

میرے سامنے تاریخ لاہور پر دو کتابیں دھری ہیں۔ ایک کے مصنف کنہیا لال ہندی ہیں اور دوسری کے سید محمد لطیف۔ پہلی کتاب ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی اور دوسری ۱۸۹۲ء میں۔ دونوں میں بسنت اور حقیقت رائے کا تذکرہ ایک ہی طرح سے ہوا ہے۔ یعنی ان میں واقعات اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں۔ آیئے دیکھیں! یہ کتابیں کیا کہتی ہیں......؟

بسنت بہار کو کہتے ہیں۔ بہار کی آمد کا یہ میلہ کسی مذہبی امتیاز کے بغیر، لاہور میں مدتوں سے منایا جاتا ہے۔ بعد میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے دو الگ الگ مذہبی مقامات کا انتخاب کرلیا۔ مسلمان یہ میلہ مادھولال حسین کے مقبرے پر مناتے تھے اور ہندو حقیقت رائے کی سمادھ پر۔ تاہم اس کا حوالہ وہی بہار کی آمد رہا یعنی اس کو مذہبی رنگ نہیں دیا گیا۔ مادھولال حسین دو مختلف افراد کے نام ہیں۔ لال حسین ،اکبر کے عہد میں ایک مجذوب تھے۔ مادھو مسلمان ہوا اور لال حسین کا مرید ہوگیا۔ ۱۰۰۸ء میں لال حسین فوت ہوئے اور شاہدرہ کے پاس راوی کے کنارے دفن کئے گئے۔ چار سال بعد جب دریا نے اس جگہ کو اپنی لپیٹ میں لیا تو مادھو نے لال حسین کی میت کو نکالا اور اس جگہ لا دفن کیا جہاں اب ان کا مزار ہے۔ مادھو فوت ہوا تو یہیں لال حسین کے پہلو میں دفن ہوا۔ مادھو کے ساتھ اس محبت کے باعث لال حسین کا نام ہی مادھولال حسین مشہور ہوگیا۔ یک جان دو قالب۔

اس مزار پر مسلمان اور ہندو ۔ جی ہاں ہندو بھی جمع ہوتے تھے اور جنوری میں بسنت کا

میلہ لگتا تھا۔ رنجیت سنگھ نے اپنے عہدِ اقتدار میں اس کی خصوصی سرپرستی کی۔ وہ بسنت کے روز خاص طور پر مزار پر آتا اور یہاں دربار لگاتا۔ ''اس خانقاہ پر حاضری کے وقت ۱۱۰۰ روپے نقد اور دو زرد شالوں کا جوڑا نذرانے کے طور پر پیش کرتا تھا۔'' شہر اور مضافات سے دس ہزار کے قریب افراد یہاں جمع ہوتے اور سب زرد لباس میں ملبوس ہوتے تھے۔ مہاراجہ اور اس کے درباری بھی اسی رنگ کا لباس پہنتے۔ شہر سے شالامار باغ تک، دونوں طرف سرسوں کاشت ہوتی تھی اور اس کے میلوں پھیلے زرد پھولوں کے ساتھ جب ہزاروں لوگ اس رنگ کے لباس میں ملبوس ہوتے تو اس شہر کی خوشنمائی ایک دلکش منظر پیش کرتی۔

اب دیکھئے کہ حقیقت رائے، اس سارے معاملے سے کیسے متعلق ہوا؟ یہ سترہ برس کا ایک ہندو لڑکا تھا جو مسلمانوں کے ایک مکتب میں فارسی پڑھتا تھا۔ اس وقت نواب زکریا خان بہادر لاہور کے حاکم تھے۔ ایک روز جب استاد موجود نہیں تھا، طلبا آپس میں لڑ پڑے۔ ایک مسلمان لڑکے نے، اس دوران میں، دیوی کے بارے میں کوئی ناشائستہ بات کہہ دی۔ جواباً حقیقت رائے نے ویسی ہی بات رسالت مآب ﷺ کے اہل خانہ کے بارے میں کہہ دی۔ اُستاد واپس آیا تو مسلمان طلبا نے شکایت کی۔ استاد نے حقیقت رائے کو پکڑا اور اسے قاضی شہر کے پاس لے گیا۔ قاضی نے واقعہ سنا اور حقیقت رائے کو موت کی سزا سنا دی۔ اس فیصلے کو منظوری کے لئے حاکم لاہور کے پاس بھیج دیا۔ نواب زکریا خان بہادر نے حقیقت رائے کو بلایا اور اسے پیش کش کی کہ اگر وہ اسلام قبول کرلے تو اسے معاف کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت رائے نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ اس کو پھانسی دے دی گئی اور اس کی نعش یہاں جلائی گئی جہاں اس کی سمادھ (مزار) بنی ہے۔ یہ جگہ ہندوؤں کے لئے متبرک قرار پائی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس نے رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی کی بلکہ ہندوؤں کے ہاں جو چیز اس کے اس اعلیٰ مقام کا باعث بنی وہ اس کی یہ ادا تھی کہ اُس نے زندگی پر دھرم کو ترجیح دی۔ اس نے پھانسی چڑھنا گوارا کرلیا لیکن اپنا مذہب نہیں چھوڑا۔ اس اعتراف کے طور پر ہندو اس کی قبر پر جمع ہونے لگے اور پھر یہیں انہوں نے بسنت کا میلہ منانا شروع کردیا۔

اس سارے قصے کی تاریخی حقیقت یہ ہے۔ اب اس کی بنیاد پر اگر یہ مقدمہ قائم کیا جائے کہ مسلمان ایک گستاخِ رسول کی یاد میں جشن مناتے ہیں یا بسنت کو حقیقت رائے سے کوئی نسبت ہے تو یقیناً اس کا کوئی اخلاقی جواز نہیں!!

دنیا کا سب سے آسان کام جذبات کا استحصال ہے۔ اگر اس میں مذہب بھی شامل ہوجائے تو یوں سمجھئے کہ معاملہ دو آتشہ ہوجاتا ہے۔ دنیا کا سب سے مشکل کام جذبات کے برخلاف لوگوں کو حکمت کی بات بتانا اور انہیں عقل کی راہ سجھانا ہے۔ جذبات بہت قابل قدر ہوتے ہیں۔ اور ان کا احترام بھی کیا جانا چاہئے لیکن اصل کام یہ ہے کہ ان جذبات کو کسی تعمیری سرگرمی کے لئے مہمیز بنا دیا جائے۔ یہ کام کرنے والے اکثر اپنے عہد میں اجنبی ہوجاتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ قوموں کی زندگی میں بالآخر ایسی آوازیں ہی مستند ٹھہرتی ہیں۔ سرسید کو اپنے عہد میں اجنبیت کے عذاب سے گزرنا پڑا لیکن آج ہمارے دل ان کے احترام کے جذبات لئے ہوئے ہیں۔

معاملہ محض بسنت کا نہیں، یہ جاننے کا ہے کہ تفریح کیسے زندگی میں راحت لاتی ہے۔ اگر کوئی چیز اس راحت کو کسی زحمت میں بدل دے تو اس سے گریز کرنا چاہئے، بسنت کے ضمن میں ایک سینئر کالم نگار نے اپنے کالم میں جو تجویز پیش کی ہے، میرا خیال ہے کہ اسے سنجیدگی سے زیر بحث لانا چاہئے۔ اصل بات خرابی کی اصلاح ہے نہ کہ کسی شے کو جڑ ہی سے اُکھاڑ دینا۔ شادی خوشی کا موقع ہے لیکن لوگ ہوائی فائرنگ سے شادی کے گھر کو ماتم کدے میں بدل دیتے ہیں۔ سفر ہماری ضرورت ہے اور وسیلہ ظفر بھی لیکن لاپرواہ ڈرائیور اس میں موت کا رنگ گھول دیتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ شادی پر ہوائی فائرنگ اور غیر محتاط ڈرائیونگ کی مذمت کی جائے نہ کہ شادی اور سفر پر پابندی کی تحریک چلائی جائے اور بوقتِ ضرورت تاریخی ثبوت بھی دے دیا جائے کہ فلاں ہندو کی شادی پر چونکہ ہوائی فائرنگ ہوئی تھی، اس لئے شادی ایک ہندوانہ رسم ہے۔ اس اندازِ فکر سے دستِ بردار ہونے ہی میں ہماری بھلائی ہے، لیکن اس کے لئے کچھ لوگوں کو شعوری طور پر اجنبیت کے عذاب سے گزرنا ہوگا۔

(روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۲۵ر فروری ۲۰۰۴ء)

'لاہور اور میلے'

چوہدری فواد حسین

گذشتہ دو کالموں کو شائع کرنے میں جو مقصد ہمارے پیش نظر تھا، وہی آئندہ دو کالموں کی اشاعت میں بھی ہے۔ ان چاروں کالموں کی اشاعت سے قارئین کو یہ دکھانا مقصود ہے کہ جو لوگ بسنت کی حمایت کرتے ہیں، ان کے استدلال کا وزن کتنا ہے؟ قارئین انصاف پسندی سے جائزہ لیں کہ کس قدر غیر ضروری تعمیم کے ذریعے ایسے قلمکار اپنے مقصود کو پورا کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں۔ ان دو کالموں کے بارے میں تبصرہ ہم اپنے ذہین قارئین کی علمی استعداد پر چھوڑتے ہیں کہ ایسے استدلال سے وہ کیسا تصور قبول کرتے ہیں۔

یہاں لاہور میں رواج یہ ہے کہ اگر رات کے کھانے پر کوئی آٹھ بجے بلائے تو آپ کم از کم ساڑھے نو بجے پہنچیں اور اگر کھانے کا وقت ساڑھے نو درج ہے تو پھر سمجھ لیں گے معاملہ رات گئے تک پہنچے گا۔ کئی شادیوں پر تو یوں ہوا کہ دس بجے رات کو پہنچے تو صرف لائٹ لگانے والے آئے تھے۔ بہرحال یہ لاہور ہے جاگتی ہوئی راتوں کا شہر۔ گذشتہ دو ہفتے سے یہاں رنگ، روشنیوں اور میلوں کا سماں چل رہا تھا، کچھ بھی نہ ہو تو بھی لکشمی چوک اور داتا دربار کی رونق تو ساری رات رہتی ہے لیکن ان دنوں تو پورا شہر ا رنگ ونور میں کھویا رہا۔ پہلے بسنت اور ویلنٹائن ڈے نے رونق بخشی اور بعد میں جگجیت سنگھ نے رائل پام میں سروں کا دیپک چلایا۔ بسنت لاہور کا قدیم ترین میلہ ہے، میلہ چراغاں اور بسنت ہمیشہ سے ہی بڑے جوش و جذبے سے منائے جاتے رہے ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ میلہ چراغاں پر ایک ہزار روپے کی نذر چڑھاتا تھا، اسی طرح داتا صاحبؒ حاضری بھی اس کا معمول تھی۔ اکبر بادشاہ حضرت میاں میرؒ، داتا صاحبؒ اور بابا فرید شکر گنجؒ کے مزاروں پر حاضری دیتا تھا۔ اودھ کے حکمرانوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ چالیس لاکھ روپیہ ہر بسنت پر خرچ کرتے تھے۔ بہرحال یہ

حکمرانوں کی باتیں ہیں۔

ان میلوں کی خاص بات یہ ہے کہ عام لوگ اس میں شامل ہوتے ہیں۔ایک اندازہ ہے کہ اس بار بسنت میلے میں قریباً تیس لاکھ لوگ باہر سے لاہور آئے۔ یہ سب حکومتی سرپرستی نہ ہونے بلکہ اچھی خاصی حوصلہ شکنی کے باوجود ہوا۔ حالت یہ تھی کہ لاہور کے معمولی ہوٹل بھی سو فیصد بک تھے، فائیو سٹار ہوٹل میں ریٹ تیس ہزار روپے پر چلا گیا تھا۔ ان حالات میں ضلعی ناظم ایک ٹیلی ویژن پروگرام میں فرماتے ہیں کہ ہمارے پول کے مطابق نوے فیصد لوگ بسنت کے خلاف ہیں۔ اب اگر ضلعی حکومت کے باقی سروے بھی ایسے ہی ہوتے ہیں تو اللہ لاہور کی حفاظت کرے۔

بدقسمتی سے ہمارا مذہبی طبقہ اور دائیں بازو کی سیاسی جماعتیں اپنے رویوں میں ناپسندیدہ حد تک بے لچک ہیں۔ غالبًا ایریل شیرون نے کہا تھا:

"They seek Heaven by creating Hell on earth"

''یہ دنیا کو جہنم بنا کر جنت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

یہ مسئلہ صرف پاکستان میں نہیں بھارت میں دیکھ لیں۔ وہاں وشواہند پریشد نے ویلنٹائن ڈے کو بزورِ طاقت روکنے کا اعلان کیا اور ویلنٹائن ڈے چاکلیٹ اور کارڈز کی دکانوں میں توڑ پھوڑ کی۔ دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو تمام معاشروں میں کسی نہ کسی وقت میں شدت پسندی رہی ہے، پروٹسنٹ اور کیتھولک کئی عشروں تک دست و گریباں رہے ہیں لیکن آہستہ آہستہ ان معاشروں نے دوسروں کے نقطہ نظر کو سمجھا ہے اور دنیا اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ دنیا کو بہتر جگہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ فرد کی آزادی میں کم سے کم مداخلت کی جائے۔ شدت پسند طبقہ کا تفریح کے ہر پہلو پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس کی آڑ میں فحاشی پھیلتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ فحاشی کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہر شخص اور معاشرے کا اپنا نقطہ نظر ہے۔ مثلاً ایک عرب ملک میں شاید ہی کوئی خاتون سکارف یا حجاب کے بغیر نظر آئے اور اگر ایسے ماحول

میں کوئی خاتون سکارف نہیں اوڑھتی تو شاید اس معاشرے میں وہ مناسب نظر نہ آئے۔ یہ صورتِ حال لاہور کی ڈیفنس مارکیٹ میں نہیں ہے بلکہ یہاں برقع پہنی ہوئی خاتون ذرا عجیب لگتی ہے، اسی طرح مغرب کے کسی ساحل سمندر پر پورے کپڑے پہنے ہوئے مردوزن کو لوگ حیرت زدہ ہوکر دیکھتے ہیں۔ غالبًا برٹرینڈرسل نے لکھا ہے کہ جب میں چھوٹا تھا تو ایک خاتون کے پاؤں نظر آتے تھے تو پورا لندن کن اکھیوں سے اسے دیکھتا تھا، اب بوڑھا ہورہا ہوں تو (حالت یہ ہے) کہ کوئی برہنہ بھی نکل آئے تو لوگ شائد نہ دیکھیں۔

اسی طرح کئی لوگ رقص کو فحاشی سمجھتے ہیں، بے شمار اسے آرٹ سمجھتے ہیں۔ منصور علی شاہ لاہور کے بڑے وکیل ہیں اور ایک تعلیمی ادارے میں قانون پڑھا رہے ہیں، انہوں نے اپنے کچھ طالب علموں کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے ایک کورس میں داخلہ لیا جب کلاس ختم ہوتی تو یہ سب لوگ اکٹھے کھڑے تھے، ایک طلبہ تنظیم کے طالب علموں نے ان لوگوں کو پیغام دیا کہ ناظم صاحب نے اُنہیں طلب کیا ہے، منصور علی شاہ اور ان کے طالب علموں کو بتایا گیا کہ پنجاب یونیورسٹی میں لڑکےلڑکیوں کا اکٹھا کھڑا ہونا منع ہے کیونکہ اس سے فحاشی پھیلتی ہے۔ ان میں سے بعض کو تھپڑ بھی مارے گئے اور بعضوں کو سخت تنبیہ کی گئی۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ فحاشی کی اصطلاح کی جامع تعریف ممکن نہیں اور کیا ان حالات میں ہر فرد کو یہ اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے نظریہ کو دوسروں پر زبردستی نافذ کرے۔ دوسری طرف یہ نظریات صرف عورتوں کے استحصال کا ذریعہ ہیں۔ ۲۰۰۴ء میں اگر ہماری عدالتیں یہ فیصلے کریں کہ بالغ عورت کو مرضی کی شادی کا حق ہے یا نہیں؟ تو ظاہر ہے یہ معاشرے کی ترقی کی علامت نہیں۔ اسی طرح آرٹ، کلچر، ڈرامہ، شاعری، میلے مذہبی نقطہ نظر سے جائز ہیں یا نہیں؟ یہ بحث معاشرتی پستی کی علامت ہے......!

بہرحال لاہور نے پھر ثابت کیا ہے کہ پاکستان بطورِ قوم ایک لبرل قوم ہے جو دنیا کے باقی انسانوں کی طرح زندگی کو زندگی کی طرح گزارنا چاہتے ہیں نہ کہ دنیا کو جہنم بنا کر جنت کی خواہش رکھتے ہیں۔ (روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۲۷ر فروری ۲۰۰۴ء)

بسنت اور کچھ واقعات

تحریر: چودھری فواد حسین

٦ فروری ١٨٣٢ء ...... ٦ فروری کو بسنت کا تہوار بڑی شان وشوکت سے منایا گیا۔ اس کا مطلب عام طور پر موسم بہار ہوتا ہے۔ پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس موقع پر ہمیں مدعو کیا۔ ہم (مہاراجہ) کے ساتھ ہاتھیوں پر سوار ہو کر خوشیوں کا مظاہرہ دیکھنے گئے جو دیگر علاقوں کی طرح موسم بہار کی آمد پر سنائی جاتی ہیں۔ پنجاب کے فوجی دستے قطاروں کی صورت میں کھڑے تھے، انہوں نے دو میل طویل ایک گلی کی شکل بنا لی تھی اور اس کے آخری سرے تک جانے کے لئے تیس منٹ درکار تھے۔ فوج با قاعدہ فوجی دستوں، سواروں، پیدل فوج اور توپخانے پر مشتمل تھی۔ پوری فوج نے پیلے رنگ کا لباس یکساں طور پر پہنا ہوا تھا۔ یہ اس تہوار کا مخصوص لباس تھا۔ مہاراجہ قطار کے قریب سے گزرا اور اپنی فوجوں کی سلامی لی۔ ہمارا راستہ مکمل طور پر ناہموار سطح زمین پر واقع پرانے لاہور کے کھنڈرات میں سے ہو کر جاتا تھا، لہٰذا اس وجہ سے قطار میں لہر کی سی شکل پیدا ہوگئی تھی اور اس نے منظر کی خوبصورتی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ اس شاندار قطار کے آخر پر زرد حاشیوں سے مزین شاہی خیمے نصب تھے۔ ان کے درمیان ایک لاکھ روپے مالیت کا چھپر کٹ تھا۔ اس کو سچے موتیوں سے آراستہ کیا گیا تھا اور قیمتی پتھروں کا حاشیہ لگایا گیا تھا۔ اس سے بڑی کوئی چیز تصور میں نہیں آ سکتی تھی۔

اس کے ایک کونے میں مہاراجہ رنجیت سنگھ بیٹھ گیا ...... اس کے بعد زرد لباس میں ملبوس اس کی فوج کے کماندار اور امرا مال و زر کی صورت میں نذرانے پیش کرنے کے لئے آئے۔ کابل کے معزول بادشاہوں شاہ زمان اور شاہ ایوب کے دو بیٹے (خیمے میں) داخل ہوئے اور

کچھ دیر گفت وشنید کی۔ اس کے بعد ملتان کا نواب (سرفراز خان) بھی زرد لباس میں ملبوس اپنے پانچ بیٹیوں کے ہمراہ خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے آیا۔ اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ رقص کرتی ہوئی خوبصورت لڑکیوں نے بسنت کے تہوار کے عشقیہ گیت بڑی خوبصورتی سے گائے اور مہاراجہ نے انہیں بڑی فیاضی سے تحائف دیئے۔

(ڈاکٹر برنز کے سفر سے اقتباس)

لاہور کی تاریخ پر مستند کتاب "Lahore its History, Architectural remaines and Antiques" کے مصنف سید محمد لطیف نے لاہور کے بڑے میلوں کے تذکرے میں بسنت اور میلہ چراغاں کا ذکر کیا ہے۔ ۱۸۹۲ء میں منظر عام پر آنے والی کتاب میں مصنف نے لکھا ہے کہ ''لوگوں کو ابھی تک یاد ہے کہ اس جگہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں بسنت (جس کا مطلب بہار ہے) کی آمد پر کتنی خوشیاں منائی جاتی تھیں، جب مہاراجہ اور اس کی ساری فوج اور ہر کوئی زرد رنگ کی پوشاک میں ملبوس ہوتا تھا۔''

میلہ چراغاں کے متعلق سید محمد لطیف نے لکھا ہے کہ ''مہاراجہ رنجیت سنگھ اس خانقاہ پر حاضری کے وقت ۱۱۰۰ روپیہ نقد اور زرد شالوں کا جوڑ نذرانے کے طور پر پیش کرتا تھا۔''

یہ تذکرہ میں اس لئے کر رہا ہوں کہ لاہور میں میلہ بسنت کی آمد ہے لیکن اس بار یہ میلہ روایتی شان وشوکت اور گہما گہمی سے محروم ہے۔ میلے ٹھیلے ہوں یا فلم سٹیج یا پھر کھیل ان کی ترویج، ترقی اور مقبولیت کے لئے حکومتی سرپرستی چاہیئے ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں بڑی بدقسمتی یہ ہوئی ہے کہ تفریح کی ہر صنف کو مذہب سے جوڑ کر ناپسندیدہ قرار دے دیا گیا ہے۔ حکومت کی ترجیحات میں تفریح کہیں موجود ہی نہیں چنانچہ فلم ہو یا تھیٹر، میلے ہوں یا روایتی کھیلیں تمام کا رخ پستی کی طرف ہے حتیٰ کہ بعض تفریحات تو ختم ہی ہوگئی ہیں۔ حکومتی ترجیحات کے حوالے سے مجھے ایک دلچسپ واقعہ یاد آ رہا ہے کہ پنجاب کے جواں سال ثقافت کے وزیر شوکت علی بھٹی کے والد مہدی حسن بھٹی جو خود حافظ آباد سے ایم این اے ہیں وزیر اعلیٰ چودھری پرویز الٰہی سے ملے، دعا سلام کے بعد چائے کے دوران انہوں نے حافظ آباد کی روائتی پنجابی میں

وزیراعلیٰ سے کہا کہ آپ نے میرے بیٹے کو کیا محکمہ دے دیا ہے، مہربانی کر کے اسے تبدیل کردیں۔ وزیراعلیٰ نے ایک بار سوچا ہوگا کہ اتنی بڑی کابینہ میں محکمہ مل جانے کی خوشی کی بجائے یہ کیا بات کررہے ہیں؟ بہرحال اُنہوں نے اپنی حیرانگی پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ ''بھٹی صاحب! کیوں ایس محکمے اچ کی خرابی اے.....'' بھٹی صاحب نے کہا کہ ''چودھری صاحب خرابی تو کوئی نہیں لیکن ہم ایسے علاقے سے ہیں جہاں لوگوں نے ٹیلیویژن بھی ابھی اچھی طرح نہیں دیکھا۔ سوچتا ہوں آپ نے اسے کلچر کا محکمہ دے دیا ہے، لڑکا خراب ہی نہ ہوجائے۔'' اس بات پر وہاں کئی لوگوں کی پیالیاں گرتے گرتے بچیں۔

یہ تو ایک دلچسپ واقعہ تھا، ایک افسوسناک واقعہ بھی سن لیجئے۔ جب گورنر خالد مقبول بااختیار تھے تو ایک دن ایسے ہی انہیں خیال آیا کہ کلچرل معاملات بھی بہت اہم ہیں اور ان کی بھی خبر گیری ہونی چاہیئے چنانچہ گورنر ہاؤس میں ایک اہم میٹنگ بلالی گئی۔ میٹنگ کے دوران اچانک کسی صاحب نے گورنر صاحب کی توجہ اس 'فحاشی' کی جانب مبذول کروائی جو سٹیج ڈراموں میں رواج پارہی تھی۔ بجائے اس کے کہ گورنر صاحب ڈائریکٹر الحمرا کو زحمت دیتے کہ وہ معاملہ کو دیکھیں انہوں نے ایس ایس پی لاہور کو اس فحاشی پر توجہ دینے کی ہدایت کی چنانچہ پولیس نے اس خرابی کو جڑ سے اکھاڑنے کی وہی تدبیر کی جو وہ ہر خرابی کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے کرتی ہے۔ یعنی طاقت کا اندھا استعمال، ہر سٹیج ہال پر چھاپہ مارا گیا، فنکاروں کو حتیٰ کہ ڈرامہ دیکھنے والوں کو بھی گرفتار کرلیا گیا (کس قانون کے تحت یہ ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا)

بہرحال اس مثبت اقدام کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور کا سٹیج جو ایک انتہائی کامیاب کمرشل تھا، بُری طرح سے پٹ گیا۔ دیکھنے والوں میں کمی ہوئی تو ڈرامہ بنانے والے اور ڈرامہ ہال کے لوگ بھی معاملات کو سمیٹنے لگے۔ اب یہ بزنس بھی اپنی آخری سانسیں لے رہا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اربابِ اختیار کے معمولی فیصلے بھی عام زندگیوں کو متاثر کرتے ہیں، اس لئے فیصلوں سے پہلے بہت سوچنا چاہیئے۔

واپس بسنت کی طرف آتے ہیں حکومت نے ایک عرصہ سے پتنگ بازی پر جو لاہور کا قدیمی کھیل ہے، پابندی لگائی ہوئی ہے کیونکہ حکومت دھاتی تار کے استعمال کو نہیں روک سکتی۔ سوال یہ ہے کہ آپ اپنی ناکامی کا بدلہ لوگوں سے کیونکر لے رہے ہیں۔ ضلعی حکومت نے جتنے جوش وخروش سے پتنگوں پر پابندی نافذ کی ہے اس کا پاسنگ بھی ٹریفک کے نظام اور سڑکوں پر توجہ کی ہوتی تو شہر کی حالت بہتر ہوتی۔ بہرحال بہتر ہوگا کہ حکومت اگر تفریحات کی سرپرستی نہیں کرسکتی تو کم از کم پابندیاں نہ لگائے!!

(روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۲۷ر فروری ۲۰۰۴ء)

دنیا بھر میں پتنگ بازی سے متعلق قوانین

امریکہ، برطانیہ اور کینیڈا میں پبلک مقامات پر پتنگ بازی پر پابندی عائد ہے
کسی نقصان کی صورت میں یورپی ممالک میں پتنگ باز کو جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے
بعض یورپی ممالک میں صرف ساحل سمندر پر پتنگ بازی کی اجازت ہے!

تحریر: نصراللہ خاں بابر

پتنگ بازی پاکستان میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہوتی ہے۔ یہ ایک قدیم کھیل ہے کھیل اس وقت تک کھیل رہتا ہے جب تک اسے قواعد وضوابط کا پابند رکھا جائے، دنیا بھر میں پتنگ بازی کے کھیل کو قواعد وضوابط کا پابند بنایا گیا ہے۔ روایات کے مطابق پتنگ بازی کا آغاز تین ہزار سال قبل چین میں ہوا اور بعد میں اس کھیل نے مذہبی حیثیت اختیار کرلی۔ لوگ جانوروں، کیڑے مکوڑوں کی ساخت اور مختلف رنگوں کی پتنگوں کو دیوتاؤں تک اپنے پیغامات پہنچانے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ کوریا میں لوگ بچے کی پیدائش کے اعلان کے لئے پتنگیں اُڑاتے ہیں۔ جاپان میں ۵ مئی کو پتنگ بازی کا تہوار منایا جاتا ہے اور لوگ مچھلی کی شکل کی پتنگیں اُڑانے کو طاقت، مضبوط قوتِ ارادی اور عظیم مقاصد کے حصول کے لئے مشکلات پر قابو پانے کے عزم کا اظہار خیال کرتے ہیں۔ نیپال کے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ پتنگوں سے دیوتاؤں کو پیغام دیا جاتا ہے کہ اب زمین پر بارش کی ضرورت نہیں ہے۔ ہندو اور بدھ مت مذہب کے پیروکار پتنگ بازی کے تہوار کو درگا دیوی سے منسوب کرتے ہیں۔ درگا دیوی کو ان مذاہب میں ایسی دیوی ماں خیال کیا جاتا ہے جو دکھی انسانیت کو برائیوں کے چنگل سے چھڑاتی ہے۔ یہ لوگ ستمبر کے آخر یا اکتوبر کے شروع میں پتنگ بازی کا یہ تہوار مناتے ہیں۔ جاپان

میں پتنگ بازی کو بدروحوں کو بھگانے اور اچھی فصل کو یقینی بنانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

پتنگ بازی کو چینی تاجروں نے کوریا، ایشیا اور برصغیر میں روشناس کرایا، جاپان میں پتنگ بازی کو بدھ راہبوں نے متعارف کرایا۔ جاپان میں ایڈو (EDO) دورِحکومت میں پتنگ بازی بہت مقبول ہوگئی، یہاں تک کہ حکومت کو اس پر پابندی لگانا پڑی کیونکہ لوگ اپنے کام کاج پر توجہ نہیں دیتے تھے، تاہم یہ پابندی بھی زیادہ کامیاب نہ ہوسکی۔ سالمن جزائر پر بسنے والے لوگ مچھلی کے شکار کے لئے پتنگ بازی کو استعمال کرتے تھے۔

برصغیر میں پتنگ بازی کے بارے میں شہادت مغل دورحکومت میں ۱۵۰۰ء کے لگ بھگ کی ایک پینٹنگ سے ملتی ہے جس کے مفہوم کے مطابق ایک نوجوان الگ تھلگ مقام پر قید اپنی محبوبہ کو پیغام پہنچانے کے لئے پتنگ بازی کا استعمال کرتا ہے۔ تیرہویں صدی میں مارکو پولو اپنے ساتھ چین کی پتنگوں کی کہانیاں بھی یورپ لاتا ہے۔ ۱۶ ویں اور سترہویں صدی میں جاپان اور ملائیشیا کے تاجروں اور جہاز رانوں نے یورپ میں پتنگ بازی کو روشناس کرایا، تاہم اس وقت پتنگ بازی یورپ کی ثقافت پر زیادہ اثر انداز نہ ہوسکی۔

پتنگ بازی کے بارے میں سب سے قدیم تحریر تقریباً دوسو سال قبل مسیح کی ہے جب چین کی 'ہان سلطنت' کے ایک جنرل ہان بنسن نے پتنگ اُڑا کر جائزہ لیا کہ اس کے فوجیوں کو شہر کے اندر پہنچنے کے لئے کتنی لمبی سرنگ کھودنا پڑے گی، یہ فاصلہ معلوم کرنے کے بعد وہ سرنگ کھود کر شہر کے اندر داخل ہوگیا اور اس نے دشمن کو حیران کردیا۔

جنگِ عظیم اوّل میں برطانوی، فرانسیسی، اٹالین اور روسی افواج نے دشمن کی نقل وحرکت کا اندازہ لگانے اور اپنی افواج کو سگنلز دینے کے لئے پتنگ بازی کا استعمال کیا، تاہم ہوائی جہازوں کی فوج میں شمولیت کے بعد ان پتنگ باز فوجی یونٹس کو متروک کردیا گیا۔ جنگِ عظیم دوم میں امریکی بحریہ نے پتنگ بازی کے ذریعے دشمن کے جہازوں کو نیچی پرواز سے روکے رکھا۔ پتنگ بازی کو سائنس دانوں نے بھی اپنی ایجادات کے تجربات میں بہت زیادہ استعمال کیا، ہوائی جہاز کی ایجاد بھی دراصل پتنگ بازی کی ہی مرہونِ منت ہے۔ بینجمن فرینکلن جس

نے ۱۷۵۲ء میں بجلی ایجاد کی، نے آسمانی بجلی اور لیبارٹری میں پیدا ہونے والی بجلی کا موازنہ کرنے کے لئے پتنگ بازی کا استعمال کیا۔ الیگزینڈر گراہم بیل نے ہوا کی رفتار، بیرومیٹرک پریشر، ہوا میں نمی کے بارے میں جاننے کے لئے مسلسل ۴۰ سال تک پتنگوں کی مدد سے تجربات کئے۔ رائٹ برادرز نے پتنگ بازی کے ساتھ تجربات کئے اور ان تجربات کو ہوائی جہاز کی ایجاد اور ترقی کے لئے استعمال کیا۔

۱۸۲۲ء میں پتنگ بازی کی قوت کا سب سے انوکھا استعمال ایک سکول ماسٹر جارج پوکاک نے کیا، اس نے دو پتنگوں کی مدد سے ایک کیرج کو ۲۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلایا اور اس نے بعض مواقع پر ان پتنگوں کی مدد سے چلائی جانے والی کیرج میں ۱۰۰ میل سے زیادہ لمبا فاصلہ طے کیا۔

امریکہ، برطانیہ، کینیڈا میں پتنگ بازی کے بہت سے مقابلے منعقد ہوتے ہیں اور پتنگ بازی کے کلب بنے ہوئے ہیں۔ ان مقابلوں میں پتنگوں کے ذریعے دلچسپ سائنسی کرتب دکھائے جاتے ہیں۔ مختلف جگہوں میں یہ مقابلے سارا سال منعقد ہوتے رہتے ہیں تاہم ان ممالک میں پتنگ بازی کے سلسلے میں باقاعدہ قوانین اور قواعد وضوابط مرتب کئے گئے ہیں۔ ان قوانین میں سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ پتنگ بازی سے عام شہری متاثر نہ ہوں۔ ان ممالک میں بجلی کے کھمبوں، چھتوں، درختوں، سڑکوں اور پبلک مقامات پر پتنگ بازی کی ممانعت ہے۔ پتنگ بازی میں دھاتی ڈور کے استعمال کی اجازت نہیں ہے پتنگ باز کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس امر کا خیال رکھے کہ کوئی بھی شخص اس کی پتنگ بازی سے متاثر نہ ہو۔ برطانیہ میں پتنگ کو جہاز کی ایک قسم گردانا گیا ہے اور ۶۰ میٹر سے بلند پتنگ اڑانا سول ایوی ایشن کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں ہے، تاہم مقابلوں کے لئے باقاعدہ سول ایوی ایشن اتھارٹی سے اجازت حاصل کی جاتی ہے۔ پتنگ باز کسی قسم کا شور وغیرہ نہیں کرسکتا جس سے عام آدمی کے متاثر ہونے کا احتمال ہو۔ صرف مخصوص مقامات اور ساحل سمندر پر ہی پتنگ بازی کی جاسکتی ہے اور خاص قسم کی پتنگوں کے پیچ لڑانے کی اجازت ہے اور دوسری

پتنگوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی بھی ممانعت ہے۔ کسی حادثہ کی صورت میں پتنگ باز یا اس کے کلب کو بھاری زرِ تلافی ادا کرنا پڑ سکتا ہے۔ پتنگ بازی کی تعلیم کے باقاعدہ ادارے موجود ہیں جو کہ ٹریننگ بھی فراہم کرتے ہیں۔

پاکستان کے صوبہ پنجاب میں بھی خطرناک پتنگ بازی کی روک تھام کا آرڈیننس ۲۶ دسمبر ۲۰۰۱ء سے نافذ العمل ہے۔ اس قانون کے تحت دھاتی تار اور تندی سے پتنگ اُڑانے کو جرم قرار دیا گیا ہے اور یہ ناقابل ضمانت جرم ہے۔ ان جرائم کا فیصلہ ضابطہ فوجداری کے تحت سرسری سماعت کے ذریعے کیا جائے گا اور اس قانون کے تحت خطرناک پتنگ بازی کرنے والے کو چھ ماہ قید یا ۱۵ ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں بیک وقت بھی دی جاسکتی ہیں۔ اسی آرڈیننس کے تحت کم از کم سب انسپکٹر کے عہدے کا کوئی پولیس افسر کسی بھی جگہ تلاشی لے سکتا ہے اور خطرناک پتنگ بازی یا اس سلسلے میں استعمال ہونے والے مواد کو قبضہ میں لے سکتا ہے اور بغیر وارنٹ کے گرفتار کرسکتا ہے۔ تاہم اس قانون کے تحت پولیس افسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس علاقے کے یونین ناظم اور ۱۷ ویں گریڈ کے سرکاری ملازم کو ساتھ لے جسے ضلع ناظم یا صوبائی حکومت نے اختیار دیا ہو اور اگر وہ جگہ کسی خاتون کے زیر قبضہ ہو تو ایسی صورت میں اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ علاقے کی لیڈی کونسلر یا ۱۷ ویں گریڈ کی بااختیار خاتون افسر کو ساتھ لے۔ اسی آرڈیننس کے تحت ضروری ہے کہ پولیس افسر تلاشی اور اشیا کو قبضے میں لیتے وقت علاقے کے دو معززین افراد کو گواہ بھی بنائے۔ اس قانون کے تحت مجسٹریٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل سیشن جج کے پاس کی جاسکتی ہے۔

میری ذاتی رائے میں یہ قانون ایک ناقص قانون ہے جس کے تحت اوّل تو مجرم گرفتار ہی نہیں کیا جاسکتا اور اگر گرفتار کر بھی لیا جائے تو مجرم کو سزا دلانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس آرڈیننس کے نفاذ کے باوجود پتنگ بازی سے درجنوں ہلاکتیں ہوچکی ہیں۔ تمام حالات کا جائزہ لے کر قانون سازی کی جائے تاکہ معصوم اور بے گناہ افراد کو سڑکوں پر ہلاک ہونے سے بچایا جاسکے اور کیمیکل والی ڈوریں اور دھاتی تاریں استعمال کرنے والوں کے خلاف کارروائی

کے لئے سکواڈ تیار کئے جائیں تاکہ مجرمان کے خلاف فوری کارروائی کی جاسکے۔ پتنگ بازی کو صرف بڑے بڑے میدانوں تک محدود کردیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ سڑکوں پر پتنگیں لوٹنے والے افراد کے خلاف بھی کارروائی کی جائے شاید اس طرح ہی ہم اپنے قومی نقصان کو کچھ کم کرسکیں۔ دنیا کے دوسرے ممالک میں پتنگ بازی ایک دلچسپ کھیل ہے اور ہمارے ہاں جانی نقصان کا باعث بن رہا ہے۔ پتنگ بازی سے گزشتہ ایک عشرہ میں ۴۰۰ سے زائد افراد ہلاک ہوچکے ہیں۔ کیا ہم ان ہلاکتوں کے سدباب کے لئے اب بھی کوئی متفقہ فیصلہ نہیں کریں گے؟

روزنامہ 'جنگ' لاہور

مؤرخہ ۱۴ر فروری ۲۰۰۴ء کا خصوصی ایڈیشن

باب پنجم

قومی اخبارات میں شائع
ہونے والی اہم خبریں

① جانی نقصان

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء

شادباغ: ڈور نے موٹر سائیکل سوار نوجوان کا گلا کاٹ دیا

لاہور (کرائم رپورٹر) شادباغ لاہور کا ایک نوجوان پتنگ بازی کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ نوجوان علی موٹر سائیکل پر جا رہا تھا کہ اس کے گلے پر پتنگ کی دھاتی ڈور پھر گئی اور وہ دم توڑ گیا۔ پولیس نے اس واقعہ کی تصدیق نہیں کی۔

روزنامہ جنگ' لاہور: مؤرخہ یکم فروری ۲۰۰۴ء

ایک ہفتے میں چوتھی موت

تاجپورہ سکیم میں دھاتی ڈور نے والدین کے اکلوتے بیٹے کی جان لے لی

پانچویں جماعت کا طالب علم گیارہ سالہ وقاص گھر کی چھت پر بہن کے ساتھ کھیل رہا تھا

کٹی پتنگ کی دھاتی ڈور آ گری، ڈور کو پکڑتے ہی وقاص چیخیں مارتا ہوا بے ہوش ہو گیا

باپ کلینک لے گیا اور حکومت کو بددعائیں دیتا ہوا لاش لے آیا

لاہور (کرائم رپورٹر) تاجپورہ سکیم میں کٹی پتنگ کی دھاتی ڈور سے کرنٹ لگنے پر والدین کا اکلوتا بیٹا پانچویں کا طالب علم ۱۱ سالہ وقاص جاں بحق ہو گیا، وقاص کی والدہ اس کے لئے عید کے کپڑے خریدنے بازار گئی ہوئی تھی۔

لاہور میں اس ہفتے دھاتی ڈور سے ۳ بچوں سمیت چار افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق گزشتہ شام وقاص اپنی بہن کے ساتھ گھر کی چھت پر کھیل رہا تھا کہ اچانک کٹی پتنگ کی دھاتی ڈور آ کر گری جس کا دوسرا سرا بجلی کی تار پر گرا ہوا تھا۔ وقاص نے ڈور پکڑ لی تو اسے شدید کرنٹ لگا اور وہ چیخیں مارتا ہوا بے ہوش ہو گیا۔ اس کی بہن نے شور مچایا تو وقاص کا والد بھاگ کر چھت پر گیا اور بیٹے کو اُٹھا کر کلینک لے گیا لیکن چند منٹوں بعد ہی وہ چل بسا اور محمد سرور حکومت کو بددعائیں دیتا ہوا اپنے مردہ بچے کو اٹھا کر گھر لے آیا۔ وقاص کی ماں اور تین بہنیں دھاڑیں مار مار کر روتی رہیں۔ رات گئے وقاص کے والدین اسے سپردِ خاک کرنے کے لئے چیچہ وطنی لے گئے۔ اس ہفتے اس سے پہلے کٹی پتنگ کی ڈور سے شادباغ، مغلپورہ اور قلعہ گجر سنگھ میں تین بچے ہلاک ہو چکے ہیں۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ یکم فروری ۲۰۰۴ء

تاجپورہ میں ۱۲ سالہ وقاص پتنگ پکڑتے ہوئے کرنٹ لگنے سے جاں بحق

عید کے کپڑے خرید کر واپس آنیوالی ماں اکلوتے بیٹے کی نعش سے لپٹ کر روتی رہی، ہر آنکھ اشکبار

لاہور (نیوز رپورٹر) تاجپورہ کے علاقہ میں بارہ سالہ بچہ چھت پر پتنگ پکڑتے ہوئے کرنٹ لگنے سے جاں بحق ہوگیا، عید کے لئے کپڑے خرید کر گھر پہنچتے ہی ماں بچے کی نعش سے لپٹ کر روتی رہی اور بار بار کپڑے میت پر ڈال کر بین کرتی رہی۔

بتایا جاتا ہے کہ محمد سرور کا اکلوتا بیٹا وقاص ساتویں جماعت کا طالب علم تھا، گزشتہ شام محمد سرور گھر کے باہر گلی میں کھڑا محلے دار سے باتیں کر رہا تھا کہ اچانک اوپر چھت پر شور ہوا تو وہ بھاگ کر اوپر گیا۔ چھت پر اس کا بارہ سالہ بیٹا وقاص کرنٹ کی زد میں آنے کے بعد بے ہوش پڑا تھا وہ اسے فوری ہسپتال لے گیا جہاں ڈاکٹروں نے اس کی موت کی تصدیق کردی۔ محلے داروں کے مطابق کٹی پتنگ پکڑتے ہوئے دھاتی ڈور میں کرنٹ آنے سے وقاص کی موت واقع ہوئی، دوسری طرف وقاص کی والدہ تھوڑی دیر بعد جونہی عید کے کپڑے خرید کر گھر پہنچی تو وہاں بیٹے کی موت دیکھ کر وہ اس کا منہ چوم کر کپڑے اس پر ڈال کر بین کرتی رہی جس کی وجہ سے وہاں ہر آنکھ اشک بار ہوگئی۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۵ر فروری ۲۰۰۴ء

خونی بسنت نے تین گھر اجاڑ دیئے، ۲۰۰ زخمی

رات بھر بوکاٹا کا شور، گولیوں کی تڑتڑاہٹ

بند روڈ پر ڈیڑھ سالہ رخشندہ پر ڈور پھرنے، نواں کوٹ میں ۷ سالہ رضوان کرنٹ لگنے اور ہنجروال میں ۱۲ سالہ تیمور گاڑی کی زد میں آ کر ہلاک ہوگیا۔

شام کے سائے ڈھلتے ہی منچلے چھتوں پر چڑھ گئے، آسمان پر رنگ و نور کا سماں

بجلی کی بار بار آنکھ مچولی سے پانی بھی غائب رہا؛ خصوصی کھانوں، مشروب کا اہتمام

لاہور (رپورٹنگ ٹیم) بسنت کی دیوی نے لاہور میں سرشام ہی اپنا خونی رقص شروع کردیا اور رات گئے تین بچوں کی جان لے لی اور ۲۰۰ افراد لہولہان کر دیئے۔ ہلاک ہونے والوں میں ڈیڑھ سالہ رخشندہ، نواں کوٹ کا سات سالہ محمد رضوان اور ہنجروال کا ۱۲ سالہ تیمور شامل ہیں۔ ہلاک و زخمی ہونے والے بجلی کا کرنٹ، دھاتی، تیز دھار ڈور شہ رگ پر پھرنے، ٹریفک حادثات، چھت سے گر جانے اور ہوائی فائرنگ کا نشانہ بنے

ہیں۔ باغبانپورہ کا رہائشی بنک ملازم ندیم اپنی بیوی شگفتہ، دو بچوں پانچ سالہ زمان اور ڈیڑھ سالہ رخشندہ کو لے کر موٹر سائیکل پر جا رہا تھا۔ رخشندہ موٹر سائیکل کی ٹینکی پر بیٹھی تھی وہ بند روڈ شفیق آباد پہنچے تو اچانک ایک کٹی پتنگ کی ڈور رخشندہ پر گری اور آناً فاناً اس کی گردن پر پھر گئی۔ والد کو علم ہونے اور موٹر سائیکل رکتے رکتے اس کی شہ رگ کٹ چکی تھی اور خون کا فوارہ اُبل پڑا تھا۔ اس دوران باپ موٹر سائیکل سڑک کے کنارے پھینک کر بچی کو گود میں اُٹھا کر کسی ہسپتال لے جانے کے لئے بھاگا لیکن بچی اس کے بازوؤں میں ہی دم توڑ گئی۔ اسی دوران بچی کی ماں پر بھی غشی کے دورے پڑنے لگے اور وہ وہیں سڑک پر گر کر آہ و بکا کرنے لگی۔ لوگ اکٹھے ہوگئے جس کے بعد میاں بیوی حسرت و یاس کی تصویر بنے خون میں لت پت بچی کو بانہوں میں اُٹھائے واپس گھر چلے گئے۔

کوٹ کمبوہ نواں کوٹ میں ایک شخص ارشد کا سات سالہ بیٹا محمد رضوان دھاتی تار سے پتنگ اُڑا رہا تھا کہ پتنگ بجلی کی ہائی وولٹیج تاروں پر جا گری جس سے اسے کرنٹ کا جھٹکا لگا وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا۔ ملتان روڈ ہنجروال کے علاقہ میں چونگی کے نزدیک ۱۲ سالہ تیمور پتنگ لوٹ رہا تھا، بے دھیانی میں وہ بھاگتا ہوا سڑک پر آ گیا اور تیز رفتار گاڑی سے ٹکرا کر شدید زخمی ہوگیا، اسے ہسپتال لے جایا گیا لیکن وہ جانبر نہ ہوسکا۔

اس کے علاوہ بھی شہر کے مختلف علاقوں سے درجنوں لوگ ہوائی فائرنگ، دھاتی تار چھتوں سے گر کر اور گاڑیوں سے ٹکرا کر ہسپتالوں میں پہنچتے رہے۔ متعدد کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے اور بعض عمر بھر کے لئے معذور ہوگئے۔ میو ہسپتال میں ۲۵، جناح ہسپتال میں ۲۲، گنگا رام میں ہسپتال میں ۲۰، میاں منشی ہسپتال ۱۴، شیخ زائد ہسپتال میں ۹، اتفاق ہسپتال میں ۸ اور جنرل ہسپتال میں پتنگ بازی کے تین زخمیوں کو داخل کرا دیا گیا۔ جبکہ ایک بڑی تعداد نے دیگر نجی ہسپتالوں اور ڈاکٹروں سے علاج کرایا۔ لاہور میں بسنت نائٹ پر دھاتی تار اور تندی کا بے دریغ استعمال کیا گیا جس کے باعث ساری رات ٹرپنگ ہوتی رہی۔ سڑکوں پر رش کے باعث ٹریفک بری طرح جام رہی اور شہریوں کو شدید پریشانی کا سامنا رہا۔

پولیس کی بھاری نفری ٹیموں کی شکل میں شہر بھر میں گشت کرتی رہی۔ پولیس ترجمان کے مطابق کیپٹل سٹی پولیس آفیسر، ایس ایس پی لاہور سمیت تمام ایس پی سرکل افسران بھی گشت پر رہے اور بسنت نائٹ پر امن و امان کی نگرانی کرتے رہے۔ مختلف مقامات سے ۳۵؍ افراد کو پتنگ بازی کے سلسلہ میں قانون کی خلاف ورزی کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ بسنت کا رنگا رنگ خونیں تہوار ہفتہ کی رات شروع ہوا جو آج بھی جاری رہے گا۔ منچلے لاہوریوں نے پیلے دوپٹے اور پیلے پٹکے پہن رکھے تھے۔ فضا میں ہزاروں رنگ برنگی پتنگیں، گڈے، پرے، پریاں، کپ لہراتے اور بوکاٹا کے نعرے لگتے رہے۔ اس دوران کئی مقامات پر آتشیں اسلحہ کی تڑتڑاہٹ بھی فضا میں سنائی دیتی رہی۔ مزید برآں بلند آواز میں ڈیک پر 'دل ہوا بوکاٹا' کا سدا بہار گیت بھی سنائی دیتا رہا۔ سہ پہر کو چائے کا پرتکلف اہتمام کیا گیا۔

پتنگ بازی شروع ہوتے ہی بجلی کی آنکھ مچولی شروع ہوگئی اور بعض علاقوں میں گھنٹوں پانی بھی غائب رہا۔ سورج ڈھلتے ہی لاہور کی فضا فلڈ لائٹس سے روشن ہوگئی اور پتنگ بازی میں تیزی آ گئی اور رات گئے اونچی آواز میں چلنے والے بلند آواز ڈیکوں نے ان لاکھوں شہریوں کا سکون غارت کر دیا جنہوں نے پتنگ بازی میں حصہ نہ لیا اور وہ ساری رات سکون کی نیند نہ سو سکے۔ رات بھر ہوائی فائرنگ ہوتی رہی، لاہور کی ہزاروں گھریلو چھتوں، ہوٹلوں اور بلند و بالا عمارتوں پر ساری رات پتنگ بازی ہوتی رہی اور سفید پتنگیں لہراتی رہیں۔ مزید برآں مہمانوں کے لئے رنگ برنگ کھانوں کے علاوہ کئی جگہ پر مخصوص 'مشروبات' بھی مہیا کئے جاتے رہے۔ لاہور میں پی ایچ اے نے حویلی آصف جاہ پر ایک پرائیویٹ کمپنی کے تعاون سے بسنت کا خصوصی اہتمام کیا جہاں ہزاروں افراد نے بسنت منائی جس میں لاہور کے معروف بیوروکریٹس نے بھی شرکت کی۔ اس موقع پر پہرے کے باوجود متعدد افراد حویلی کے اندر پہنچ گئے اور تقریب میں بدمزگی پھیلانے کا باعث بنتے رہے۔ بسنت کا یہ تہوار ساری رات جاری رہنے کے بعد صبح فجر کے وقت کچھ دیر کے لئے 'ٹھنڈا' پڑ گیا۔

ادھر شوبز کے حلقوں میں بھی بسنت تہوار جوش وخروش سے منایا گیا۔ متعدد مقامات پر فنکاروں نے بسنتی ملبوسات پہن کر پرفارم کیا۔ پی ٹی وی سینٹر کی چھت پر ابرار الحق، شاہدہ منی، نجم شیراز، عارف لوہار، حمیرا ارشد اور دیگر نے پرفارم کیا۔ اس موقع پر پی ٹی وی سینٹر کو مختلف رنگوں کی پتنگوں سے سجایا اور مختلف قسم کے سٹال لگائے گئے بعض فنکاروں نے سینٹر کی چھت پر پتنگ بازی بھی کی۔

پی ٹی وی نے گزشتہ رات بسنت اور جشن بہاراں کے حوالے سے لائیو نشریات پیش کیں۔ ایورنیو، باری اور شاہ نور سٹوڈیو کی چھتوں پر بھی بسنت منائی گئی۔ بولان کلچرل ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام آج اقبال ٹاؤن میں اس کے دفتر کی چھت پر بسنت کی تقریب ہوگی جس میں فلم، ٹی وی اور سٹیج کے فنکار شرکت کریں گے، اس کے علاوہ معروف ڈریس ڈیزائنر عائشہ قادر بھی بسنت کی تقریب کا انعقاد کریں گی جس میں فلم ٹی وی اور سٹیج کے فنکاروں کے علاوہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات شرکت کریں گی۔

مزید برآں ضلعی حکومت کی خصوصی ٹاسک فورس کی بسنت کے موقع پر تندی، کیمیکل والی ڈور اور لوہے کی تار سے پتنگ اُڑانے والوں کو پکڑنے کے لئے ہفتہ کی دوپہر سے ۳۰ ٹیمیں بھی لاہور کی سڑکوں پر نکل آئیں اور خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف کارروائی کرتی رہیں۔ ناظم راوی ٹاؤن عامر منیر خود اس آپریشن کی انکوائری کرتے رہے، یہ آپریشن آج بھی جاری رہے گا۔ نوائے وقت سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ممنوعہ ڈور استعمال کرنے والوں کے خلاف مہم شروع ہونے سے اب تک لاہور کی سڑکوں پر ایک بھی گردن کٹنے یا گردن پر ڈور پھرنے کا واقعہ نہیں ہوا۔ اندرونِ شہر اسلام پورہ، اچھرہ، مسلم ٹاؤن، ڈیفنس، گلبرگ، شادمان، مال روڈ، شاہ جمال، ٹاؤن شپ، فیروز پور روڈ سمیت تمام علاقوں میں بجلی کی بار بار بندش پر احتجاج

کرتے ہوئے شہریوں نے کہا کہ پتنگ بازی کے شوق نے سب کو پریشان کر رکھا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق گزشتہ رات ایک سو سے زائد بار بجلی کی بندش کی شکایت درج ہوئیں۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۶ر فروری ۲۰۰۴ء

ڈور والدین کا اکلوتا بچہ چھین کر لے گئی

۳ سالہ فیصل گھر میں کھیل رہا تھا کہ ڈور نے اسے خون میں لت پت کر دیا، ماں کو غشی کے دورے

شاہدرہ میں بھائی کے ساتھ موٹر سائیکل پر جانیوالا ۳ سالہ بچہ شہ رگ پر ڈور پھرنے سے شدید زخمی

لاہور (کرائم رپورٹر) انجینئرنگ یونیورسٹی کے سرونٹ کوارٹرز میں رکشہ ڈرائیور کا تین سالہ معصوم بیٹا فیصل خان گھر میں کھیلتے ہوئے ٹانگوں پر ڈور پھرنے سے والدین کے سامنے تڑپ تڑپ کر موت کے منہ میں چلا گیا۔ وہ والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ بتایا گیا ہے کہ ایل ۸۲ کے رہائشی رکشہ ڈرائیور فیض الامین کا تین سالہ بیٹا فیصل گھر کے صحن میں کھیل رہا تھا کہ اچانک کٹی پتنگ کی ڈور اس کی ٹانگوں کو چیرتی ہوئی زخمی کر گئی۔ بچے کی چیخ و پکار سن کر والدہ اسے بچانے کے لئے اس کی طرف بھاگی تو خون میں لت پت فیصل خان اوندھے منہ زمین پر پڑا تھا اس کے منہ اور زبان پر زخم آئے۔ اس کی والدہ نے چیخ و پکار کی اور ہاتھ سے ڈور کو توڑا۔ اسی دوران متوفی کا دادا ولی امامت اور دیگر عزیز و اقارب بچے کو فوری طور پر سروسز ہسپتال لے کر گئے جہاں خون زیادہ بہ جانے کے باعث فیصل جانبر نہ ہوسکا۔ ورثا کے مطابق اگر ڈاکٹر خلیل بروقت چیک کر لیتے تو اس کی جان بچ سکتی تھی جبکہ ہسپتال انتظامیہ کے مطابق متوفی جب ہسپتال آیا تو اس کی موت واقع ہو چکی تھی۔ بچے کی موت کی اطلاع گھر پہنچنے پر والدہ پر غشی کے دورے پڑتے رہے۔ سینکڑوں محلے دار اکٹھے ہو گئے اور پتنگ بازی پر پابندی کا مطالبہ کرتے رہے۔ اس موقع پر ہر آنکھ اشکبار تھی۔ متوفی کی ایک تین ماہ کی بہن ہے۔ متوفی کی والدہ کے مطابق انہوں نے یہ بیٹا بڑی منتوں کے بعد حاصل کیا تھا۔ امیروں کے اس شوق نے چند لمحوں میں اس کا لختِ جگر چھین لیا۔ متوفی کو آج صبح ۱۰ بجے انجینئرنگ یونیورسٹی کے قریب قبرستان میں سپردِ خاک کیا جائے گا۔

علاوہ ازیں شاہدرہ جی ٹی روڈ پر شادی کی تقریب سے فارغ ہو کر بڑے بھائی کے ساتھ موٹر سائیکل پر گھر جانے والا تین سالہ بچہ شہ رگ پر ڈور پھرنے سے شدید زخمی ہو گیا۔ بتایا گیا ہے کہ نوشہرہ ورکاں کے رہائشی محمد مشتاق کا بڑا بیٹا زاہد اور تین سالہ بیٹا ظہیر شادی کی تقریب کے بعد موٹر سائیکل پر گھر جا رہے تھے کہ جی ٹی روڈ پر تین سالہ ظہیر کی گردن پر ڈور پھر گئی جس سے اس کی شہ رگ کٹ گئی اور ظہیر شدید زخمی ہو گیا، اسے مقامی ہسپتال داخل کروا دیا گیا۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۶/فروری ۲۰۰۴ء

بسنت خون کے چھینٹے اڑاتی رہی مزید ۱۷ ہلاکتیں، بجلی پانی غائب ۳۰ کروڑ روپیہ ضائع کردیا گیا

ایک اور بچے کی شہ رگ کٹ گئی، ۶ ٹریفک حادثات، ۷ چھت سے گر کر اور ۴/افراد دھاتی تار کے ذریعے کرنٹ لگنے سے ہلاک ہوئے

ممنوعہ ڈور کے استعمال اور فائرنگ کرنے پر ۱۵/افراد گرفتار

بجلی کی بار بار ٹرپنگ نے شہریوں کی زندگی اجیرن کردی، سارا دن آتش بازی ہوائی فائرنگ ہوتی رہی اور اونچی آواز میں ڈیک چلتے رہے

پتنگ بازی کرتے پیپلز پارٹی کے ایم پی اے کی انگلیاں کٹ گئیں

لاہور (نمائندہ خصوصی/نیوز رپورٹر/کامرس رپورٹر) صوبائی دارالحکومت میں بسنت کے تہوار پر مزید ۱۷/افراد ہلاک اور تین سو سے زائد افراد زخمی ہوگئے۔ اس طرح ہفتہ کو شروع ہوکر اتوار کی شام کو ختم ہونے والے اس تہوار پر مجموعی طور پر ۲۰/افراد اس کی بھینٹ چڑھ کر ہلاک اور ۵۰۰ سے زائد زخمی ہوگئے، جو کہ گذشتہ دس برس کے دوران ریکارڈ سے زیادہ ہلاکتیں ہیں۔ مزید ہلاک ہونے والے بارہ افراد میں سے ایک شہ رگ کٹ جانے سے، ۴ ٹریفک حادثات، ۳ چھت سے گر کر اور ۴ دھاتی تار کے ذریعے کرنٹ لگنے سے ہلاک ہوئے۔ شہر میں جگہ جگہ ہوائی فائرنگ اور آتش بازی ہوتی رہی اور لاؤڈ سپیکر پر اونچی آواز میں گانے لگے رہے، پابندی کے باوجود تندی اور دھاتی تار سے پتنگ اڑانے اور فائرنگ ہونے پر پولیس نے ۱۵۷/افراد کو گرفتار کرلیا۔ کاہنہ میں ۱۴ سالہ نعیم سڑک پر پتنگ لوٹتے ہوئے کار سے ٹکرا کر ہلاک ہوگیا۔ نیوکیمپس کے علاقہ میں ندیم اپنی موٹر سائیکل پر جارہا تھا کہ ٹینکی پر بیٹھے اس کے دو سالہ بچہ کی گردن پر تیز ڈور پھر گئی جس سے اس کی شہ رگ کٹ گئی۔ ہنجروال کے علاقہ میں ملتان روڈ پر ایک ۱۰ سالہ بچہ شان پتنگ لوٹتے ہوئے کار تلے آکر ہلاک ہوگیا۔ وہ ساہیوال سے بسنت منانے لاہور آیا تھا۔

گوالمنڈی میں ۱۴ سالہ محمد شریف چھت سے گر کر ہلاک ہوگیا۔ لاری اڈہ میں ایک نوجوان شبیر اور فیروز پور روڈ پر کلمہ چوک کے نزدیک ایک نامعلوم نوجوان پتنگ لوٹتے ہوئے بس تلے آکر ہلاک ہوگیا۔ شیرا کوٹ میں ایک لڑکا ارسلان پتنگ لوٹتے ہوئے دھاتی تار سے کرنٹ لگنے سے جاں بحق ہوگیا۔ کوٹ خواجہ سعید میں ۱۰ سالہ مصطفیٰ اور مسلم ٹاؤن میں ۸ سالہ حمید چھت سے گر کر ہلاک ہوگئے۔ شالیمار کے علاقہ میں ۳۰ سالہ رکشہ ڈرائیور چاند دھاتی تار والی پتنگ لوٹتے ہوئے کرنٹ لگنے سے ہلاک ہوگیا۔ نیو مسلم ٹاؤن اور گرین ٹاؤن میں

بھی اشفاق اور رضوان کرنٹ لگنے سے ہلاک ہوگئے۔ سروسز ہسپتال میں ایک تین سالہ بچہ فیصل کو شدید زخمی حالت میں لایا گیا اس کے سر پر چوٹ لگی تھی۔ بعد ازاں وہ دم توڑ گیا۔ گجر پورہ کے علاقہ میں انجینئرنگ یونیورسٹی کے نزدیک چار سالہ عمیر پتنگ لوٹتے ہوئے ٹرک کے نیچے آ کر جاں بحق ہوگیا۔ مانگا منڈی کے علاقہ میں ایک نوجوان نعمان پتنگ پکڑتے ہوئے تیز رفتار گاڑی کے نیچے آ کر ہلاک ہوگیا۔ ۲ نامعلوم افراد الگ الگ واقعات میں سر میں شدید چوٹ لگنے کے باعث میوہسپتال رات گئے دم توڑ گئے، خیال ہے کہ وہ چھت سے گر کر ہلاک ہوئے۔ ایس ایس پی لاہور آفتاب چیمہ نے کہا ہے کہ لاہور میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے بھرپور کوششیں کی گئیں اور شہر بھر میں کہیں بھی ہوائی فائرنگ سے کوئی ہلاک نہیں ہوا۔

پولیس ترجمان کے مطابق سٹی پولیس لاہور نے بسنت کے موقع پر دھاتی تار کے استعمال اور ہوائی فائرنگ میں ملوث ۱۵۷/افراد کو گرفتار کیا جبکہ سٹی پولیس چیف ڈی آئی جی طارق سلیم، ایس ایس پی آپریشن آفتاب احمد چیمہ رات گئے تک انتظامات کا خود جائزہ لیتے رہے اور ڈویژنل ایس پی حضرات کو ہدایات دیتے رہے۔ پولیس ترجمان کے مطابق ہوائی فائرنگ، تندی و کیمیکل ڈور اور آتش بازی سے مجموعی طور پر ۸۵/افراد زخمی ہوئے جبکہ تین افراد دھاتی ڈور پکڑتے ہوئے بجلی کا کرنٹ لگنے سے ہلاک ہوئے۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور: ۲۶/فروری ۲۰۰۳ء

ننھا پتنگ باز چھت سے گر کر ہلاک، ماں شدتِ غم سے بے ہوش

ساڑھے ۴ سالہ آصف پتنگ کو تنکے دیتا ہوا اُلٹے قدموں چل رہا تھا کہ منڈیر سے نیچے گر گیا

ماں چیخیں سن کر دوڑتی آئی لیکن وہ مر گیا تھا، مرتے وقت پتنگ کی ڈور ہاتھ میں تھی!

لاہور (نمائندہ خصوصی) تحصیل بازار اندرونِ بھاٹی گیٹ میں پتنگ بازی کرتے ہوئے ساڑھے چار سالہ بچہ حمزہ آصف سر کے بل گر کر جاں بحق ہوگیا۔ ننھے آصف کی موت نے پورے علاقہ کو سوگوار کر دیا۔ ماں پر غشی کے دورے پڑتے رہے۔ اندرونِ بھاٹی کے شیعہ رہنما میاں آصف کے بیٹے کو والدین نے سکول کے پلے گروپ میں چند روز قبل ہی داخل کروایا تھا۔ چند روز قبل بچے کو پتنگ بازی کا شوق چرایا تھا اور وہ اکثر گڈی اُڑانے کی کوشش کرتا تھا۔ گذشتہ روز وہ اپنے دوست کے ہمراہ گھر کی ایک منزل پر بغیر منڈیر کی چھت پر گیا۔ اس کے ننھے دوست نے پتنگ کو کنی (سہارا) دیا وہ پتنگ کو ہوا میں بلند کرنے کے لئے تنکے (جھٹکے) دیتا ہوا اُلٹے قدموں چلنے لگا، چلتے چلتے وہ منڈیر سے گر گیا۔ اس کا سر روشندان کے شیڈ سے ٹکرایا اور پھر وہ قلابازیاں کھاتا ہوا زمین پر جا گرا اور موقع پر ہی دم توڑ گیا۔ اس کی چیخیں سن کر اس کی ماں دوڑتی پہنچی اور بچے کی نعش دیکھ کر شدتِ غم سے بے ہوش ہوگئی۔ معصوم حمزہ مر گیا لیکن اس نے ہاتھ میں پتنگ کا دھاگہ (ڈور) مضبوطی سے تھام رکھی تھی۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۶/فروری ۲۰۰۴ء

بسنت پر مرنے والوں کے گھروں میں سسکیاں بلند ہوتی رہیں!

لاہور (نمائندہ خصوصی) زندہ دلانِ لاہور نے پتنگ بازی کے لئے اوسطاً روزانہ کم از کم ایک قیمتی جان کی ایڈوانس قربانی دی ہے۔ بسنت پر پابندی ایک ماہ کے لئے اُٹھائی گئی تھی اور اب تک ۳۰/افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق حکومتِ پنجاب نے جشن بہاراں کے سلسلہ میں پتنگ بازی پر عائد پابندی ۲۰ جنوری سے ایک ماہ کے لئے اُٹھالی تھی اور بسنت کے روز سے قبل تک ۱۰/افراد ہلاک ہوئے جبکہ صرف بسنت کے روز مزید ۲۰/افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان میں متعدد گلے پر ڈور پھرنے سے شہ رگ کٹ جانے، دھاتی تار کے ذریعے کرنٹ لگنے، چھتوں سے گر کر اور پتنگ لوٹتے ہوئے ٹریفک حادثات کا شکار ہوئے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بسنت کے موقع پر ان ۲۵/افراد کے گھر میں تو سوگ چھایا رہا اور سسکیاں گونجتی رہیں لیکن ان کے آس پاس کی چھتوں پر اونچی آواز میں بھارتی گانے لگے رہے۔ لوگ رقص کرتے رہے اور خوشی سے شادیانے بجتے رہے۔

....

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۶/فروری ۲۰۰۴ء

بسنت پر پانچ بچوں کا قاتل کون؟

صوبائی دارالحکومت لاہور میں ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب کو بسنت کی ہندوانہ تقاریب انتہائی دھوم دھڑکے، ڈھول تاشوں کی تھاپ، بے ہودہ نعرے، گانے، بھنگڑے، پتنگوں کے پیچے اور فائرنگ میں منائی گئی۔ ذرائع کے مطابق اس رات کے دوران بجلی کی ریکارڈ ٹرپنگ ہوئی، حتیٰ کہ لاہور ایئر پورٹ بھی تاریکی میں ڈوب گیا۔ شاہی قلعہ، حویلی آصف جاہ کے علاوہ معروف کاروباری مراکز، فائیوسٹار ہوٹلوں اور پلازوں کی چھتوں پر مختلف کمپنیوں نے نشاطیہ اور تفریحی تقریبات منعقد کیں اور بعض علاقوں میں عورتوں نے بھی پتنگ اُڑائے، بوکاٹے کئے اور بڑھکوں اور مخلوط رقص کا مظاہرہ کیا۔ ذرائع کے مطابق منچلوں نے اعلیٰ حکام کی موجودگی میں دھاتی تار استعمال کی اور کروڑوں روپے بوکاٹے میں اڑا دیے۔ سب سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس دھما چوکڑی میں پانچ بچے ہلاک اور درجنوں زخمی ہوگئے۔ سوال یہ ہے کہ بسنت کے اس لہو ولعب میں ان پانچ بچوں کا قاتل کون ہے اور ان کا خون کس کے ہاتھوں پر تلاش کیا جائے؟ اس سے قبل لکھا جاچکا ہے کہ صرف ایک ماہ کی پتنگ بازی کی وجہ سے لاہور الیکٹرک سپلائی کمپنی کو اڑھائی کروڑ روپے کا نقصان ہو چکا ہے۔ اس پر مستزاد متعدد قیمتی جانوں کا زیاں ہے جن کی ناگہانی اموات سے کئی گھروں کے چراغ بجھ گئے۔ یہ سطور اتوار کو لکھی جارہی ہیں اور بسنتئیے بسنت منا رہے ہیں۔ پتنگ اڑا رہے ہیں اور بجلی بار بار جارہی ہے۔ مزید جانی اور مالی نقصان کا خطرہ بھی موجود ہے۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ عیش وعشرت کے متوالوں

کی مانی گئی لیکن امن پسند شہریوں کی بات نہیں سنی گئی۔ اب بہت کچھ ہو چکا ہے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب کو چاہئے کہ وہ پتنگ بازی پر پابندی فوراً لگا دیں اور جن خاندانوں کے بچے ہلاک کئے گئے ہیں انہیں زرِ تلافی دیا جائے۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۷ر فروری ۲۰۰۴ء

پتنگ لوٹنے کے دوران کرنٹ لگنے سے دو نوجوان زخمی

بچیانہ (نامہ نگار) دو نوجوان کٹی پتنگ لوٹنے کے دوران بجلی کا کرنٹ لگنے سے زخمی ہو گئے۔ بتایا گیا کہ بچیانہ منڈی میں کمسن عمران اور فراز چھت پر کٹی پتنگ لوٹ رہے تھے کہ پتنگ کی ڈور بجلی کی گیارہ ہزار وولٹ کی سپلائی لائن میں پھنس گئی جسے کھینچنے کے دوران دونوں بجلی کا جھٹکا لگنے سے زخمی ہو گئے جنہیں فوری طور پر طبی امداد کے لئے جاوید کلینک پہنچا دیا گیا۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۲۱ر فروری ۲۰۰۴ء

مختلف شہروں میں بسنت

ڈور پھرنے اور چھت سے گرنے کے واقعات، ۴ ہلاک درجنوں زخمی

پابندی کے باوجود ہوائی فائرنگ ہوتی رہی، شراب پینے اور ہلڑ بازی کے الزام میں کئی افراد کے خلاف مقدمہ، بجلی آنکھ مچولی سے لاکھوں کا الیکٹرونکس سامان جل گیا

گوجرانوالہ، فیصل آباد، سرگودھا، گجرات، قصور، حافظ آباد، اوکاڑہ، کامونکی، نوشہرہ ورکاں، کسووال، پسرور اور حجرہ شاہ مقیم میں آسمان پتنگوں سے سجا رہا

لاہور (نمائندگان جنگ+نامہ نگاران) گوجرانوالہ، سرگودھا، گجرات، قصور، حافظ آباد، اوکاڑہ، کامونکی، نوشہرہ ورکاں، کسووال، پسرور اور حجرہ شاہ مقیم سمیت کئی شہروں میں بسنت جوش وخروش سے منائی گئی۔ آسمان رنگ برنگی پتنگوں سے سجا رہا اور پتنگ باز ڈھول، باجوں کے ساتھ بوکاٹا کے نعرے لگاتے رہے۔ نوجوان گھروں کی چھتوں پر اونچی آواز میں ڈیکوں پر ڈانس کرتے رہے۔ سرگودھا، گوجرانوالہ اور فیصل آباد میں ڈور پھرنے اور چھت سے گرنے کے واقعات میں ۴ نوجوان ہلاک اور بیسیوں زخمی ہو گئے۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۲۳ر فروری ۲۰۰۴ء

چھٹی کے دن پھر بسنت: دھاتی ڈور سے لڑکا ہلاک، بجلی کی آنکھ مچولی

۱۳ سالہ عمر اسلم قرآن حفظ کر رہا تھا، مسجد کی چھت پر پتنگ پکڑی، دھاتی ڈور سے کرنٹ لگ گیا

گڈیاں لوٹنے والوں کی سڑکوں پر بھاگ دوڑ، آسمان پتنگوں سے بھرا رہا

لاہور (خبر نگار خصوصی + سپیشل رپورٹر+ کرائم رپورٹر) لاکھوں روپے پتنگ بازی پر اُڑانے کے باوجود لاہوریوں کا جی نہ بھرا اور صرف ہفتہ گزرنے کے بعد ہی منچلوں نے کل پھر بسنت منائی۔ دھاتی ڈور سے ۱۳ سالہ لڑکا ہلاک ہوگیا۔ اتوار کو دن بھر آسمان پتنگوں اور گڈیوں سے جبکہ چھتیں پتنگ بازوں سے بھری رہیں۔ چھٹی کی وجہ سے خالی سڑکوں پر گڈیاں لوٹنے والے بھاگ دوڑ میں مصروف رہے۔ گزشتہ روز پتنگ بازی کی وجہ سے شہر میں بجلی کی آنکھ مچولی بھی جاری رہی اور شہری بجلی کے ساتھ ساتھ پانی سے بھی محروم رہے۔ خصوصاً اندرونِ شہر لاہوریوں نے اتوار کے روز زبردست پتنگ بازی کی۔ بسنت کے موقع پر لوٹی ہوئی پتنگوں کے ساتھ ساتھ نئی پتنگوں پر بھی ہزاروں روپے خرچ کر ڈالے، دن بھر شہر میں ہنگامہ کی صورتِ حال رہی۔ ضلعی حکومت کی طرف سے ۲۰ فروری تک پتنگ بازی کی اجازت تھی لیکن ضلعی حکومت کی طرف سے کسی قسم کے اعلان نہ کرنے کی وجہ سے شہریوں نے چھٹی کا دن مکانوں کی چھتوں پر پتنگ بازی کر کے گزارا، واپڈا کی وارننگ کے باوجود دھاتی ڈور استعمال کی گئی۔ کرائم رپورٹر کے مطابق کراؤن پارک مغلپورہ کے رہائشی ہوٹل ملازم محمد اسلم کا ۱۳ سالہ بیٹا عمر اسلم پانچویں جماعت کا طالب علم تھا اور علاقے کی مسجد میں قرآن حفظ کرتا تھا۔ گزشتہ روز عمر اسلم مسجد کی چھت پر کھڑا تھا کہ اس نے پتنگ پکڑنے کی کوشش کی، دھاتی ڈور کی وجہ سے کرنٹ لگنے سے وہ جاں بحق ہوگیا۔ متوفی کے جسم میں متعدد مقامات پر سوراخ ہوگئے۔ عمر اسلم کے تین بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ متوفی کو مقامی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور: ۱۰/فروری ۲۰۰۳ء

دھاتی تار سے ۳۰/افراد کی ہلاکتیں

پنجاب حکومت اور ڈائریکٹر جنرل ہارٹی کلچر اتھارٹی پر قتل کا مقدمہ

بسنت کے تہوار پر پابندی لگا دی جاتی تو بے گناہ جانیں ضائع نہ ہوتیں، ایم ڈی طاہر

لاہور (وقائع نگار خصوصی) ایم ڈی طاہر ایڈووکیٹ نے بسنت کے تہوار کے خلاف دائر کی گئی رٹ درخواست میں گذشتہ روز لاہور ہائیکورٹ کے روبرو ایک متفرق درخواست دائر کی ہے جس میں عدالت سے انصاف کی استدعا کی گئی۔ (مختصراً)

② مالی نقصان (واپڈا و تنصیبات وغیرہ)

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۲۶/جنوری ۲۰۰۴ء

سخت سردی میں منی بسنت، وارننگ کے باوجود تندی اور دھاتی تار کا استعمال

شادباغ، گوالمنڈی، سمن آباد اور اقبال ٹاؤن میں پتنگ بازی بجلی کی بار بار ٹرپنگ ہوتی رہی

میاں میر کالونی کینٹ میں دھاتی ڈور گرنے سے ۷ ہزار KV کی لائن ٹوٹ گئی، ۵ گھنٹے بجلی بند

لاہور (سپیشل رپورٹر+وقائع نگار خصوصی) صوبائی دارالحکومت میں سخت سردی کے باوجود زندہ دلانِ لاہور نے منی بسنت منائی۔ چھٹی ہونے کی وجہ سے اندرونِ شہر سمیت مختلف علاقوں گوالمنڈی، سمن آباد، شادباغ اور علامہ اقبال ٹاؤن میں پتنگ بازی ہوتی رہی۔ ضلعی حکومت اور واپڈا حکام کی بار بار وارننگ کے باوجود پتنگ بازوں نے موٹی تندی اور دھاتی تار کا استعمال کیا، جس سے بجلی کی بار بار ٹرپنگ ہوتی رہی۔ میاں میر کالونی کینٹ میں دھاتی ڈور گرنے سے ۷ ہزار کے وی کی لائن ٹوٹ گئی۔ جس سے میاں میر کالونی کینٹ انفنٹری روڈ اور دیگر علاقوں میں ۵ گھنٹے بجلی بند رہی۔ شہر میں ۸۰۰ سے زائد بار ٹرپنگز ریکارڈ کی گئیں۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۳/فروری ۲۰۰۴ء

پتنگ بازی سے واپڈا کو پہنچنے والے نقصانات کا بوجھ بھی کسی کو برداشت کرنا پڑے گا۔ (چیئرمین)

فی یونٹ نقصان کی بنیاد پر رپورٹ مرتب کر کے ۲۰ فروری تک نیپرا کو بھیج دی جائے گی،

ہم نے پابندی اُٹھانے کی مخالفت کی تھی۔ گھروں کی بجائے کھلے میدانوں میں پتنگ بازی

چاہے سارا سال ہوتی رہے، صارفین اور واپڈا کو مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

لاہور (اپنے سٹاف رپورٹر سے) واپڈا کے چیئرمین طارق حمید نے کہا کہ پتنگ بازی کی وجہ سے واپڈا کو پہنچنے والے نقصانات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ رپورٹ ۲۰ فروری کے بعد نیپرا کو بھجوا دی جائے گی جس میں بتایا جائے گا کہ بسنت اور پتنگ بازی کی وجہ سے فی یونٹ لاگت میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ٹرانسفارمرز وغیرہ کے نقصانات کی مالیت کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ بوجھ کسی کو تو برداشت کرنا پڑے گا۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے گزشتہ روز یہاں مقامی ہوٹل میں ایران کے قومی دن کے موقعہ پر منعقدہ خصوصی

تقریب میں اخبار نویسوں سے غیر رسمی بات چیت کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ فی یونٹ نقصان کی رپورٹ مرتب کی جارہی ہے۔ ہم نے حکومت سے پتنگ بازی پر پابندی نہ اُٹھانے کا مطالبہ کیا تھا تاہم اجلاس میں شریک بعض سرکاری حکام نے کہا تھا کہ اجازت دینے سے زیادہ فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پتنگ بازی سے عام صارفین کے ساتھ ساتھ ہمارا بھی فنی اور مالی طور پر خاصا نقصان ہورہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پتنگ بازی گھروں کی بجائے کھلے میدانوں میں ہوتو اس سے صارفین اور واپڈا کی مشکلات کافی حد تک کم ہوسکتی ہیں۔ کھلے میدانوں میں چاہے سارا سال پتنگ بازی ہوتی رہے۔

اُنہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ تھل کینال یا کالا باغ ڈیم کے مسئلہ پر اگر سندھ میں کچھ لوگ احتجاج کررہے ہیں تو یہ ان کی مرضی ہے تاہم بڑے ڈیمز کے بارے میں پارلیمانی کمیٹی کام کررہی ہے جس کی رپورٹ جون تک متوقع ہے۔ ٹیلی میٹری سسٹم کے سلسلے میں واپڈا 'ارسا' سے پورا تعاون کررہا ہے۔

....

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۳؍فروری ۲۰۰۴ء

پتنگ بازی کا ایک ماہ: لیسکو کو اڑھائی کروڑ کا نقصان ہوا (اکرم رائیں)

۱۳۲ کے وی لائن کی ٹرپنگ سے ۷ گرڈ سٹیشن اور ساڑھے تین لاکھ صارفین متاثر ہوئے ہیں

ٹرپنگ میں ۱۰ گنا اضافہ ہوا، قیمتی آلات بھی شدید متاثر ہوئے: (ایوانِ وقت میں گفتگو)

لاہور (اپنے سٹاف رپورٹر سے) لیسکو کے قائم مقام چیف ایگزیکٹو اکرم آرائیں نے کہا ہے کہ پتنگ بازی کے رجحان میں کمی کے لئے صارفین اور عوامی نمائندوں کو بھرپور تعاون کرنا چاہئے۔ لاہور میں صرف ۱۳۲ کے وی کی ایک لائن ٹرپ کرنے سے ۷ گرڈ سٹیشنوں کے ساڑھے تین لاکھ سے زائد صارفین متاثر ہوئے ہیں جبکہ اس سے واپڈا کو مجموعی طور پر لاکھوں روپے کا نقصان ہوتا ہے۔ انہوں نے گذشتہ روز یہاں ایوانِ وقت میں ایک خصوصی نشست میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا: پتنگ بازی سے علامہ اقبال ٹاؤن اور شالامار گرڈ ضرور متاثر ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مختلف گرڈ سٹیشنوں کو پتنگ بازی کے عذاب سے بچانے کے لئے شالامار گرڈ، چاہ میراں، میکلوڈ روڈ، قرطبہ چوک، سید پور سمیت ۱۷ مختلف گرڈوں پر پیرا شوٹ کی چھت ڈال دی ہے۔ پتنگ بازی پر پابندی کے خاتمہ سے بجلی کی ٹرپنگ میں ۱۰ گنا اضافہ ہوا ہے، جہاں روزانہ اوسطاً ٹرپنگ ۱۵۰ تھی تو اب ۱۵۰۰ سے بھی بڑھ چکی ہے، اُنہوں نے بتایا کہ پتنگ بازی سے واپڈا کے ایک نہیں، کئی طرح کے نقصانات ہوتے ہیں جس میں دھاتی تار سے بجلی کے کئی قیمتی آلات نہ صرف بری طرح متاثر ہوتے ہیں بلکہ ان میں سے کئی کی عمر ۳۰ سال سے کم ہوکر ایک ایک دو دو سال رہ جاتی ہے جبکہ تیسرا بڑا نقصان کروڑوں روپے کے ریونیو کی شکل میں ہوتا ہے۔ فنی نقصانات (لائن لاسز) کی شرح ۱۲ء۵ فیصد ہے۔

اُنہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ لیسکو میں ۷۰ کلوواٹ اور زائد پاور کی بجلی استعمال کرنے والوں میں چوری کا رجحان کم سے کم سطح پر آ گیا ہے۔ البتہ ٹیوب ویل اور دیگر شعبوں میں بجلی چوری کا رجحان جاری ہے۔ واپڈا اور عوام کے مختلف بنیادی مسائل کے حل کے لئے شہروں سے پتنگ بازی ختم کر کے دیہی علاقوں یا مختلف بڑے میدانوں میں اس کی اجازت دی جائے۔ شہری علاقوں میں اس کی قطعی طور پر اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ لیسکو نے عوام کو مختلف مسائل سے آگاہ کرنے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں پمفلٹ تقسیم کئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ پتنگ بازی سے لیسکو کو صرف ایک ماہ میں اڑھائی کروڑ سے زائد کا نقصان ہوا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ لیسکو رواں سال میں ۳۰۰ دیہاتوں کو بجلی فراہم کرے گا۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۷؍فروری ۲۰۰۴ء

دو روز میں ریکارڈ ٹرپنگ، واپڈا کو ۶ کروڑ روپے کا نقصان

۸۶ لاکھ کے آلات اور مشینری کا نقصان شامل ہے، دو روز میں مجموعی طور پر ۳۸۰۰ ٹرپنگز ہوئیں

لاہور (اپنے سٹاف رپورٹر سے) واپڈا کو دو روز کی بدترین ٹرپنگ کی وجہ سے تقریباً پانچ کروڑ روپے کا نقصان ہوا ہے۔ جبکہ مختلف اہم آلات کا ۸۶ لاکھ روپے کا نقصان اس کے علاوہ ہے۔ واپڈا ذرائع کے مطابق پچھلے دو روز میں ہفتے اور اتوار کے دن اور راتوں کے دوران مجموعی طور پر ۳۸۰۰ ٹرپنگ ہوئیں، جو کہ ایک ریکارڈ ہے۔ اس سے قبل اتنی بڑی تعداد میں ٹرپنگ نہیں ہوئیں۔ اس سال پوش علاقوں میں پتنگ بازی کا شوق بڑھنے کی وجہ سے بجلی کی زیادہ ٹرپنگ بھی انہی علاقوں میں ہوئی۔ ان ذرائع کے مطابق صرف اتوار کے دن اور رات کو ۱۰۵ فیڈرز متاثر ہوئے، جبکہ ۵۰ سے زائد بجلی کئی کئی گھنٹے بند رہی، جو بڑی فنی خرابی کے زمرے میں آتی ہے۔ واپڈا ذرائع نے اس سلسلہ میں بتایا کہ ایک محتاط اندازے کے مطابق ہفتے اور اتوار کی بدترین ٹرپنگ کی وجہ سے واپڈا کو مجموعی طور پر تقریباً چھ کروڑ روپے کا نقصان ہوا ہے۔ جس میں ۸۶ لاکھ کے مختلف آلات اور مشینری کا نقصان بھی شامل ہے۔ اس نقصان کو واپڈا انہی سالانہ بیلنس شیٹ میں شامل کرے گا جس سے اس کے مجموعی خسارے میں بھی معمولی اضافہ ہو جائے گا۔ اس بارے میں واپڈا کی طرف سے نیپرا کے حکام کو بھی آگاہ کر دیا گیا ہے۔ ان ذرائع کے مطابق اس نقصان کا بوجھ صارفین پر براہِ راست (ڈائریکٹ) نہیں بلکہ اِن ڈائریکٹ طریقے سے پڑے گے کیونکہ اگر وفاقی حکومت نے اس نقصان کو کسی اضافی گرانٹ سے پورا نہ کیا تو پھر یہ رقم واپڈا کے خسارہ میں شامل کر دی جائے گی۔ جس سے اس کو فی یونٹ لاگت میں چند پیسے کا اضافہ کرنا ہوگا۔ جو گھریلو صنعتی اور تجارتی صارفین کو اِن ڈائریکٹ طریقے سے ادا کرنا پڑے گا۔ دریں اثنا لیسکو کے ذرائع نے بتایا کہ ہفتے اور اتوار کو بدترین ٹرپنگ کے بعد گذشتہ روز صورتِ حال معمول پر آ گئی ہے۔ اس طرح بسنت کے جوش اور گرما گرمی میں کمی سے صارفین اور لیسکو دونوں کو ریلیف ملا ہے۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۱۷فروری ۲۰۰۳ء (اداریہ)

بسنت کے خمیازے

چیئرمین واپڈا لیفٹیننٹ جنرل (ر) ذوالفقار علی خان نے کہا ہے کہ بسنت کے موقع پر دھاتی تار کے باعث واپڈا کو ۸ لاکھ روپے کے قریب نقصان ہوا۔ بسنت کی جس والہانہ انداز میں حکومت نے سرپرستی کی اور جس ذوق وشوق سے سرکاری شعبوں کے افراد سے لے کر ملٹی نیشنل کمپنیوں، ہارٹی کلچر اتھارٹی اور دیگر عیاش طبقوں نے بسنت کو عیدالاضحیٰ سے بڑھ کر منایا اور اسے اہمیت دی، اس کا تقاضا ہے کہ لائن لاسز کے تمام تر نقصانات کی رقم بھی ان کے بلوں میں شامل کر کے وصول کی جائے۔ یہ ستم ظریفی ہے کہ اس ملک میں بجلی چوری کرنے والوں اور اہم شخصیات سے تو خسارہ پورا نہیں کیا جاتا، سارا بوجھ پندرہ کروڑ عوام پر بلا امتیاز تقسیم کر کے نقصان پورا کر لیا جاتا ہے۔ بسنت میں دھاتی تار کے باعث لیسکو اپنے آٹھ لاکھ روپوں کو رو رہا ہے جبکہ اس کے باعث عام صارفین کے کروڑوں روپے کے قیمتی آلاتِ بجلی جل گئے، وہ اپنے نقصانات کیسے پورے کریں اور کس سے شکایت کریں......؟

بسنت کے دوران لیسکو کا جو نقصان ہوا، وہ لائن لاسز کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ یہ تو سیدھا سیدھا فوجداری جرم ہے جس کا ارتکاب حکومت، ملٹی نیشنل کمپنیوں اور پاکستان ٹیلی ویژن نے بسنت کی ترغیب دلا کر کیا۔ لائن لاسز اور عوام کی قیمتی اشیا کے نقصان کی تلافی بھی ان کو ہی کرنی چاہیے۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: یکم فروری ۲۰۰۵ء

بسنت ویک شروع، بجلی کی ۱۰۰ سے زائد بار ٹرپنگ!

لیسکو نے ۵۰ سے زائد ٹیمیں تشکیل دے دیں

دھاتی تار استعمال کرنے والوں کے خلاف کارروائی ہوگی

لاہور (اپنے سٹاف رپورٹر سے) لاہور میں عملاً گزشتہ روز 'بسنت ویک' شروع ہوگیا ہے۔ سوموار کی شام لاہور کے مختلف علاقوں میں پتنگ بازی زوروں پر رہی جس کے باعث شہر کے تقریباً تمام علاقوں میں بجلی کی باربار بندش ہوئی۔ لیسکو کے ذرائع کے مطابق گذشتہ شام ایک سو سے زائد ٹرپنگ ہوئی جس سے لیسکو پاور سسٹم پر خاصا دباؤ بڑھا۔ دریں اثنا لیسکو نے بسنت کے آغاز سے قبل لاہور میں ۵۰ سے زائد ٹیمیں تشکیل دے دیں ہیں جو آئندہ جمعہ سے لے کر اتوار کی رات تک سارے لاہور میں گشت کریں گی اور دھاتی تار سے پتنگ بازی کرنے والوں کے خلاف فوری کارروائی کی جائے گی۔

③ عیاشیوں اور اسرافات کی تفصیلات

روزنامہ نوائے وقت لاہور: ۹؍فروری ۲۰۰۳ء

سرکاری سرپرستی میں بسنت کے ہندوانہ تہوار کا ہنگامہ عروج پر

ناؤنوش کی محفلیں، کھلے عام عیاشی اور بدتمیزی کا طوفان

لاہوریوں نے بسنت پر خصوصی لباس پہنے، دعوتیں ہوئیں، چھتوں پر محفلیں جمائیں

بوکاٹا اور شور کی آوازیں بلند ہوتی رہیں

بڑا میلہ شاہی قلعہ میں لگایا گیا، ہوٹلوں کے کمرے اور چھتیں بک تھیں

ہاؤس فل کے بعد پارکوں پر بھی بسنتیوں کا قبضہ

نصف شب کے بعد مہمان ڈولتے ہوئے گھروں کو روانہ ہوئے

آج کے لئے کروڑوں کی ڈور خرید لی گئی، آج سڑکوں پر لٹیرے راج کریں گے

لاہور (اے ایف پی) عوام کے سنجیدہ طبقوں اور دینی و سیاسی حلقوں کی بھرپور مخالفت کے باوجود لاہور میں سرکاری سرپرستی میں بسنت میلہ گذشتہ روز عروج پر رہا۔ پارکوں اور چھتوں پر پتنگ بازی کے ساتھ ساتھ طوفانِ بدتمیزی بھی دیکھنے میں آیا۔ بسنت کے حامیوں نے علما کی مخالفت کو مسترد کر کے سرکاری حوصلہ افزائی کے باعث تمام پابندیاں توڑ دیں۔ لاہوریوں نے بسنت کے لئے خصوصی لباس تیار کرائے، انواع واقسام کے پکوان تیار کرائے اور چھتوں پر بلند آواز میں میوزک لگا کر رقص وسرود کی محفلیں بھی جمائیں، یہ محفلیں ان ڈور اور آؤٹ ڈور دونوں طرح کی تھیں۔ لاہور کے شاہی قلعے میں بسنت کا سب سے بڑا میلہ لگایا گیا جبکہ بڑے ہوٹلوں کی چھتیں اور کمرے بسنت کے موقع پر بک تھے۔ ہوٹلوں میں ہاؤس فل کی کیفیت تھی۔ دوسرے شہروں سے بسنت کے شوقین لاکھوں افراد لاہور پہنچے۔ اس سلسلہ میں بڑی بڑی دعوتوں کا بھی اہتمام کیا گیا۔ دن کے وقت آسمان پر رنگ برنگ اور رات کو سفید پتنگوں کا راج رہا۔ مختلف محفلوں میں گلوکاروں اور فلمسٹاروں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ غریب اور درمیانے درجے کے علاقوں میں پیچے لڑتے رہے اور بوکاٹا کی آوازوں کے ساتھ شور بلند ہوتا رہا۔ جبکہ پوش علاقوں میں بسنت میلے کی آڑ میں کھل کر عیاشی کی گئی۔

بسنت کے اس ایونٹ میں مخالفین اور حامیوں نے اپنے اپنے دلائل دیئے۔ بسنت کے مخالفین کا کہنا ہے کہ حکومت کو ایسی غیر قانونی سرگرمیوں کی سرپرستی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اس موقع کو ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنی مشہوری کے لئے ہائی جیک کر لیتی ہیں اور اس ایونٹ کو پاکستان میں فری سوسائٹی کلچر کو فروغ دینے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ بسنت کے حامیوں کا کہنا ہے عوام کو مزہ کرنے دیں اور بسنت مخالفوں کو اپنا کام کرنے دیں۔ اسلام آباد سے لوگوں کے بڑی تعداد بسنت منانے لاہور پہنچی اور اس حوالے سے موٹروے پر گاڑیوں کا رش رہا۔ اسلام آباد سے لاہور پہنچنے والے بسنت کے ایک شائق کا کہنا ہے کہ یہ موقع مس کرنے والا نہیں لیکن اس ایونٹ کا تاریک پہلو یہ ہے کہ بڑی تعداد میں پتنگ باز حادثات کا شکار ہو کر ہسپتالوں میں پہنچ جاتے ہیں اور بار بار شہر اندھیرے میں ڈوب جاتا ہے۔ تاہم لاہوریوں کا اصل رنگ یہ ہے جو بسنت پر نظر آتا ہے۔ تاہم بسنت کی آڑ میں غیر قانونی سرگرمیوں کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور: ۹رفروری ۲۰۰۳ء

لاہور (خبر نگار) بسنت کا لگاتار ۲۴ گھنٹے جاری رہنے والا تہوار ہفتہ کی شام شروع ہو گیا۔ بسنت کے شوقین چھتوں پر چڑھ گئے اور فلڈ لائٹوں سے روشن آسمان پر سفید اور پیلی پتنگیں، گڈے، پرے، پریاں، لکھنوٴ کٹ فضا میں لہرانے لگے۔ چھتوں پر خواتین کی بڑی تعداد بھی پیلے رنگ کے ملبوسات میں ملبوس بھرپور بسنت منانے میں مصروف ہو گئیں۔ چھتوں پر لگائے گئے ڈیک سے 'کہ دل ہوا بوکاٹا' کا مقبول نغمہ فضا میں گونجتا رہا جبکہ ابرار الحق اور جواد کے نغمے بھی فضا میں رس گھولنے لگے۔ بسنت کا سرکاری آغاز جمعہ کی صبح ہی ہو گیا تھا۔ جمعہ اور ہفتے کی درمیانی شب آسمان پر پتنگیں تو نظر آئیں مگر ان کی تعداد بے حد کم تھی۔ ہفتہ کو سکولوں اور کالجوں میں چھٹی کے ساتھ ہی چھتیں آباد ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ دفاتر میں چھٹی کے بعد چھتوں کی رونق بڑھ گئی اور آسمان پر رنگ برنگی پتنگیں لہرانے لگیں۔ شام ڈھلنے کے ساتھ ساتھ فضا میں 'بوکاٹا' کا شور بڑھتا گیا۔ چھتوں پر لگائے گئے ڈیک کی آواز بڑھائی جاتی رہی۔ چھتوں پر کھانے پینے کی دعوتوں کا بھی بندوبست کیا گیا تھا۔ شادیوں کے کھانے پر لگائی گئی پابندی کا بسنت کی ان تقاریب میں جی بھر کر مذاق اُڑایا گیا۔ مہمانوں کے لئے انواع واقسام کے کھانوں خصوصاً باربی کیو کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بے شمار افراد نے اپنے مہمانوں کے لئے کھانے کے ساتھ پینے کا 'خصوصی' اہتمام کیا تھا۔ ایسی پارٹیوں سے نصف شب کے بعد ڈولتے مہمانوں کی گھروں کو رخصتی دیکھنے میں آئی۔

گذشتہ دو دنوں میں لاہور کے مکین پتنگ بازی پر خطیر رقم خرچ کر چکے ہیں جبکہ صرف بسنت کے دن کے لئے کروڑوں روپے کی ڈور اور پتنگیں خریدی گئی ہیں۔ لاہوریوں نے آج اپنے مہمانوں کے لئے کھانے پینے کا خصوصی اہتمام کیا۔ ہوٹلوں اور اونچی بلڈنگوں کی چھتیں بک کرائی جا چکی ہیں۔ لاہور کے تمام بڑے ہوٹل

مکمل طور پر بک ہو چکے ہیں اور بیرون ملک واندرونِ ملک سے آنے والے مہمانوں کو لوگ اپنے گھروں میں ٹھہرانے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ پتنگ بازوں کی کروڑوں روپے کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ پتنگیں لوٹنے والوں نے بھی تیاریاں مکمل کرلی ہیں اور لمبے لمبے بانس اور ان کے اوپر پتنگیں لوٹنے کے لئے کانٹے دار جھاڑیاں لگائی ہوئی ہیں۔ یہ لٹیرے آج لاہور کی سڑکوں پر راج کریں گے!!

روزنامہ نوائے وقت لاہور: ۹رفروری ۲۰۰۳ء

ہوائی فائرنگ، لڑائی جھگڑے، چھتوں سے گرنے کے واقعات
۶۵ سے زائد افراد زخمی، متعدد گرفتار، بجلی کا نظام درہم برہم

لاہور (نیوز رپورٹر) صوبائی دارالحکومت کے مختلف علاقوں میں بسنت نائٹ پر فائرنگ اور لڑائی جھگڑے کے واقعات میں کئی افراد زخمی ہوگئے۔ جبکہ پتنگ بازی کے دوران درجنوں بچے اور جوان زخمی ہوگئے۔ تفصیلات کے مطابق رات بھر شہر کے مختلف علاقوں میں منچلے فائرنگ کرتے رہے جبکہ لڑائی جھگڑوں اور چھتوں سے گرنے سے ۶۵ سے زائد افراد زخمی ہوکر مختلف ہسپتالوں میں پہنچ گئے۔ اندرونِ شہر کے مختلف علاقوں میں زبردست قسم کی آتش بازی کے بھی مظاہرے ہوئے۔ رات گئے تک شہر میں پتنگ بازی کا سلسلہ جاری رہا۔ دوسری جانب پولیس حکام بھی الرٹ تھے۔ مختلف علاقوں میں پولیس نے سیڑھیاں لگا کر چھتوں سے منچلے گرفتار کرلئے۔ دھات کی ڈور استعمال کرنے اور فائرنگ کے علاوہ اونچی آواز میں ڈیک چلانے پر درجنوں گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ بسنت کے شروع ہوتے ہی صوبائی دارالحکومت میں بجلی کا نظام بری طرح فیل ہوگیا۔ بجلی کی ٹرپنگ نے کاروبار زندگی معطل کر کے رکھ دیا۔ لیسکو نے اس حوالہ سے پہلے سے ہی واضح کیا ہوا ہے کہ جس علاقہ میں دھاتی تار کے استعمال سے بجلی کی ٹرپنگ ہوگی، وہاں سارا دن کے لئے بجلی بند کردی جائے گی۔ اس اُصول کے تحت گذشتہ روز لاہور کے کئی علاقوں میں بجلی کئی گھنٹے بند رہی ہے۔ ٹرپنگ سے گھریلو الیکٹرانک اشیا جل گئیں جس سے ایک محتاط اندازے کے مطابق لاکھوں روپے کا نقصان ہوا ہے۔ ٹرپنگ سے شہر میں کاروباری طبقہ بھی متاثر ہوا۔ اخبارات کے دفاتر میں بھی بجلی کی ٹرپنگ سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بجلی ٹرپنگ سے شہر میں پانی کی بھی کمی ہوئی اور واسا کے ٹیوب ویل بھی بند رہے۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۸رفروری ۲۰۰۳ء

عوام کی اکثریت، سیاسی جماعتوں اور دینی حلقوں کی مخالفت کے باوجود سرکاری سرپرستی میں جشن بہاراں کے نام پر بسنت میلہ شروع!

ضلعی حکومتوں کی جانب سے اگرچہ بینروں اور آرائشی دروازوں سے میلے کا سماں ہے تاہم ابھی تک لوگ بھرپور طور پر شریک ہوتے نظر نہیں آتے۔ کاروبار پھیکا ہے، لگتا ہے بسنت منانے کا موڈ نہیں۔ پتنگ فروش، شدید مہنگائی کے دور میں ایسی سرگرمیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ عام آدمی

لاہور (سپیشل رپورٹر) ملک بھر کے عوام کی اکثریت، سیاسی جماعتوں اور دینی حلقوں کی شدید مخالفت کے باوجود سرکاری سرپرستی میں 'جشن بہاراں' کے نام سے لاہور اور پنجاب کے دیگر شہروں میں 'بسنت میلہ' شروع ہو گیا ہے۔ سرکاری حلقوں کے مطابق یہ بسنت میلہ ۷ سے ۹ فروری تک رہے گا۔ صدر جنرل پرویز مشرف بھی آج (۸ فروری کو) بسنت منانے کے لیے لاہور آئیں گے۔ جبکہ ان تقریبات میں وزیر اعلیٰ سندھ علی محمد مہر حکومتِ پنجاب کے مہمان ہوں گے۔ صوبائی دارالحکومت میں جشن بہاراں کے لیے ضلعی حکومت کی جانب سے بینروں اور آرائشی دروازوں سے اگرچہ ہر جانب میلے کا سماں ہے، تاہم عراق پر امریکہ کے ممکنہ حملہ اور امریکہ مخالف جذبات کے تناظر میں بظاہر لوگ ان سرگرمیوں میں بھرپور طور پر شریک نظر نہیں آ رہے۔ اطلاعات کے مطابق اس دفعہ بڑے ہوٹلوں میں مختلف ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرف سے پتنگ بازی کے لیے کوئی خاص بندوبست نہیں کیا گیا۔ اگر کہیں کوئی بندوبست ہوا بھی ہے تو اس سے عام لوگوں کو آگاہ نہیں کیا گیا۔ پتنگیں اور ڈور کی فروخت کرنے والے دکانداروں کا کہنا ہے کہ لاہور میں ابھی تک عوام کا بسنت والا موڈ نہیں بنا۔ سارا کاروبار پھیکا جا رہا ہے۔

گذشتہ برس بسنت کی وجہ سے مرغی کے گوشت کی قیمت بڑھ گئی تھی اور اس بار بھی اگرچہ گوشت مہنگا ہونے کے اشارے ہیں تاہم مرغی کا گوشت بیچنے والوں کا کہنا ہے کہ بسنت منانے والے ابھی گھروں سے باہر نہیں نکلے۔ لاہور کے گلی محلوں میں جو چہل پہل اور رونق کا سماں پہلے بن جاتا تھا، وہ ابھی نہیں بنا۔ لوگوں نے ابھی تک گھروں پر لائٹیں وغیرہ نہیں لگوائیں۔ شہر کے بڑے بڑے گراؤنڈز میں اگرچہ ضلعی حکومت کی طرف سے صفائی کروائی گئی ہے اور یہاں لوگوں کو پتنگ بازی کے لیے دعوتیں بھی دی گئی ہیں مگر روایتی پتنگ بازوں کی انجمنوں کی طرف سے کسی نے بھی سرگرمی کا اعلان نہیں کیا۔ اس سال بھی حسبِ معمول بعض مخصوص لوگ مختلف فنکاراؤں کے گھر 'مہمان' بن کر پتنگ بازی کریں گے۔ اسی طرح لاہور کے فلم سٹوڈیوز میں بھی پتنگ بازی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ سرکاری اطلاعات کے مطابق بہت سے وفاقی وزرا، ارکانِ پارلیمینٹ، صوبائی وزرا اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کے علاوہ اسلام آباد سے بہت سے غیر ملکی سفیر لاہور پہنچنا شروع ہو گئے ہیں۔ اور بسنت کے موقع پر یہ معززین مختلف گھروں اور اداروں کے مہمان بنیں گے۔

سماجی حلقوں کی طرف سے اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ملک میں غربت، مفلسی، بیروزگاری اور شدید مہنگائی کی وجہ سے عوام کا بیشتر طبقہ ایسی سرگرمیوں میں شرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتا جبکہ بسنت اور جشن بہاراں کے نام پر جشن منانے والے خوشحال طبقہ کے لوگ ہیں جو عیش وعشرت اور امارت کے

اظہار کے لیے مواقع ڈھونڈتے ہیں۔ وہ لوگ اب بھی اپنے گھروں اور راستوں کو سجا کر بیٹھے ہیں۔
وہ لوگ جنہوں نے جشن بہاراں کے لے مخصوص کیے جانے والے بھاری فنڈز میں من مانی بدعنوانیاں کی ہیں، وہ بہت خوش ہیں۔ دریں اثنا پاکستان ریلوے نے لوگوں کو جشن بہاراں میں شرکت کی سہولت دینے کے لیے راولپنڈی سے خصوصی ریل کار چلانے کا فیصلہ کیا ہے جو راولپنڈی ریلوے اسٹیشن سے آج شام پانچ بجے روانہ ہوگی اور جہلم ، لالہ موسیٰ، گجرات، وزیر آباد اور گوجرانوالہ ریلوے سٹیشنوں پر رکتے ہوئے رات دس بجے لاہور پہنچے گی۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۸/فروری ۲۰۰۳ء

چھتیں اور فنکار بک، بسنت پر ٹی وی سے براہِ راست نشریات

لاہور (کلچر رپورٹر) زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح شوبز کے حلقوں میں بھی بسنت کا تہوار بڑے جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔ پی ٹی وی لاہور مرکز بسنت نائٹ کو براہِ راست پروگرام ٹیلی کاسٹ کرے گا۔ ہفتہ کی شام ۵ بجکر ۱۰ منٹ پر پی ٹی وی لاہور سٹوڈیو سے اور خبرنامے کے بعد فاطمہ جناح کالج چونا منڈی سے پروگرام ٹیلی کاسٹ کیا جائے گا۔ اس پروگرام کی کمپیئرنگ نورالحسن، شمعون ہاشمی، عمر شریف اور عفت عمر کریں گی جبکہ گلوکار ابرارالحق ، جواد احمد، ہارون رحیم شاہ، شاہدہ منی ،فریحہ پرویز ،نرما ،سلمیٰ آغا ،سٹرنگز ، عارف لوہار، وارث بیگ ، اے نیر ،حمیرا ارشد، سائرہ نسیم ، حدیقہ کیانی، ظل ہما اور شبنم مجید پرفارم کریں گی۔ آج سہ پہر کو شملہ پہاڑی کے قریب ایک بڑے ہوٹل کی چھت پر بھی کچھ فنکار بسنت منائیں گے۔ پی ٹی وی علاقائی نشریات میں 'جشن بہاراں' کے نام سے ایک پروگرام پیش کریں گا جس میں جٹ برادران اور دوسرے فنکار پرفارم کریں گے ۔ پاکستان ٹورازم پروموشن کونسل کے زیر اہتمام مال روڈ پر واقع ایک عمارت کی چھت پر کچھ فنکار بسنت منائیں گے جن میں اداکار سعود ، نور، سفیر، معمر رانا، دردانہ رحمٰن، کاشف راجہ، شفقت علی خاں ، انور رفیع، عدیل برکی اور عارف لوہار شامل ہیں۔ اس کے علاوہ فوڈ سٹریٹ میں واقع ایک عمارت کی چھت پر کچھ فنکار بسنت منائیں گے۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۸/فروری ۲۰۰۳ء

صدر مشرف آج لاہور آئیں گے، دوست کے گھر بسنت منائیں گے!

لاہور (اپنے سٹاف رپورٹر سے) صدر جنرل پرویز مشرف آج (ہفتے کے روز) اسلام آباد سے لاہور آ رہے ہیں۔ صدر یہاں شام کو قذافی سٹیڈیم میں سپورٹس اکیڈمی کے قیام کی تقریب میں بطورِ مہمان خصوصی

شرکت کریں گے۔ جس کے بعد صدر پاکستان آرمی ہاؤس چلے جائیں گے۔ رات کو صدر سروسز کلب میں سینئر فوجی اور سول افسروں کے ساتھ ڈنر کریں گے جبکہ اگلے روز (اتوار کی دوپہر) وہ اندرونِ لاہور یا ڈیفنس کے علاقہ میں کسی دوست کے گھر مختصر وقت کے لیے بسنت منانے جائیں گے۔

....

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۵/فروری ۲۰۰۴ء

بسنت نائٹ: ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑے

آسمان پتنگوں سے بھر گیا، ۵/افراد ہلاک درجنوں زخمی

شفیق آباد میں والد کے ساتھ ڈور پھرنے سے موٹر سائیکل پر سوار ڈیڑھ سالہ بچی کی شہ رگ کٹ گئی، والد کو دل کا دورہ پڑ گیا...... گرین ٹاؤن، نواں کوٹ اور شیخ زید ہسپتال میں ۳/افراد دھاتی ڈور والی پتنگ پکڑتے ہوئے کرنٹ لگنے سے ہلاک ہو گئے۔

لاہور (خبرنگار خصوصی + سپیشل رپورٹر + کرائم رپورٹر + کرائم رپورٹر سے) میلوں ٹھیلوں کے شوقین لاہوریوں نے آتش بازی، ہوائی فائرنگ ڈھولک کی تھاپ پر رقص، بھنگڑوں بوکاٹا کے نعروں اور بڑھکوں میں بسنت نائٹ منائی۔ مگر اس دوران حادثات اور کرنٹ لگنے سے شیرخوار بچی سمیت پانچ افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہو گئے۔ تفصیلات کے مطابق گزشتہ رات بسنت نائٹ کے موقع پر ہر طرف ٹھاہ ٹھو، آئی بوکاٹا، لگی گئی ہے، پھڑلو، جانے نہ پائے، کی آوازوں اور بسنت کے خصوصی نغمات نے عجب سماں پیدا کر رکھا تھا۔ شور شرابہ میں بگل باجوں کی آوازوں سے کانوں پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، بسنت نائٹ کے موقع پر تاریخی شہر لاہور رنگ ونور کے سیلاب میں ڈوب گیا۔ مکانوں اور بلند عمارتوں کی چھتوں پر ہزاروں واٹ کی سرچ لائٹس لگا کر ان کے رخ آسمان کی طرف کر دیئے گئے۔ اس تیز روشنی میں پورے آسمان پر تاروں کی جگہ سفید رنگ کے گڈے اور پتنگیں نظر آتی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا میں چھتوں پر بسنتی اور پیلے آنچل لہراتے رہے۔ پتنگ بازی کے گڑھ اندرونِ شہر میں سینکڑوں تقریبات کا اہتمام کیا گیا تھا۔ شاہی حمام، چونا منڈی، گرلز کالج، رنگ محل، سمیت دوسرے علاقوں کی بلند عمارتوں پر سرکاری ونجی اداروں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں اور اداروں نے بسنت نائٹ کی تقریبات کا اہتمام کر رکھا تھا۔ ان تقریبات میں باربی کیو، حلیم، حلوہ پوری، پٹھورے، سبز چائے کے خصوصی انتظامات تھے۔ بعض تقریبات میں پتنگوں اور ڈور کے ساتھ ساتھ غیر ملکی مشروبات اور موسیقی کی خصوصی محفلوں کا انتظام تھا جن میں ٹھمکے اور بھنگڑے کی کوئی ممانعت نہیں تھی، تاہم ایسی تقریبات کو نہایت خفیہ رکھا گیا۔ لاہور کی بسنت منانے کے لئے دوسرے شہروں سے ہزاروں شوقین لاہور پہنچے۔ رات کے وقت اندرونِ شہر سرکلر روڈ کے متعدد مقامات پر ٹریفک جام رہی شہر کی جدید رہائشی آبادیوں میں بھی بسنت نائٹ

بھرپور طریقے سے منائی گئی۔ مساجد اور دیگر مقامات سے پولیس میگافون اور لاؤڈ سپیکروں پر اعلان کرتی رہی کہ ہوائی فائرنگ نہ کی جائے دھاتی تار کا استعمال جرم ہے، مگر ان اعلانات کی پرواہ کم کی گئی۔

لاہور یے آج دن کی بسنت منائیں گے...... بی بی سی کے مطابق ہفتے کو سکولوں میں حاضری کم رہی۔ شہر میں پٹرول پمپ بھی سجائے گئے تھے جو اپنے گاہکوں کو پتنگیں تقسیم کرتے رہے، دیگر شہروں سے دو لاکھ افراد لاہور پہنچے۔ پیپلز پارٹی کے رہنما اعتزاز احسن کے گھر مختلف ملکوں کے سفیروں نے بسنت منائی۔ بھارت سے راجیہ سبھا کی ڈپٹی سپیکر نجمہ ہیبت اللہ اور صحافی کلدیپ نیئر بھی لاہور میں موجود تھے۔

بسنت نائٹ کے موقع پر ڈیڑھ سالہ بچی سمیت ۵/افراد کی زندگی کی ڈور کٹ گئی جبکہ درجنوں افراد زخمی ہوگئے جنہیں ہسپتالوں میں داخل کرا دیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق بندروڈ شفیق آباد میں محمود بوٹی باغبانپورہ کا رہائشی ریلوے ملازم ندیم اپنی اہلیہ شگفتہ، پانچ سالہ بیٹے زمان اور ڈیڑھ سالہ بیٹی رخشندہ کے ہمراہ موٹر سائیکل پر جا رہا تھا کہ کٹی پتنگ کی ڈور پھرنے سے رخشندہ کی شہ رگ کٹ گئی اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگئی۔ بیٹی کی خون میں لت پت لاش دیکھ کر والد ندیم کو دل کا دورہ پڑ گیا اور اسے فوری طور پر ہسپتال داخل کرایا گیا جبکہ رخشندہ کی والدہ پر سکتہ طاری ہوگیا۔ متوفیہ کی والدہ خون میں لت پت بیٹی کی لاش ہاتھ میں اُٹھا کر دھاڑیں مار مار کر روتی رہی۔

کوٹ کمبوہ نواں کوٹ میں ارشد نامی شخص کا سات سالہ بیٹا رضوان دھاتی تار کی کٹی پتنگ پکڑتے ہوئے کرنٹ لگنے سے موقع پر جل کر ہلاک ہوگیا جبکہ ملتان روڈ ہنجر وال میں بارہ سالہ لڑکا تیمور کٹی پتنگ پکڑتے نامعلوم کار کی زد میں آ کر ہلاک ہوگیا۔ شفیق آباد کے واقعے کی پولیس نے تصدیق نہیں کی۔

بسنت نائٹ شروع ہونے کے چند گھنٹے بعد ہی گرین ٹاؤن میں ایک اسٹیٹ ایجنسی کی چھت پر کھڑا ملازم بائیس سالہ اشفاق احمد دھاتی ڈور والی کٹی پتنگ پکڑتے ہوئے کرنٹ لگنے سے جاں بحق ہوگیا۔ متوفی کے دو بھائی اور ایک بہن ہے۔ متوفی دن کے وقت ویگن کنڈ یکٹری کرتا اور رات کے وقت اسٹیٹ ایجنسی میں ملازمت کرتا تھا۔ متوفی کی لاش جب گھر پہنچی تو وہاں کہرام برپا ہوگیا۔ رابطہ کرنے پر گرین ٹاؤن پولیس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۵/فروری ۲۰۰۴ء

بسنت کے موقع پر شہباز شریف سیکرٹریٹ میں پروقار تقریب

میاں نواز شریف اور شہباز شریف کی تصاویر والی پتنگیں اُڑا کر ان سے اظہارِ یکجہتی کیا گیا۔

لاہور (نامہ نگار سے) بسنت تہوار پر موسم بہار کی آمد کی خوشی میں شہباز شریف سیکرٹریٹ کی بالائی منزل

پر چلڈرن ونگ کے زیر اہتمام ایک انتہائی باوقار تقریب کی گئی جس میں مسلم لیگی خواتین وحضرات کی کثیر تعداد نے بھی شرکت کی۔ اس موقع پر بچوں نے میاں محمد نواز شریف اور میاں شہباز شریف کی تصاویر والی پتنگیں اُڑا کر ان سے اظہار یکجہتی کیا۔ قائد مسلم لیگ میاں محمد شہباز شریف کی وطن واپسی کے اعلان پر بہت سی پتنگوں پر ان کی آمد کے خیر مقدمی نعرے درج تھے۔ اکثر پتنگوں پر میاں شہباز شریف کی تصاویر کے ساتھ Welcome back درج تھا۔ بچے وقفے وقفے سے پتنگیں اُڑاتے اور لمبی اُڑان کرنے پر خود ہی ڈور توڑ کر محظوظ ہوتے رہے۔ اس دوران بچے اور دیگر موجود خواتین وحضرات میاں محمد نواز شریف، میاں محمد شہباز شریف کی حمایت اور موجودہ آمر حکمرانوں کے خلاف مسلسل نعرے بازی کرتے رہے۔ کارکنوں کا جوش وجذبہ دیدنی تھا بعدازاں بچوں اور دیگر حاضرین کی مشروبات اور کھانوں سے تواضع کی گئی۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۵رفروری ۲۰۰۴ء

بسنت کی رنگینی میں ہر سال اضافہ ہوتا جارہا ہے: بی بی سی

لندن (ریڈیو رپورٹ) بسنت کی رنگینی میں ہر سال اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ بی بی سی کے مطابق پاکستان میں موجود مذہبی عناصر نے ہمیشہ بسنت کو بطورِ جشن منانے کے اس رجحان پر شدید احتجاج کیا ہے مگر اس کی رنگینی میں ہر سال اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۳رفروری ۲۰۰۵ء

بسنت پر شراب کی فروخت بڑھ گئی

لاہور (نیوز رپورٹر) لاہور میں بسنت کے موقع پر شراب کی مانگ اور اس فروخت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ گزشتہ روز شہر کے بڑے ہوٹلوں میں پرمٹ ہولڈروں کا رش دیکھنے میں ایا۔ پرمٹ ہولڈروں نے بسنت کے لئے شراب کا سٹاک کرلیا۔ ذرائع نے بتایا کہ عام طور پر پرمٹ ہولڈر مہینے کا کوٹہ وقفے وقفے سے لیتے تھے، جبکہ بسنت کے باعث پورے مہینے کا کوٹہ ایک روز میں خرید رہے ہیں۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۶رفروری ۲۰۰۴ء

بسنت: ۵۰ کروڑ میں پڑی!

لندن (ریڈیو رپورٹ) بی بی سی کو ایک شہری نے بتایا کہ بسنت پر اُٹھنے والے اخراجات کوئی ۵۰ کروڑ تک ہیں۔ امریکہ، دبئ اور لندن سمیت کئی ملکوں کے لوگ بسنت منانے لاہور پہنچے ہوئے تھے۔ غریب کا بچہ

جو پتنگ خرید کر نہیں اڑا سکا، اس نے لوٹ کو پتنگیں اُڑائیں۔ ایک بچے نے بتایا کہ اس نے تقریباً ۱۰ پتنگیں لوٹ کر اڑائیں۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۶ر فروری ۲۰۰۴ء...... ہیڈ لائن

بسنت: آسمان پتنگوں سے سجا رہا، دن بھر فائرنگ
دھاتی ڈور سے بجلی، پانی بند، مزید ۱۵ ہلاک ۴۰۰ زخمی

بسنتی آنچل لہراتے رہے، خصوصی پکوان تیار کرائے گئے، آتش بازی بھی ہوئی

تندی اور دھاتی ڈور کا بے دریغ استعمال، شہر گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونجتا رہا

رش کے باعث مسافروں کو مشکلات، ٹریفک کا نظام درہم برہم

چار افراد پتنگیں پکڑتے ہوئے کرنٹ لگنے سے ہلاک ہوئے

درجنوں زخمیوں کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے، امریکی عہدیدار اور اہم شخصیات بھی لاہور پہنچیں

دوسرے شہروں سے آئے ہوئے مہمان گھوم پھر کر نظارہ کرتے رہے

لاہور (سپیشل رپورٹر+وقائع نگار خصوصی+خصوصی رپورٹر) زندہ دلانِ لاہور نے گذشتہ روز ہوائی فائرنگ، آتش بازی، دھوم دھڑکے اور ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑا ڈالتے ہوئے بسنت کا روایتی تہوار منایا، کروڑوں روپے اُڑا دیئے گئے، ہوٹلوں سمیت شہر کی اہم جگہوں پر اداکاروں، سیاستدانوں اور غیر ملکیوں نے بھی بسنت منائی، دن کا آغاز ہوتے ہی نیلا آسمان رنگ برنگی پتنگوں سے بھر گیا، مکانوں کی چھتوں پر اونچی آوازوں پر گانے گونجتے رہے، پوش علاقوں میں کئی جگہ پتنگ بازی کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کے دور چلتے رہے، شہر سارا دن 'آئی بوکاٹا، اوگئی جے، لوپھڑ لو، گڈی ونگوں اَج مینوں سجناں اُڈائی جا اُڈائی جا، اج میلہ ویکھن آئیاں کڑیاں شہر دیاں' اور بگل باجوں کی آوازوں سے گونجتا رہا۔ پتنگ بازوں نے دھاتی تار اور تندی کا بے دریغ استعمال کیا۔ شہر بھر میں سارا دن ہوائی فائرنگ ہوتی رہی، دھاتی ڈور کے استعمال سے بجلی کی تاروں پر دھماکے ہوتے رہے۔ بجلی، پانی سارا دن بند رہا۔ ہوٹلوں، مکانوں اور پلازوں کی چھتوں پر رنگ برنگی پتنگوں کے ساتھ پیلے اور بسنتی رنگ کے آنچل لہراتے رہے۔ شہر میں سینکڑوں جگہ پر ملٹی نیشنل کمپنیوں نے بسنت منانے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ لوگوں نے کھانے پینے کا خصوصی اہتمام کیا ہوا تھا جس میں چکن، تکے کباب، چکن پیس، پٹھورے، جوار کی روٹی، سرسوں کا ساگ، سبز چائے، لسی، بریانی اور حلوہ پوری وغیرہ شامل تھے۔

گلبرگ، شاہ جمال، ڈیفنس، گارڈن ٹاؤن، فیصل ٹاؤن، شادمان، لارنس روڈ، کینٹ، جیل روڈ پر اور میاں یوسف کی حویلی میں بسنت منانے کے خصوصی انتظامات کئے گئے تھے۔ ان جگہوں پر انٹری کے لئے

خصوصی پاس جاری کئے گئے تھے۔ بسنت کی وجہ سے شہر میں ٹریفک کا نظام درہم برہم ہوگیا، دوسرے شہروں سے ہزاروں افراد کی لاہور میں آمد کی وجہ سے رش بڑھ گیا تھا۔ بعض پردیسی سارا دن شہر میں گھوم پھر کر بسنت کا نظارہ کرتے رہے۔ ضلعی انتظامیہ نے ہوائی فائرنگ اور دھاتی تار استعمال کرنے والوں کے خلاف کارروائی کے لئے خصوصی ٹیمیں بنائی ہوئی تھیں، لیکن اس کے باوجود پورا شہر گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونجتا رہا اور دھاتی تار کا بھی خوب استعمال ہوا۔ رش کے باعث لوگوں کو بسوں اور ویگنوں میں سفر کرنے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ پاکستان کے دورے پر آئے پانچ امریکی ریاستوں کے پولیس سربراہوں (شیرف) نے چودھری احمد جاوید اور شہزاد علی خان کے بسنت پروگرام میں شرکت کی۔ اس موقع پر وزیر مملکت رضا حیات ہراج، ذوالفقار مگسی، چودھری احمد مختار، معظم وٹو، جاوید اشرف قاضی، حیدر کھرل، اسد حیات، ڈی جی اینٹی کرپشن بریگیڈیر (ر) اسلم گھمن، مسعود شریف، اسلم حیات قریشی، عبداللہ یوسف اور دیگر سیاسی شخصیات نے بھی شرکت کی۔ امریکی مہمانوں نے خود بھی پتنگ اُڑائی۔ بھارت کے ہائی کمشنر شیوشنکر مینن نے بسنت نائٹ لاہور میں منائی، ان کی اہلیہ بھی ہمراہ تھیں۔ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں ملک حفیظ، شمیم نیازی، شاہد سیٹھی، ملک فیصل اور دیگر نے اپنے گھروں کی چھتوں پر بسنت کے پروگرام کئے۔ بسنت پر لاہور میں بجلی کی بندش کا بحران حسبِ معمول انتہائی شدید رہا۔ پورے شہر میں بالعموم اور اندرونِ شہر اور گنجان آباد علاقوں میں بالخصوص بار بار بجلی کی ٹرپنگ ہوتی رہی۔ تاہم اس بار واپڈا کی تنصیبات کو کسی بڑے نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

نائٹ اور ڈے بسنت میں مجموعی طور پر لاہور میں ۲۳۰۷ چھوٹی اور ۱۴۶ بڑی ٹرپنگ ریکارڈ کی گئیں۔ بسنت کے موقع پر ۱۵۳۰/ فیڈر بند ہوئے جبکہ بسنت نائٹ پر ۶ گھنٹے میں ۷۷۷ چھوٹی اور ۳۶ بڑی ٹرپنگ ہوئیں۔ گزشتہ روز اندرونِ شہر کی آبادیوں بھاٹی، لوہاری، داتا نگر، گلشن راوی، کرشن نگر، سمن آباد، اچھرہ، چاہ میراں، دھرم پورہ، انفینٹری روڈ، میاں میر کالونی کینٹ، صدر، مزنگ اور دیگر گنجان آبادیوں میں بجلی کی بندش کی شکایت زیادہ رہی۔ بجلی کی بندش سے شہر میں واسا کے ٹیوب ویل بھی بند ہوگئے اور شہریوں کو پینے کے پانی سے بھی محروم ہونا پڑا۔ واپڈا ترجمان کے مطابق رات ۷ بجے تک تمام علاقوں میں بجلی بحال کر دی گئی۔

لاہور (کرائم رپورٹر سے + کرائم رپورٹر) صوبائی دارالحکومت میں بسنت کے موقع پر کرنٹ لگنے اور چھت سے گر کر اور گاڑیوں سے ٹکرا کر مزید ۱۵/ افراد ہلاک اور ۴۰۰ زخمی ہوگئے، مرنے والوں میں ۳ بچے تھے۔ بسنت نائٹ پر پانچ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ گذشتہ روز سنگھ پورہ میں انجینئرنگ یونیورسٹی کے قریب ۲۵ سالہ یوسف عرف چاند چھت پر کٹی پتنگ پکڑتے ہوئے دھاتی ڈور کے کرنٹ سے بری طرح جھلس گیا۔ اسے ہسپتال لے جایا گیا، جہاں وہ دم توڑ گیا۔ فیصل ٹاؤن میں راولپنڈی کے گھریلو ملازم ۱۵ سالہ اصغر نے گھر کی

چھت پر لوہے کے راڈ سے کٹی پتنگ پکڑنے کی کوشش کی، راڈ بجلی کی تاروں کو چھو گیا جس سے اصغر موقع پر ہی تڑپ تڑپ کر ہلاک ہوگیا۔ وحدت کالونی میں ٦ سالہ عمیر سڑک پر پتنگ پکڑتے ہوئے کار کی زد میں آ کر ہلاک ہوگیا۔ ہنجروال میں ڈبن پورہ کی حلیمہ بی بی اپنے بارہ سالہ بیٹے شان کے ہمراہ جارہی تھی کہ اچانک شان والدہ کا ہاتھ چھڑوا کر کٹی پتنگ پکڑنے کے لئے بھاگا اور ڈاکٹر خلیل مشتاق کی کار ایل آر او ۳۲۹ کی زد میں آ کر ہلاک ہوگیا۔ گرین ٹاؤن میں ١٠ سالہ محمود دھاتی تار کی کٹی پتنگ پکڑتے ہوئے کرنٹ لگنے سے ہلاک ہوگیا۔ شاہدرہ میں ١٥ سالہ ساجد بھی دھاتی تار کی پتنگ پکڑتے کرنٹ لگنے سے جاں بحق ہوگیا۔ کوٹ خواجہ سعید گجر پورہ میں ایک نوجوان مصطفیٰ پتنگ پکڑتے چھت سے گر کر ہلاک ہوگیا۔ سرکلر روڈ گوالمنڈی میں قصور کا رہائشی ٣٠ سالہ شریف پتنگ پکڑتے ہوئے چھت سے گر کر ہلاک ہوگیا۔ اسلام پورہ میں کامونکی سے بہنوئی کے گھر آیا ٢٦ سالہ محمد سلیم کٹی پتنگ پکڑنے دوڑا کہ اچانک زیر تعمیر پلازہ کا سریا اس کے پیٹ میں پیوست ہوگیا جس سے سلیم موقع پر ہی دم توڑ گیا۔ مانگا منڈی میں نعمان کار کے نیچے آ کر، شیرا کوٹ میں ارسلان دھاتی تار سے پتنگ اڑاتے ہوئے کرنٹ لگنے سے، گجر پورہ میں عمیر پتنگ لوٹتے ہوئے حادثے کا شکار ہوکر ہلاک ہوگئے۔ جبکہ میو ہسپتال میں ٢ نامعلوم افراد کی لاشیں لائی گئی ہیں جو پتنگ لوٹتے ہوئے سر پر چوٹ آنے سے ہلاک ہوئے۔ فوڈ سٹریٹ گوالمنڈی میں کھانا کھانے والا ٣٥ سالہ محمد افتخار نامعلوم سمت سے آنے والی اندھی گولی سر پر لگنے سے شدید زخمی ہوگیا، اسے ہسپتال داخل کروا دیا گیا ہے جہاں اس کی حالت نازک ہے۔ ٤٠٠ بچے اور نوجوان پتنگیں لوٹتے ہوئے چھتوں سے گر کر اور گاڑیوں سے ٹکرا کر ہسپتال پہنچے۔ درجنوں زخمیوں کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے۔ میو ہسپتال میں ٦٠ زخمی، سروسز ہسپتال میں ٧٥، گنگا رام میں ١٧، شیخ زید ہسپتال میں ٦٠ اور جناح ہسپتال میں ٧٦ زخمی لائے گئے، اکثریت کو طبی امداد کے بعد فارغ کردیا گیا۔ زخمیوں کے اہل خانہ حکومت کو کوستے رہے، ان کا کہنا تھا کہ حکومت نے مخصوص مقاصد کے لئے پتنگ بازی سے پابندی ہٹائی، اس میں صرف غریبوں کے بچے ہی مر رہے ہیں، امرا تو محفوظ ہیں۔

ایک سرکاری ہینڈ آؤٹ کے مطابق سٹی پولیس لاہور نے بسنت کے موقع پر دھاتی تار کے استعمال اور ہوائی فائرنگ میں ملوث ١٥٧/افراد کو گرفتار کرلیا۔ ان افراد میں سے ١٧ کو سٹی ڈویژن، ١٣ کو کینٹ ڈویژن، ٩٩ کو صدر ڈویژن اور ١٩/افراد کو ماڈل ٹاؤن ڈویژن اور ٢/افراد کو سٹی ڈویژن سے گرفتار کرکے ان کے قبضہ سے رائفلیں، پمپ ایکشن، پستول اور گولیاں برآمد کی گئیں۔ بسنت نائٹ پر نامعلوم سمت سے آنے والی گولیاں لگنے سے دو خواتین سمیت ١٠/افراد زخمی ہوئے۔ نیو شادباغ کا ١١ سالہ معین، رنگ محل کا ٢٠ سالہ عامر، لوئر مال کا ٢٠ سالہ حیدر اور ٢٢ سالہ رضوان، بھاٹی گیٹ کا ١٤ سالہ طالب علم حبیب طیب،ساندہ کی ٢٨ سالہ یاسمین، ٹبی سٹی کا ١٤ سالہ طاہر، رنگ محل کی ١٦ سالہ سعدیہ اور گوالمنڈی کا ١٧ سالہ عمیر اپنی چھت پر موجود تھے کہ انہیں گولیاں لگ گئیں۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۶رفروری ۲۰۰۴ء

بسنت: سرشاری کے ساتھ مشکلات، لوگوں کا جینا دوبھر ہوگیا
کئی جگہ ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے لاٹھی چارج کرنا پڑا
کئی شہریوں نے اُدھار لے کر بسنت منائی

لاہور (خصوصی رپورٹر) بسنت جہاں رقص وسرود، مے نوشی، زندہ دلی اور سرشاری لے کر آتی ہے، وہاں اس کے نتیجے میں بہت سے سماجی، ذہنی اور اقتصادی مشکلات نے بھی جنم لیا ہے۔ بوکاٹا کے شور میں کتنی لاشیں گرتی ہیں، کتنے ہنستے کھیلتے لوگ سڑک پر ڈور پھرنے سے زخمی ہوجاتے ہیں، ان کی گنتی تو اخبارات میں آ ہی جاتی ہے لیکن مسلسل فائرنگ، شور، بلند ترین آواز میں موسیقی، بگل اور دیگر آوازیں ایسی آلودگی پیدا کرتی ہیں جو لوگوں کو نہ تو چین سے سونے دیتی ہیں، نہ سکون سے جاگنے۔ سرکاری تقریبات ہوں یا بڑے پیمانے پر منعقد کی جانے والی نجی محفلیں، ہر جگہ گنجائش کم تھی اور مدعوئین زیادہ۔ دروازوں پر سیکورٹی اہلکاروں اور مہمانوں میں جھڑپیں تک ہوئیں، کئی جگہ تو پولیس کو ہجوم منتشر کرنے کے لئے لاٹھی چارج کرنا پڑا۔ ان تقریبات میں شرکت کے لئے کارڈ حاصل کرنا بھی ایک سٹیٹس سمبل بن چکا ہے۔

ہفتے کی رات لاہور میں ٹریفک جام کا یہ عالم تھا کہ جیسے سارا شہر سڑکوں پر آ گیا ہو۔ گاڑیوں کی لمبی قطاریں تھیں جو دور تک ہر سڑک پر لگتی چلی گئیں۔ لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے سرکاری فنکشن جسے ۷ بجے شروع ہونا تھا، ۱۱ بجے شروع ہوسکا۔ کھانا ۷۰۰ لوگوں کے لئے بنایا گیا تھا جبکہ ۱۵۰۰ سے زائد لوگ حویلی آصف جاہ کے اندر تھے اور اتنے ہی حویلی کے باہر ہوں گے۔ آتش بازی اور ہوائی فائرنگ نے لوگوں کا جینا دوبھر کردیا، بعض لاہوریوں نے ادھار پکڑ کر بسنت منائی۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۶رفروری ۲۰۰۴ء

بسنت نے شوبز اور معاشرتی حلقوں کو یکجا کئے رکھا

عائشہ کی تقریب شوبز کی سب سے بڑی بسنت تقریب رہی، اداکاراؤں نے بھنگڑے ڈالے
عائشہ قادر اور قادر اقبال کے ہاں کی تقریب حسبِ سابق شہر کی پروقار تقریب تھی
ریما، ریشم، میرا، وینا ملک، مائرہ لیلیٰ، شاہدہ منی، شان اور ریمبو، صاحبہ
سب سے زیادہ تقریبات میں شریک ہوئے
فنکار بسنت تفریح کے طور پر مناتے ہیں۔ یہ موسمی تہوار بہار کی آمد کی بھی نوید سناتا ہے

لاہور (عاشق چودھری سے) عوام کے ساتھ فنکاروں نے بھی بسنت کا موسمی تہوار جوش وخروش سے منایا۔ بسنت نائٹ اور گزشتہ روز ڈے بسنت کو فلم، ٹی وی، تھیٹر اور ماڈلنگ کے فنکاروں نے شہر میں ہونے والی بسنت کی مختلف تقاریب میں شرکت کی۔ ان میں عائشاز بیوٹی پارلر اور ہائٹس کی چھت پر عائشہ قادر اور سردار قادر اقبال کی تقریب، شاہی حمام میں ڈرامہ سیریل انارکلی کے یونٹ کی بسنت پارٹی، بولان کلچرل سوسائٹی کی اقبال ٹاؤن میں ہونے والی بسنت ملن پارٹی، ثنائی ہوٹل کی چھت پر ہونے والی فلمساز صفدر خان اور صفدر ملک کی طرف سے منعقد کی گئی پتنگ بازی کی تقریب، لاہور کے تمام سٹار ہوٹلز، بڑے کمرشل پلازے، میاں صلاح الدین کی حویلی اور دوسرے کئی مقامات شامل ہیں۔ ان تقریبات میں فنکاروں کے ہمراہ معاشرے کے مختلف طبقوں سے وابستہ شخصیات بھی شریک تھیں۔ یوں بسنت کی یہ تقریبات معاشرے اور شوبز کے ملاپ کی بھی تقریبات کی صورت اختیار کئے ہوئے رہیں۔ کئی تقریبات میں تو فنکار عوامی توجہ کا مرکز رہے۔ عائشاز کے ہاں ہونے والی تقریب بسنت کے حوالے سے شوبز کی سب سے بڑی تقریب تھی۔ اس تقریب میں فلم، ٹی وی تھیٹر ماڈلنگ اور فیشن انڈسٹری کے فنکاروں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

اداکاراؤں نے اس تقریب کے دوران بھنگڑے اور رقص بھی پیش کئے۔ اس تقریب کا اہتمام عائشاز کی روح رواں عائشہ، اداکارہ نادیہ علی اور ثمین نے کیا تھا۔ لاہور میں منعقد ہونے والی بسنت کی ان تمام تقریبات میں شریک اداکاراؤں، اداکاروں، فلمسازوں، رائٹرز، تقسیم کاروں، ہدایتکاروں اور ہنرمندوں نے کہا کہ ہم بسنت تفریح کے طور پر مناتے ہیں۔ یہ ایک موسمی تہوار ہے، اس کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ فنکاروں نے کہا کہ جہاں تک پتنگ بازی کا تعلق ہے، پتنگیں اُڑانا اور پیچ لڑانا ایک تفریح بھی ہے۔ اس کے علاوہ بسنت چونکہ بہار کی آمد کی نوید بھی دیتی ہے۔ موسم بہار دلوں کی اُٹھان اور اُڑان کا موسم ہے لہٰذا لوگ پتنگیں اُڑا کر عملی طور پر اپنی محبتوں کی اُڑان کا اظہار کرتے ہیں۔ لاہور میں ہونے والی بسنت کی مختلف تقریبات میں جن فنکاروں نے شرکت کی، ان میں محمد علی، ریما، میرا، ریشم، وینا ملک، شاہدہ منی، نرما، نرگس، مدیحہ شاہ، جیا علی، مائرہ، شان، ریمبو، صاحبہ، نشو، نادیہ علی، رائمہ، آغا شہزاد گل، نجم ملک، علینا، میگھا، ریچا، فریحہ جبیں، ملک احمد، ایشا، سمیع خاں، عیشا، ببو برال، لیلیٰ، حامد رانا، الطاف حسین، بابر بٹ، جمشید ظفر، سہیل بٹ، جاوید رضا، شفیق، جرار رضوی، مختار، لائبہ، نائلہ رضا، سمیع خان، نمرا، عاصمہ، خالد احمد، رشید ساجد، حسن عسکری، خلیق احمد، مہر محمد نذیر، جاوید اقبال، میاں اسد احسان، شکیل، صفدر خان، صفدر ملک، ملک اشتیاق بلو، فیاض خاں، آفرین بیگ، فاروق مینگل، بابر علی، معمر رانا اور دوسری فلمی شخصیات شامل ہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ فلم سٹوڈیوز میں اس مرتبہ پتنگ بازی اور بسنت کی کوئی تقریب منعقد نہیں ہوئی۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۶/فروری ۲۰۰۴ء

فلمی ستاروں نے بسنت دھوم دھام سے منائی

لاہور (کلچرل رپورٹر) فنکاروں نے اتوار کے روز بھی بسنت کا تہوار انتہائی جوش وخروش سے منایا۔ بسنت کے حوالے سے لاہور میں اتوار کے روز دو بڑی تقریبات ہوئیں جن میں ایک بولان کلچرل ایسوسی ایشن کے زیراہتمام مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن کی تقریب میں شوبز سمیت زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

دوسری بڑی تقریب فلمساز ورکن پنجاب اسمبلی احد ملک کے پلازہ کی چھت پر تھی، اس میں ان کی فیملی کے قادر اقبال، فلمساز شہزادگل، وینا ملک، اداکار شان، بیگم شان، اداکارہ لیلیٰ، چیئرمین فلم سنسر بورڈ، فلمساز جمشید ظفر، فلمساز سہیل بٹ، لائبہ اور ایشا نے شرکت کی۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۳۱/جنوری ۲۰۰۵ء

بسنت دھوم دھڑکے سے منانے کی تیاریاں عروج پر پہنچ گئیں!

سرچ لائٹوں، بینڈ باجوں اور آتش بازی کے لئے خصوصی انتظامات

اونچی بلڈنگیں کرایہ پر دینے کے لئے اشتہارات

لاہور (سپیشل رپورٹر) صوبائی دارالحکومت میں عالمی معیار کی میراتھن ریس کے بعد زندہ دلانِ لاہور کی بسنت کا تہوار جوش وخروش اور دھوم دھڑکے کے ساتھ منانے کے لئے تیاریاں عروج پر پہنچ گئی ہیں۔ سرکاری سطح پر بسنت نائٹ اور بسنت ڈے منانے کے لئے پروگرام تشکیل دے دیے گئے ہیں۔ لاہور کے بڑے ہوٹلوں، اندرونِ شہر اور تاریخی عمارات میں بسنت نائٹ منانے کی خصوصی تقاریب منعقد ہوں گی۔ بسنت نائٹ میں شرکت کے لئے بھارت سمیت مختلف مما لک سے سیاحوں کی لاہور آمد شروع ہوچکی ہے۔ بھارتی فلمسٹارز بھی ان تقریبات میں شرکت کریں گے، جبکہ غیرملکی سفارتکار بھی بڑی تعداد میں شرکت کریں گے۔

ڈور لگانے والوں نے بکنگ بند کردی ہے۔ وہ دن رات ڈور لگانے میں مصروف ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے پتنگوں پر اپنے مونوگرام شائع کروائے ہیں، خصوصی کھانا پکانے والے باورچی بھی بک ہوچکے ہیں، جبکہ قیمے آلو والے نان لگانے کے لئے بھی تندور والوں نے بکنگ شروع کردی ہے۔ بسنت نائٹ پر باربی کیو کے زیادہ آرڈر بک ہورہے ہیں۔ بسنت نائٹ پر آتش بازی کے بھی مظاہرے ہوں گے، بگل باجوں سرچ لائٹوں اور ڈھول والوں نے بھی خصوصی تیاریاں کرلیں ہیں۔ سرچ لائٹ والوں نے اپنے ریٹ دگنے کردیے ہیں۔ واپڈا، فائرنگ اور دھاتی تار استعمال کرنے والوں کے خلاف کارروائی کے لئے خصوصی ٹیمیں بسنت

نائٹ کو مقامی ناظموں کی مدد سے کارروائی کریں گی۔

ایک اندازے کے مطابق بسنت نائٹ اور بسنت پر دو سے تین ارب روپے کا مختلف قسم کا کاروبار ہوگا جبکہ ۳۰ سے ۵۰ ہزار اوورسیز پاکستانی بسنت منائیں گے۔ بسنت منانے کے لئے اندرونِ شہر اور دیگر علاقوں میں اونچی بلڈنگوں کے مالکان نے اپنی چھتیں کرائے پر دینے کے لئے اشتہار دینا شروع کردیے ہیں۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۳ر فروری ۲۰۰۵ء

لاہور میں بسنت کی تیاریاں عروج پر پہنچ گئیں، آتش بازی کا بندوبست

شہر کی بڑی عمارتوں کی چھتیں بک، بھارت سمیت دنیا بھر سے لوگ آ رہے ہیں!!

۵ سے لے کر ۵۰۰ تک پتنگیں اور ۶۰۰ تک ڈور فروخت ہونے لگی لٹیروں نے بھی تیاری کر لی

لاہور (سپیشل رپورٹر) زندہ دلان لاہور کی طرف سے بسنت کا روایتی تہوار جوش وخروش سے منانے کے لئے تیاریاں عروج پر پہنچ گئی ہیں۔ پتنگوں اور گڈوں کی شکل میں دعوت نامے ایک دوسرے کو جاری کر دیے گئے ہیں۔ بسنت منانے کے لئے سرچ لائٹس، ڈھول والے ڈھولچی، کھانا پکانے والے باورچی دگنے ریٹوں پر بک ہو چکے ہیں۔ اندرونِ شہر سمیت تمام پوش علاقوں میں بڑی بڑی کوٹھیوں پر بسنت نائٹ پروگرام ہوں گے۔ منچلوں نے بگل باجوں کے ساتھ ساتھ آتش بازی کا بھی بندوبست کیا ہے۔ شہر بھر میں پتنگ بازی کی پرانی دکانوں کے علاوہ درجنوں عارضی دکانیں بھی سڑکوں پر کھل گئی ہیں۔ جہاں پر دن رات ڈور اور پتنگ گڈیاں فروخت ہو رہی ہیں۔ ۵ روپے سے لے کر ۵۰۰ روپے تک بڑی بڑی پتنگیں فروخت ہو رہی ہیں۔ دن رات ڈور بنائی جا رہی ہے۔

بسنت منانے کے لئے بھارتی فنکاروں اور شہریوں سمیت پوری دنیا سے لوگ لاہور پہنچ رہے ہیں۔ جب کہ غیر ملکی سفارت کاروں کی بڑی تعداد بھی اس روز لاہور میں رنگ برنگی پتنگوں کو فضاؤں میں اُڑتے دیکھ کر لطف اندوز ہوگی۔ لاہوریوں نے خصوصی پکوان تیار کرنے کا اہتمام کرلیا۔ اس وقت مارکیٹ میں عام ڈور کی پنی ۵ گوٹ کی ۳۰۰ سے ۳۵۰ روپے تک فروخت ہو رہی ہے جب کہ خصوصی ڈور اس سائز میں ۵۰۰ سے ۶۰۰ روپے میں فروخت ہو رہی ہے۔ پتنگیں لوٹنے والے شیروں نے بھی اپنی 'ڈھینگریاں' تیار کر لی ہیں۔ بڑی عمارتوں کی تمام چھتیں بک ہو چکی ہیں۔ لاہور کے تمام چھوٹے بڑے ہوٹل اور گیسٹ ہاؤس بک ہو چکے ہیں۔ اُنہوں نے ریٹ بھی بڑھا لئے ہیں۔ پلازوں کی چھتیں بھی بک ہو چکی ہیں۔

④ بسنت پر پابندی اور اجازت

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۸؍فروری ۲۰۰۳ء

بسنت ہندوانہ تہوار ہے اسلامی نظریاتی کونسل نے پابندی کی سفارش کردی

سرکاری سرپرستی افسوسناک ہے۔فضول رسم سے کروڑوں کا نقصان اور قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔انعقاد روکنا ناممکن ہے تو اس کے لیے جگہیں مخصوص کردی جائیں۔

لاہور (این این آئی) اسلامی نظریاتی کونسل نے بسنت کے تہوار کو غیر اسلامی اور ہندوانہ قرار دیتے ہوئے اس پر پابندی کی سفارش کی ہے اور کہا ہے کہ اس بے سود اور فضول رسم سے نہ صرف کروڑوں روپے کا نقصان ہوتا ہے بلکہ قیمتی انسانی جانیں بھی ضائع ہوتی ہیں۔اپنی ایک رپورٹ میں کونسل نے کہا کہ تفریح اور جشن بہاراں کے نام سے بسنت کی سرکاری سرپرستی افسوسناک عمل ہے۔اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی ایسی سرگرمی کی سرپرستی نہ کرے جس سے مالی و جانی نقصانات ہونے کے امکانات ہوں۔

اگر اس کے انعقاد کو روکنا ناممکن ہے تو پھر اس کے لیے مخصوص جگہیں مقرر کردی جائیں جسے اپنا شوق پورا کرنا ہو وہ مقررہ جگہ جا کر کرے۔اس سے بجلی کی بندش سے پیدا ہونے والے اور جانی نقصانات سے بھی بچا جا سکتا ہے۔رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں اسلامی اقدار کی بحالی ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے اور فضول خرچی کی رسومات کی حوصلہ شکنی کرنا اور عوام میں اس کے خلاف شعور پیدا کرنا بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۱؍جنوری ۲۰۰۴ء

پنجاب میں ۲۰ جنوری سے ۲۰ فروری تک پتنگ بازی کی اجازت

پتنگ اُڑانے کے لئے دھاتی تار استعمال کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے اکھاڑے اور دنگل پنجاب کی شناخت ہیں، اسے زندہ رکھیں گے۔ (پرویز الٰہی)

لاہور (سٹاف رپورٹر) وزیر اعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی کی صدارت میں منعقد ہونے والے ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں ہارس اینڈ کیٹل شو اور جشن بہاراں کے سلسلے میں اہم فیصلے کئے گئے۔اجلاس میں صوبائی وزرا محمد بشارت راجہ اور میاں اسلم اقبال کے علاوہ ضلعی ناظم لاہور میاں عامر محمود، چیف سیکرٹری کامران رسول،

صوبائی سیکرٹریوں، انسپکٹر جنرل پولیس سید مسعود شاہ اور پاک فوج کے نمائندوں نے شرکت کی۔

اجلاس کے فیصلوں کے مطابق پنجاب بھر میں پتنگیں بنانے اور ان کی نقل وحمل کی فوری اجازت دے دی گئی ہے۔ یہ اجازت ۲۰ فروری تک نافذ العمل رہے گی۔ اجلاس میں صوبے میں ۲۰ جنوری سے ۲۰ فروری تک پتنگ بازی کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ وزیراعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جشن بہاراں کے پروگراموں کو شہر کے پوش علاقوں تک محدود نہ رکھا جائے۔ اُنہوں نے کہا کہ ان پروگراموں کو لاہور کے مختلف علاقوں میں اس طرح ترتیب دیا جائے کہ عوام کی زیادہ سے زیادہ تعداد ان سے لطف اندوز ہوسکے۔ وزیراعلیٰ نے کہا کہ روایتی کھیلوں خصوصاً کشتی اور کبڈی کو بھی کھیلوں کے پروگرام میں مناسب اہمیت دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ اکھاڑے اور دنگل پنجاب کی شناخت ہیں اور ہم اس شناخت کو ہر قیمت پر زندہ رکھیں گے، جس کے لئے تمام وسائل فراہم کئے جائیں گے۔ وزیراعلیٰ نے انتظامیہ کو ہدایت کی کہ وہ کشتی اور کبڈی کے فن کے احیا کے لئے پنجاب، خصوصاً لاہور کے روایتی خاندانوں سے رابطہ کریں۔ اُنہوں نے کہا کہ پروگرام میں اردو اور پنجابی مشاعرے بھی شامل کئے جائیں۔ اجلاس میں پروگرام کی تاریخوں کو حتمی شکل دی گئی جس کے مطابق جشن بہاراں ۵ فروری سے ۱۵ فروری تک اور ہارس اینڈ کیٹل شو ۱۶ سے ۲۰ فروری تک جاری رہے گا۔ علاوہ ازیں وزیراعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی نے صوبائی انتظامیہ کو پتنگ بازی کے لئے دھاتی تار استعمال کرنے والوں کے خلاف سخت ترین کارروائی کرنے کے احکامات جاری کئے ہیں۔ وزیراعلیٰ سیکرٹریٹ سے جاری ہونے والے سرکلر کے مطابق انتظامیہ کو ہدایت کی گئی ہے کہ اس جرم میں ملوث کسی بھی شخص کے ساتھ رعایت کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ سرکلر میں پتنگ بازی میں استعمال ہونے والی دھاتی تار کی فروخت اور ہوائی فائرنگ کی روک تھام کے لئے بھی سخت انتظامات کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ دریں اثنا وزیراعلیٰ نے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے جو پتنگ بازی کو قواعد وضوابط کا پابند بنانے اور اس کھیل کی حدود کا تعین کرنے کے لئے قابل عمل تجاویز پیش کرے گی۔ کمیٹی دھاتی تار کے علاوہ ڈور کی دوسری خطرناک اقسام پر پابندی کے بارے میں بھی غور وخوش کرے گی۔ بعدازاں اس کمیٹی کی تجاویز کی بنیاد پر ضروری قانون سازی بھی کی جائے گی۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۷ر فروری ۲۰۰۴ء

پتنگ بازی پر مستقل پابندی: حکومت نے غور شروع کردیا

اعلان ۲۰ فروری کو متوقع ہے، وزیراعلیٰ کے قریبی حلقے بھی پابندی کیلئے دباؤ ڈال رہے ہیں

لاہور (نیوز ڈیسک) حکومت کی بڑھتی ہوئی بدنامی سے محفوظ رہنے کے لئے وزیراعلیٰ پنجاب نے پتنگ

بازی پر مستقل پابندی عائد کرنے کے لئے صلاح مشورے شروع کردیئے ہیں۔ وزیراعلیٰ کے قریبی ذرائع کے مطابق ۲۰ فروری سے مستقل پابندی کا اعلان متوقع ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وزیراعلیٰ کے قریبی حلقے بھی خاصا دباؤ ڈال رہے ہیں کہ پتنگ بازی کی اجازت سے حکومتی ساکھ بُری طرح متاثر ہورہی ہے۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۲۱ر فروری ۲۰۰۴ء

پتنگ بازی پر دوبارہ پابندی کا نوٹیفکیشن جاری نہیں ہوا!

لاہور (خصوصی نامہ نگار) پتنگ بازی پر دوبارہ پابندی کے سلسلہ میں صوبائی یا ضلعی حکومت کی طرف سے ابھی تک نوٹیفکیشن جاری نہیں کیا گیا۔ ذرائع کے مطابق پتنگ بازی پر پابندی یکم محرم الحرام تک اُٹھائی گئی تھی۔ واضح رہے کہ یکم محرم ۲۲ یا ۲۳ فروری کو ہوگی۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۲۳ر فروری ۲۰۰۴ء

پنجاب بھر میں پتنگ بازی پر پابندی
مستقل پالیسی بنانے کے لئے قانون سازی ہوگی!

زراعت، تعلیم، صنعت اور صحت کیلئے چار سے پانچ ارب روپے اضافی مختص کئے جائیں گے

وزیراعلیٰ پرویز الٰہی کا کابینہ کے اجلاس سے خطاب

اضلاع کو فنڈز کی تخصیص کے لئے سٹینڈنگ کمیٹی کے فیصلے حرفِ آخر نہیں، جہاں جہاں ناانصافی ہوئی ہے دور کریں گے، پرویز الٰہی نے ارکان کی شکایات کا سختی سے نوٹس لیا!!

لاہور (نمائندہ خصوصی) پنجاب حکومت نے پورے صوبے میں پتنگ بازی پر فوری پابندی لگادی ہے جبکہ اس سلسلے میں مستقل پالیسی بنانے کے لئے قانون سازی کی جائے گی۔ یہ فیصلہ گزشتہ روز وزیراعلیٰ چوہدری پرویز الٰہی کی زیرصدارت صوبائی کابینہ کے اجلاس میں کیا گیا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے پرویز الٰہی نے کہا کہ حکومت پنجاب کی مالیاتی پالیسیوں کے تحت صوبے کو حاصل ہونے والے وسائل پسماندہ علاقوں کی ترقی اور عوام کی حالت سدھارنے پر صرف کئے جائیں گے۔

وزیراعلیٰ نے اس موقع پر ہارس اینڈ کیٹل شو اور جشن بہاراں کے پروگراموں کے شاندار انعقاد پر پنجاب انتظامیہ کی کارکردگی کو سراہا۔ انہوں نے کہا کہ ان پروگراموں پر لوکل گورنمنٹ، لائیو سٹاک، انفارمیشن، سپورٹس اور پی ایچ اے کے محکمے خاص طور پر تعریف کے مستحق ہیں۔

اجلاس میں گورنر پنجاب کی طرف سے بھیجا گیا ایک خط بھی پڑھ کر سنایا گیا جس میں انہوں نے جشن بہاراں کے پروگراموں کے ذریعے عوام کو صحت مند تفریح فراہم کرنے پر حکومت پنجاب کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ وزیراعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی نے کابینہ کے اراکین کو محرم الحرام کے دوران امن عامہ کے تحفظ کے لئے کیے گئے اقدامات سے بھی آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ منافرت آمیز اور تفرقہ بازی پر مبنی تقاریر کرنے والے خطیبوں اور مقرروں کو کسی طور پر برداشت نہیں کیا جائے گا۔ وزیراعلیٰ نے لاہور کے شاہی قلعہ اور شالامار باغ کو پنجاب حکومت کے حوالے کرنے پر وفاقی حکومت کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۱۹ر فروری ۲۰۰۳ء

گوجرانوالہ میں بسنت منانے پر پابندی دفعہ ۱۴۴ نافذ

بسنت تہوار کو ناکام بنانے کیلئے سخت کاروائی کی جائے گی۔ ضلعی وسٹی ناظم کا خطاب

گوجرانوالہ (نمائندہ خصوصی) ضلعی ناظم گوجرانوالہ چودھری احمد چٹھہ اور سٹی ناظم گوجرانوالہ الحاج جاوید احمد نے ضلع گوجرانوالہ میں بسنت منانے پر مکمل پابندی عائد کر دی ہے۔ اس کا فیصلہ آج یہاں متحدہ مجلس عمل گوجرانوالہ کے رہنما قاضی حمید اللہ خان ایم این اے اور گوجرانوالہ کے ممتاز علمائے کرام کے ہنگامی اجلاس میں کیا گیا۔ اجلاس سے ایم این اے قاضی حمید اللہ خان، حافظ حمید اختر، صدر مجلس متحدہ عمل گوجرانوالہ، مولانا عبیدالرحمٰن مدنی سابق پروفیسر پنجاب یونیورسٹی، مولانا زاہد الراشدی عالمی مبلغ، مولانا سید عبدالمالک شاہ، مولانا علی احمد جامی، مولانا نصیر احمد اویسی، مولانا مشتاق احمد چیمہ، حافظ محمد عمران عریض، گلزار احمد لیبر کونسلر و ممبر امن کمیٹی گوجرانولہ نے بھی خطاب کیا۔

علمائے کرام نے مطالبہ کیا کہ مکروہ ہندوانہ تہوار بسنت پر پابندی عائد کر کے سرکاری طور پر اعلان کیا جائے۔ ضلعی ناظم گوجرانوالہ چودھری فیاض احمد چٹھہ اور سٹی ناظم گوجرانوالہ الحاج بابو جاوید احمد نے کہا کہ بسنت کے تہوار کو گوجرانوالہ میں ناکام بنانے کے لیے سخت کاروائی کی جائے گی۔ ضلعی ناظم گوجرانوالہ نے بتایا کہ حکومت پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ کی خصوصی ہدایات و احکامات پر دو ماہ کے لیے پنجاب کے علاوہ ضلع گوجرانوالہ میں دفعہ ۱۴۴ فوری طور پر نافذ کر کے بسنت پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی ہے۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۲۸ر جنوری ۲۰۰۵ء

لاہور کے بسنت میلے کو ہائیکورٹ میں چیلنج کر دیا گیا

حکومتی سرپرستی میں ہندوانہ تہوار کو بطورِ جشن فروغ دیا جا رہا ہے!!

ہر سال درجنوں جانیں ضائع ہوتی ہیں، اسلامی شعائر کا مذاق اُڑایا جاتا ہے: رٹ کنندہ

لاہور (وقائع نگار خصوصی) بسنت کے تہوار اور پارکس اینڈ ہارٹی کلچر اتھارٹی کی زیرسرپرستی لاہور میں لگائے جانے والے بسنت میلہ کے جواز کو لاہور ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایم ڈی طاہر ایڈووکیٹ اور تحریکِ تحفظِ انسانی حقوق پاکستان کے صدر شہباز رشید قریشی نے عدالتِ عالیہ میں دو الگ الگ رِٹ درخواستیں دائر کی ہیں جن میں استدعا کی گئی ہے کہ بسنت کے ہندوانہ تہوار کو غیر اسلامی، غیر قانونی اور انسانیت کش قرار دے کر لاہور میں بسنت میلہ کا انعقاد روک دیا جائے۔ رٹ درخواستوں میں وفاقی حکومت، پنجاب حکومت، واپڈا اور پی ایچ اے کو فریق ثانی بناتے ہوئے موقف اختیار کیا گیا ہے کہ حکومت کی سرپرستی میں بسنت کے ہندوانہ تہوار کو بطورِ فیشن فروغ دیا جارہا ہے جبکہ اس تہوار کے نتیجہ میں ہر سال بیسیوں انسانی جانیں ضائع ہوجاتی ہیں اور پرامن شہریوں کو مسلسل ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ رِٹ درخواستوں میں کہا گیا ہے کہ بسنت کے تہوار کی حکومتی سطح پر سرپرستی کرنا اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہندوانہ کلچر کو فروغ دینے کے مترادف ہے جو شعائر اسلامی کا مذاق اُڑانے کے مترادف ہے اور شہریوں کی جان و مال کے تحفظ کے سلسلہ میں آئینی دفعات کی خلاف ورزی کے بھی زمرہ میں آتا ہے۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۳ر فروری ۲۰۰۵ء

بسنت کو مذہب کے ساتھ منسلک کرنا درست نہیں: چیف جسٹس

لوگ بہار کو خوش آمدید کہتے ہیں، تہوار کے حوالہ سے کوئی قانون سازی نہیں ہوئی جب قانون بنے گا تب عدالتی دائرۂ اختیار استعمال ہوگا: جسٹس افتخار حسین چودھری کے ریمارکس

لاہور (خبر نگار خصوصی) لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس افتخار حسین چودھری نے قرار دیا ہے کہ جب سرسوں کے پیلے پھول کھلتے ہیں تو بہار آتی ہے اور بہار کو خوش آمدید کہنے کے لئے لوگ بسنت مناتے ہیں، اس لئے بسنت کو مذہب کے ساتھ منسلک کرنا درست نہیں۔ فاضل چیف جسٹس نے یہ ریمارکس بسنت کو ہندوانہ تہوار قرار دے کر اس پر پابندی لگانے کے لئے دائر کیس کی سماعت کے دوران دیے۔ عدالت کے روبرو امتیاز قریشی وغیرہ کی درخواستوں میں ان کے وکلا بیرسٹر نذیر شامی اور ایم ڈی طاہر ایڈووکیٹ نے اپنے دلائل میں کہا کہ بسنت ہندوؤں کا تہوار ہے، اس سے نہ صرف کروڑوں روپے کا ضیاع ہوتا ہے بلکہ ہر سال سینکڑوں انسانی جانیں بھی ضائع ہوتی ہیں، اس لئے عدالت بسنت پر پابندی لگائے۔ عدالت نے دورانِ سماعت یہ ریمارکس بھی دیے کہ بسنت پر پابندی کے حوالہ سے کوئی قانون سازی نہیں ہوئی، آپ اس سلسلہ میں اسمبلی سے رجوع کریں جب قانون بنے گا تب عدالتی دائرۂ اختیار استعمال ہوگا۔ عدالت نے کیس پر مزید کارروائی ۴ فروری تک ملتوی کر دی۔

⑤ اداریے، مراسلات، اشتہارات اور شاعری

روزنامہ نوائے وقت لاہور: ۱۸ر فروری ۲۰۰۳ء (اداریہ)

بسنت کا عذاب اور ٹی وی

اتوار کے روز پتنگ بازی اور دھاتی ڈور کے استعمال کی وجہ سے پنجاب کے صوبائی دارالحکومت میں بجلی کی ٹرپنگ سے شہریوں کو وقت کا سامنا کرنا پڑا۔ بجلی و پانی کی بندش کے علاوہ الیکٹرانکس آلات جلنے سے شہریوں کو نقصان اُٹھانا پڑا۔ اگرچہ بسنت کے بعد ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے پاکستان میں جس کلچر کو فروغ دینے کی کوششیں ہو رہی ہیں، اس پر پوری قوم احتجاج کر رہی ہے اور ان خرافات کے نوجوان نسل پر مرتب ہونے والے مضر اثرات کو بھی ہر طبقہ فکر نے محسوس کیا ہے مگر چونکہ بالائی طبقہ اور حکومت کے بعض اعلیٰ عہدیدار اس کی حوصلہ افزائی میں پیش پیش تھے، اس لئے یہ تہوار جوش و خروش سے منائے گئے اور جبکہ اعلان شدہ تاریخیں گزر چکی ہیں تو بسنت اور ویلنٹائن ڈے کا شور شرابا بھی ختم ہو جانا چاہئے تھا مگر قوم ابھی تک اس میں پھنسی ہوئی ہے اور رہی سہی کسر پی ٹی وی پوری کر رہا ہے جو اپنے پروگراموں میں نہ صرف پتنگ دکھانے کے علاوہ 'پتنگ باز سجنا' کے بار بار درشن کراتا ہے بلکہ ویلنٹائن ڈے کے پیغامات بھی مسلسل نشر کر کے نوجوان نسل میں ایک بے ہودہ مغربی رسم کے لئے رغبت پیدا کر رہا ہے۔

قومی فنڈز سے چلنے والا الیکٹرانک میڈیا قومی جذبات و احساسات سے یکسر بے بہرہ ہو کر جو پروگرام پیش کر رہا ہے، وہ ٹیکس گزاروں کے ساتھ زیادتی ہے جس کا نوٹس وزیر اطلاعات شیخ رشید کو لینا چاہئے مگر موصوف چند روز قبل ایک تقریب میں پی ٹی وی کو ایک طوائف قرار دے کر اپنی بے بسی کا اظہار کر چکے ہیں کہ وہ اس طوائف کو برقعہ نہیں پہنا سکتے۔

اگرچہ قوم کے خون پسینے کی کمائی سے چلنے والے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ٹی وی کو طوائف کا کردار ادا نہیں کرنا چاہئے لیکن اگر حکمران کی شہ اور ایم ڈی یوسف بیگ مرزا کی سرپرستی کی وجہ سے یہ ادارہ واقعی طوائف بن چکا ہے تو اسے کم از کم شریفوں کے محلے میں رہنے کے آداب ضرور سکھانے کی ضرورت ہے اور قوم کے جذبات سے کھیلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ کشمیر اور افغانستان میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے، عراق میں لاکھوں مسلم عوام کو بھوکا پیاسہ مارنے اور ایٹم بموں سے تباہ کرنے کے لئے امریکہ فوجیں اُتار رہا ہے، پوری دنیا میں جنگ کے خلاف آواز بلند ہو رہی ہے، مگر پی ٹی وی قوم کو لہو و لعب میں مبتلا کر کے عشقیہ پیغامات، اُچھل کود اور جان لیوا پتنگ بازی کے ذریعے بے حسی اور دنیا و مافیہا سے لاتعلق بنانے کے درپے

ہے۔ شیخ رشید کے علاوہ وزیراعظم میر ظفراللہ جمالی کو اس صورت حال کا سختی سے نوٹس لینا چاہئے اور اس 'طوائف' کو اپنی حدود میں رہنے کی ہدایت کرنی چاہئے۔ یہ برقعہ نہ پہنے لیکن شریف زادیوں کے دوپٹے اُتارنے اور انہیں سرعام تماشہ بنانے کی روش سے ضرور باز آئے۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۲۴ رفروری ۲۰۰۴ء (اداریہ)

پتنگ بازی پر پابندی!

پنجاب حکومت نے پورے صوبے میں پتنگ بازی پر فوری پابندی عائد کر کے مستقل پالیسی بنانے کے لئے قانون سازی کا اعلان کیا ہے۔ تفریح کے نام پر پتنگ بازی خاص طور پر دھاتی تار کے استعمال نے معاشرے میں بے شمار المناک واقعات کو جنم دیا ہے اور ہر سال بسنت کے نام پر موسمی تہوار اور پتنگ بازی کے ذریعے نہ صرف شہریوں کا سکون برباد کیا جاتا ہے، بلکہ معاشرے میں غیر اخلاقی حرکات اور سرگرمیوں کو بھی فروغ ملتا ہے۔ اس سال متعدد افراد دھاتی تار کی وجہ سے موت کے منہ چلے گئے، درجوں گھروں میں صفِ ماتم بچھی اور کئی بچے یتیم اور خواتین بیوہ ہوگئیں۔ واپڈا کی تنصیبات کو پہنچنے والا کروڑوں روپے کا نقصان اس کے علاوہ ہے اور صارفین کو بجلی کے آلات جل جانے کی صورت میں بھی زبردست نقصان اُٹھانا پڑا۔ پتنگ بازی کا یہ نقصان دہ شغل صرف پنجاب تک محدود نہیں پورے ملک پر محیط ہے، پتنگ ساز اسے ذریعہ معاش قرار دے کر اس جائز پابندی کی مخالفت کرتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اسے تفریح کہہ کر اسے جاری و ساری رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ جواز بھی ہے کہ بسنت میلے سے تجارتی روابط میں اضافہ ہوتا ہے اور سیاحت کو قابل ذکر فروغ بھی حاصل ہوتا ہے لیکن انسانی جانوں کے ضیاع کے پیش نظر حکومت پنجاب کا فیصلہ بہت پہلے آ جانا چاہئے تھا۔ بہرحال دیر آید درست آید کے مصداق اس کی ضرورت و افادیت سے انکار نہیں، ضرورت اس پر سختی سے عمل درآمد کی ہے۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۸ رفروری ۲۰۰۴ء (مراسلہ ا)

بسنت ......جشن بہاراں نہیں 'جشن اغیاراں' ہے!

بسنت کا تہوار مسلمانوں کی ثقافت سے کوئی نسبت اور تعلق نہیں رکھتا بلکہ دشمن قوم ہندو کا تہوار ہے جسے پذیرائی دے کر مسلمانوں نے اپنی ثقافت اور کھیل و تفریح قرار دے لیا اور اس کے بانی ہندوؤں سے کہیں زیادہ اسے پذیرائی دی۔ مسلمان عقل و شعور سے اتنے دور ہوگئے کہ اس پر جان و مال کے ضیاع کے باوجود سال بہ سال اس میں اضافہ کرتے گئے جبکہ عقل و شعور کا تقاضا ہے کہ انسان کی جان پر کوئی تکلیف وغیرہ لاحق

ہو تو وہ اپنا مال خرچ کر کے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے اور جب مال کا کوئی خطرہ پڑ جائے تو اس کی حفاظت کے لئے ذرائع بروئے کار لاتا ہے۔ لیکن یہ بسنتی اتنے تہی مغز ہوگئے کہ تقاضائے انسانی کے برخلاف مال ضائع کر کے قیمتی جانیں اس مہلک کھیل پر قربان کرتے ہیں اور پھر بھی اسے کھیل وتفریح کہتے اور گردانتے ہیں تاکہ شائقین بسنت کی توجہ اس کے ہولناک نتائج وعواقب سے ہٹی رہے تو یوں قیمتی جانوں اور مال کے ضیاع کے پیش نظر یہ ثقافت نہیں بلکہ شقاوت، بدبختی اور کھیل نہیں بلکہ ویل (ہلاکت) ہے۔

اس سلسلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حکومت نے شاید عوام کے ایک طبقہ اور حصہ کی توجہ دوسری جانب مبذول کرانے کی روایت میں اس شقاوت اور ویل اور جشن اغیاراں کی باقاعدہ سرپرستی کی اور اس سلسلہ میں مطالبات اور احتجاجات کے باوجود ٹس سے مس نہ ہوئی۔ عدالتِ عالیہ سے خصوصی استدعا ہے کہ وہ انسانی جانوں کے تحفظ کی خاطر از خود اپنے اختیارات کو بروئے کار لاکر اس ہلاکت خیز جشن اغیاراں، شقاوت اور ویل پر فی الفور پابندی لگا کر اپنی منصبی ذمہ داریوں سے عہد برآ ہو۔ (مرسل: محمد آصف، لاہور)

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۲۲ر فروری ۲۰۰۴ء (مراسلہ۲)

ہم کہاں جارہے ہیں؟

مکرمی! میں اپنے مؤقر جریدے کی وساطت سے یہ بات عوام الناس بالخصوص حکومت تک پہنچانا چاہتی ہوں کہ اس بار بسنت سرکاری سرپرستی میں جس جوش وخروش سے منائی گئی، قابل صد افسوس ہے۔ بسنت سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ ہندوؤں کا تہوار ہے یہ تہوار گستاخِ رسولؐ کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ ایک تہوار جو ہندوؤں کا ہو تو وہ مسلمان ایک اسلامی ریاست میں کیسے منا سکتے ہیں؟ پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے جس کی بنیاد ہی اسلامی ہے تو ایسے ملک میں غیر مسلم رسومات کیسے رواج پاسکتی ہیں، لیکن اسلامی ملک ہونے کے باوجود ہمارے حکمرانوں اور ان کی پیروی کرتے ہوئے یہاں کی عوام نے ایسے تہواروں کو بہت زیادہ فروغ دیا جن کی بدولت اب یہ ملک اسلامی ملک نہیں رہا کیونکہ انہوں نے اپنے اقدار و روایات اور عقائد بھلا دیے ہیں۔ وہ لوگ جن کا یہ اصل تہوار ہے اتنے جوش وخروش سے نہیں مناتے جتنا کہ مسلمان اس پر پیسہ لٹاتے ہیں۔ اس میں ہر طرف نقصان ہی نقصان ہے۔ پیسے کا ضیاع، مالی و جانی نقصان ،خاص طور پر قیمتی وقت کا ضیاع۔ ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم جو پیسہ اس فضول قسم کے کام میں خرچ کرتے ہیں وہی پیسہ اپنے بہن، بھائیوں کو دیں جو اس کے حق دار ہیں۔ جن پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ جو ایک ایک روپے کے محتاج ہیں لہٰذا میں حکومت سے یہ اپیل کرتی ہوں کہ خدارا ہوش میں آیئے اور اپنے ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے ایسے فضول قسم کے تہواروں کو ختم کریں۔ خاص طور پر ٹی وی پروگرام کی خبر لیں جو نوجوان نسل کو بگاڑنے میں مرکزی کردار ادا کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی حدود میں رہ کر زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے......آمین!

(ثمرہ احمد، لاہور)

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۲۲/فروری ۲۰۰۴ء (مراسلہ۳)

شرم 'ہم' کو مگر نہیں آتی!

مکرمی! آپ کے مؤقر جریدے کے توسط سے یہ بات حکامِ بالا تک پہنچانا چاہتی ہوں کہ موسم بہار کو خوش آمدید کہنے کے لئے اس کی تیاریاں زور وشور سے بسنت کی شکل میں کی گئیں۔ خاص کر پاکستان ٹی وی یہ جہاد کرنے میں پیش پیش رہا۔ اس نے شیطانی کام کروانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دیا۔ نت نئے بیہودہ گانے، پوسٹرز اور بسنتی پروگرامز سکرین کی زینت بنتے رہے۔ اتنا ٹی وی نے کبھی اپنی اقدار و روایات کو اہمیت نہیں دی جتنا اس نے بسنت کو پروموٹ کیا۔ غضب خدا کا کہ اپنی ہی اقدار کو روندنے کے لئے غیرملکی اور دشمن ملک بھارت کے تہوار کو اتنی تشہیر اور پذیرائی ہم نے اپنے اصلی ہیروز کو بھلا دیا جنہوں نے اس ملک کو قائم کرنے کے لئے اپنا خون بہایا اور ہمیں اس قابل بنا گئے کہ ہم اس آزاد آشیانے میں اپنی مرضی کے مطابق جی سکیں۔ کیا کبھی بھارتی ٹی وی چینلز یا اخبارات میں اسلامی تہواروں کی تشہیر کی گئی جو ہم بڑھ چڑھ کر ان کے تہواروں میں حصہ لے رہے ہیں یا لیتے ہیں۔ (روبینہ شاہین، سلمیٰ سمیع اور نسرین اختر، لاہور)

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۲۱/فروری ۲۰۰۳ء (مراسلہ۴)

بسنت یا لاقانونیت؟

مکرمی! جشن بہاراں کے نام پر لاہور میں حکومتی سرپرستی میں تین دن ہندو تہوار 'بسنت' منائی گئی۔ اخباری خبروں کے مطابق اس دوران ۱۹ افراد ہلاک ہوئے۔ ۶۰۰ سے زائد زخمی ہوئے۔ واپڈا کا کافی نقصان ہوا۔ بار بار بجلی کا نظام درہم برہم ہونے اور انتہائی شوروغل کی وجہ سے اکثر شہریوں کی زندگی اجیرن رہی، ہوائی فائرنگ ہوئی۔ اندازاً ۱۲ ارب روپیہ ۳ دن میں فضولیات کی نذر ہوگیا وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ حکومت پنجاب نے کوئی کاروائی نہیں کی بلکہ شامل رہی تو کیا اس سب کچھ کو جشن بہاراں کہا جائے یا پنجاب میں لاقانونیت کو فروغ؟

(راجہ محمد افضل خاں......۱۳۰/سول لائن، جہلم)

روزنامہ نوائے وقت لاہور: ۱۶؍فروری ۲۰۰۳ء (مراسلہ ۵)

جشن بہاراں کے بسنتی رنگ!

۴؍فروری ۲۰۰۳ء بروز منگل شام چار بجے مال روڈ سے گذرنے کا اتفاق ہوا تو مال روڈ کے دونوں طرف کی بلند و بالا عمارتوں پر خوبصورت رنگوں سے بسنت کے حوالے سے بڑے بڑے بینرز اور ان عمارتوں کے حسن کو دوبالا کر رہے تھے۔ عقل و دل حیران ہو رہے تھے کیوں کہ اس مال روڈ کے کچھ کونوں پر چند چھوٹے اشتہارات لگائے گئے تھے جس پر ۵ فروری کو یوم شہداءِ کشمیر کے ساتھ منانے کی اپیل تھی لیکن مستی رنگ اور بسنتی سنگ نے اہل کشمیر کے خون کو دھندلا کر کے رکھ دیا۔ وہ سپانسر کمپنیاں این جی اوز اور گورنمنٹ پاکستان مزاج اور مستی رنگ حکمران اس نئی نسل کو جو ڈش، کیبل اور انٹرنیٹ کی دیوانی ہے، اسے جس رنگ سے پروان چڑھا رہے ہیں، اس سے ہنود بڑے خوش ہوں گے۔

پاکستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس لاہور نے ہر دور میں عالم اسلام کی ہر تکلیف پر اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ شاید اسی یہود و ہنود نے اس لاہور کو فتح کرنے کے لئے ستی بسنتی سنگ بھنگڑے، ڈش، کیبل اور انٹرنیٹ سب کر دیا تا کہ وہ جو ایمان اور اسلام کی لذت اس میں سما چکی ہے، اس کی جگہ تھرکتے جسم، ناچتی چھکتی آنکھیں، دلنشین انداز اور آوازیں اس کی پہچان بن جائیں۔ ایک دور میں ٹی وی پر محمد بن یوسف بن تاشفین صلاح الدین ایوبی، غرناطہ کے ڈرامے دکھائے جاتے تھے۔ اس دور میں ایک ہماری سرحدوں پر آ گیا جس کے پار انسانیت کی گئی۔ ہمارے اس دور کے حکمرانوں نے قوم کے ایمان اور اسلام کو قائم رکھنے کے لئے ہمیں ہماری یاد دلائی کہ ہمارے خون میں جذبہ جہاد اور ایمان پہلے نمبر پر ہے اور قوم کے اندر جذبہ اور ایمان پختہ ہو گیا۔ اس ضیاء الحق کے دور میں تاریخ نے سفید ریچھ کو واپس جاتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت بھی پاکستان کی سالمیت کا مسئلہ تھا اور آج بھی پاکستان کی سالمیت کا مسئلہ درپیش ہے۔ یہ دور بھی ڈکٹیٹر شپ کا حصہ ہے۔ کتنا فرق ہے ڈکٹیٹروں میں یہ فیصلہ تاریخ کرے گی۔ آج جذبہ اور غیرتِ ایمانی کے اظہار پر پابندی ہے۔ ٹی وی پر پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہ زی ٹی وی ہے یا پی ٹی وی چل رہا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ پھل اپنے درخت سے پہچانا جاتا ہے۔ کیا ان کمپنیوں نے قرآن و حدیث اور فقہ پڑھنے اور پڑھانے والوں کو بھی کبھی سپانسر کیا ہے؟ کبھی نہیں کیا اور نہ کریں گی کیوں کہ ان کے فنڈز تو صرف مستی اور بسنتی سنگ بنانے کے لئے وقف ہیں ؎

وضع میں تم نصاریٰ ہو تو تمدن میں ہنود
مسلمان ہو کہ جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان اور پاکستان کو حفاظت اور ہمیں کی توفیق عطا فرمائے۔

(حفیظ الرحمٰن نقشبندی اویسی، سلامت پورہ، لاہور)

روزنامہ نوائے وقت لاہور: ۲۳؍فروری ۲۰۰۳ء (مراسلہ ۶)

برائی کے خلاف جہاد

مکرمی! پتنگ اُڑانا کوئی برا فعل نہیں لیکن پتنگ بازی اور بسنت کی آڑ میں ملکی بالخصوص پنجاب خصوصاً لاہور کی سطح پر لہو ولعب کا جو شرمناک طوفان برپا کیا جاتا ہے، وہ شیطان کو بھی شرما دیتا ہے۔ اس بار چند ہزار لوگوں کے ہاتھوں لاہور کے باسی پورے تین دن رات مسلسل 'یرغمال' بنے رہے۔ اخبار کے مطابق راولپنڈی کے ضلعی ناظم طارق کیانی نے بسنت کی ایک ایسی ہی ترتیب کردہ راگ ورنگ اور کھانے پلانے کی محفل اپنے حکم کے تحت منعقد نہیں ہونے دی۔ دوسری خبر وزیراعلیٰ پنجاب چودھری پرویز الٰہی کے بارے میں تھی جنہوں نے بسنت کا پورا دن خاموشی سے اپنے گھر میں گزارا اور لاہور میں ہوتے ہوئے بھی کسی بسنتی شیطانی تقریب یا ہلے گلے میں شرکت نہیں کی۔

اگر میں غلط نہیں تو پھر طارق کیانی نے ایک حد تک نبی رحمتؐ کی حدیثِ مبارکہ کے مطابق برائی کو افضل طریقے یعنی ہاتھ (طاقت) سے روکا اور پرویز الٰہی نے کم تر درجے میں یعنی دل سے برا جانا۔ دونوں نے نیکی کمائی۔ ایک نے زیادہ دوسرے نے کم!!

(انوار صبیح، لاہور)

روزنامہ جنگ لاہور: ۳۱؍جنوری ۲۰۰۵ء (مراسلہ ۷)

پتنگ بازی یا موت کا کھیل؟

میرا بیٹا بی اے کے امتحان کا پرچہ دے کر برلبِ نہر واپس آ رہا تھا کہ ایف سی کالج کے انڈر پاس کے نزدیک اس کے گلے پر ڈور پھر گئی اور وہ شدید زخمی ہو کر گر گیا۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا، اس کا بہت ہی سیریس آپریشن کرنا پڑا جو پانچ گھنٹے جاری رہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرے بیٹے کی جان بچ گئی تاہم اس کے علاج معالجہ پر میری تمام جمع پونجی خرچ ہو گئی۔ اس حادثہ کے بعد سے اب تک میرے بیٹے کی آواز بحال نہیں ہو سکی ہے اور ابھی مزید علاج باقی ہے۔ اربابِ اختیار سے درخواست ہے کہ پتنگ بازی پر پابندی عائد کی جائے، موٹی ڈور پر شیشہ لگانے والے اور کیمیکل لگانے والے اڈّے فوری طور پر بند کرائے جائیں۔ 'قاتل ڈور' کی تیاری دوسرے ممالک سے درآمد اور پاکستان میں ڈور تیار کرنے والے کارخانوں اور فیکٹریوں پر پابندی عائد کی جائے۔

ایسی مؤثر قانون سازی کی جائے کہ گڈی ڈور بنانے والے اور فروخت کرنے والے اور پتنگ اُڑانے

والے اس قانون کی گرفت میں آسکیں۔ خلاف ورزی پر کڑی سزائیں مقرر کی جائیں تاکہ گڈی ڈور بنانے، فروخت کرنے اور پتنگ بازی کرنے والوں کی حوصلہ شکنی ہو اور شہریوں کی جان و مال محفوظ رہ سکے۔

(شہزاد احمد شیخ، وسن پورہ لاہور)

....

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۳؍فروری ۲۰۰۴ء (اشتہار)

موسم خزاں میں جشن بہاراں؟ لمحہ فکریہ!

بسنت ......ایک خونی کھیل

آج جبکہ دشمنانِ پاکستان مختلف حیلوں بہانوں سے پاکستان کو اس کے ایٹمی پروگرام سے محروم کرنے اور اس کی سالمیت پر کاری ضرب لگانے پر تلے ہوئے ہیں اور امریکی دباؤ کے زیر اثر ہم اپنے قومی مفادات کو یکے بعد دیگرے اپنے ہاتھوں قربان کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ گویا قومی اعتبار سے ہم مایوسی، بددلی اور شدید ذہنی اضطراب کے بدترین موسم خزاں سے گزر رہے ہیں، یہ بات نہایت افسوس ناک ہے کہ ہم ایک زندہ قوم کی طرح حقائق کا سامنا کرنے اور بحرانوں اور مشکلات سے نمٹنے کی ٹھوس حکمت عملی تیار کرنے کی بجائے حکومتی سرپرستی میں جشن بہاراں اور ایک ہندوانہ تہوار بسنت منانے کی تیاریاں کررہے ہیں ......کیا تجربات نے ثابت نہیں کیا کہ پتنگ بازی ایک خونی کھیل ہے! پتنگ کی قاتل ڈور کتنی ہی سہاگنوں کو بیوہ کرنے کا باعث بن چکی ہے، بے شمار بچے یتیم ہوچکے ہیں اور کتنے ہی والدین اپنے بچوں کی ہلاکت کے روح فرسا عذاب سے گزر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں بجلی کی ٹرپنگ سے واپڈا اور صنعتی اداروں کا اربوں روپے کا نقصان ہوچکا ہے۔

ہماری حکومت سے پرزور اپیل ہے کہ وہ نہ صرف پتنگ بازی پر مکمل اور مستقل پابندی عائد کرے بلکہ جشن بہاراں منانے کی بجائے قوم کو اجتماعی توبہ کی طرف متوجہ کرے اور پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور شریعت کے نفاذ پر کمربستہ ہوجائے۔

امریکہ اور عالمی طاقتوں کے مقابلے میں کائنات کی عظیم ترین طاقت، یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد کے حصول کا یہی واحد راستہ ہے۔ (تنظیم اسلامی حلقہ لاہور، ۳؍ریواز گارڈن لاہور)

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۴ فروری ۲۰۰۴ء (اشتہار)

بسنت کا تہوار کیا ہے؟

بسنت کو صرف کھیل اور آمد موسم بہار کی نوید قرار دینے والوں کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ آزادی سے پہلے تک بسنت کو ہندوانہ تہوار تصور کیا جاتا تھا۔ شہر لاہور میں بسنت کو بطورِ تہوار منانے کا آغاز تقریباً اڑھائی سو سال پہلے ۱۷۴۷ء میں ایک گستاخِ رسول ہندو 'حقیقت رائے' کی سمادھی (ہندوؤں کی ہڈیاں دفن کرنے کی جگہ) پر ہندوؤں کے پیلے رنگ کے کپڑے پہن کر حاضری دینے سے ہوا۔ چنانچہ ایک مسلمان مؤرخ سید عبداللطیف اور ایک ہندو مورخ ڈاکٹر بی ایس نجار کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ سیالکوٹ کا ایک ہندو نوجوان حقیقت رائے اس وقت کے رواج کے مطابق مسلمانوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرتا تھا۔ اس کا مسلمان لڑکوں کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ مشتعل ہو کر اس بدبخت ہندو نے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے۔ اس گستاخی پر گرفتار ہوا اور عدالت نے جرم ثابت ہونے پر سزائے موت سنائی۔ غیر مسلموں نے سزا ختم کرانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔ اس وقت کے پنجاب کے غیر مند مسلمان گورنر نواب بہادر (یا بقول ڈاکٹر بی ایس نجار) نواب زکریا نے کفار کا مطالبہ ردّ کرتے ہوئے اس ہندو گستاخ کی سزائے موت کی توثیق کردی۔ پہلے اس کو کوڑے مارے گئے پھر سر قلم کر دیا گیا۔

ہندوؤں کے نزدیک حقیقت رائے نے ہندو دھرم اور اپنے اوتاروں کے لئے قربانی دی تھی، اس لئے اُنہوں نے اسے اپنا ہیرو قرار دیا اور اس کی یاد منانے کے لئے رنگ بکھیرا، پتنگ بازی کی اور اس تہوار کا نام بسنت رکھا۔ پھر ایک ہندو سرمایہ دار کالورام نے اس کی یاد قائم رکھنے کے لئے اس کی سمادھی پر مندر تعمیر کرایا اور اس پر بسنت میلے کا آغاز کر دیا۔ شہر لاہور کی مشرقی جانب کوٹ خواجہ سعید (کھوجے شاہی) میں اب بھی قبرستان کے ساتھ اس کی یادگار موجود ہے۔ (بحوالہ تاریخ لاہور صفحہ ۳۲۴ از سید عبداللطیف و بحوالہ 'پنجاب آخری مغل دور میں' صفحہ ۲۷۹ از ہندو مؤرخ ڈاکٹر بی ایس نجار)

گستاخِ رسول ہندو کا دن بسنت منانے والے مسلمانو! قیامت کے روز حضور ﷺ کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ تمہیں حضور کی شفاعت کیسے نصیب ہوگی؟

(جمعیت اشاعۃ التوحید والسنہ، حلقہ مسجد شہداء، لاہور)

روزنامہ 'نوائے وقت' مؤرخہ ۱۶ رجنوری ۲۰۰۴ء

'عرض کیا ہے!' از ریاض الرحمٰن ساغر

بسنت، میاں عامر اور صوبائی حکومت

بسنت شہر میں بن کر عذاب آئے گی
چھتوں پہ یہ رُت مست شباب آئے گی
ہوا چلے گی نشیلی شباب مہکیں گے
کباب کھانے سے پہلے شراب آئے گی
اب اس کی لاکھ مذمت کریں میاں عامر
اسے تو آنا ہے ، خانہ خراب آئے گی
اُداس گوشے بھی سب ہوٹلوں کے بک ہونگے
جواں جسم بھی سب بلبلوں کے بک ہونگے
رَچے گی ہر سو حسین آنچلوں کی خوشبو بھی
بکے گی مجروں میں سب کوئلوں کی کوکو بھی
کٹیں گی گردنیں بچوں کی مائیں روئیں گی
چڑیلیں رات کو جاگیں ، دن کو سوئیں گی
حیا ہے آنکھ میں جن کی گھروں میں دبکیں گے
کوئی بھی چھت پہ نہ عزت مآب آئے گی
عذاب دوستو اِک دن کا ہو تو ہم سہ لیں
یہ چار دن کا تماشا بھی ہو تو چپ رہ لیں
یہاں تو دیکھنا ، پورا مہینہ کیا ہوگا
ہے فروری میں جو جینا ، تو جینا کیا ہوگا
جو اہلیہ ہیں گورنر کی ، شاعرہ بھی ہیں
سنا ہے نیک صفت اور با حیا بھی ہیں
انھی سے اب تو گزارش ہے گر کریں وہ قبول
رہے بسنت پہ پابندی حکم دیں مقبول
وگرنہ اک تھی آندھی جناب آئے گی
تمام شہر کو ماتم کدہ بنائے گی

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۴؍فروری ۲۰۰۴ء

'بسنت'

بسنت آئی ہے، دونوں چمن میں چلتے ہیں
یہی وہ رُت ہے، گھروں سے سبھی نکلتے ہیں
یہ راز کیا ہے کسی کو خبر نہیں اس کی
بسنت آئے تو سینوں میں دل مچلتے ہیں
کہاں نگاہ ٹھہرتی بسنت چہروں پر
جو لڑکھڑائیں قدم پھر کہاں سنبھلتے ہیں
یہی وہ رُت ہے، مجھے جس میں چھوڑنا مشکل
بسنت میں وہ مرے ساتھ ساتھ چلتے ہیں
بسنت میں ہی نظر کامیاب ہوتی ہے
بسنت میں ہی مرے حوصلے نکلتے ہیں
مطالبہ یہ ، جواں رُت کا ٹالتے کیسے
بسنت میں وہ لبادے کئی بدلتے ہیں
دکھائی دی ہیں مجھے، رنگ رنگ پوشاکیں
بسنت رنگ میں، سارے حسیں ڈھلتے ہیں
نہ گل رخوں کی رفاقت نصیب ہو جن کو
بسنت میں بھی ، وہ بدبخت ہاتھ ملتے ہیں
بسنت میں انہیں 'گل رنگ' سے شغف لیکن
سنا ہے نام سے آغاز کے وہ تو جلتے ہیں

(آفتاب اسلام آغا)

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۱۶؍فروری ۲۰۰۴ء عرض کیا ہے!' از ریاض الرحمٰن ساغر

رُت بسنتی...... فاقہ مستی!

شور و ہنگامہ ایسا رہا رات بھر
حادثوں کی رہی نہ کسی کو خبر
میٹھی نیندوں کے پر روشنی میں جلے
رقص ابلیس جاری رہا شب ڈھلے
زندگی سوچتی تھی یہ کیا لوگ ہیں
نرم و آسودہ روحوں کا یہ روگ ہیں
چند لوگوں کی یہ رسم بے ہودگی
لوٹ لیتی ہے لاکھوں کی آسودگی
پہلے جی بھر کے کیں عید کی چھٹیاں
اب کئی روز ہوگا بسنتی سماں
لوگ ہفتے کے دن دفتروں میں نہ تھے
اور پھر رات بھر وہ چھتوں پہ رہے
رات بھر ناچ کر ، صبح سوتے رہے
چڑھ گئے پھر چھتوں پر جو سو کر اُٹھے
روز اتوار بو کاٹا میں کھو گیا
ہوئے بے سُدھ تو جوشِ جنوں سوگیا
پیر کو دفتروں میں نہ یہ آئیں گے
کام لوگوں کے ہونے سے رہ جائیں گے
ان دنوں میں جو زخمی ہوئے سینکڑوں
کچھ مرے ، باقی مر کے جئے سینکڑوں
جو پتنگیں ہیں کھمبوں میں اٹکی ہوئی
مرنے والوں کی روحیں ہیں بھٹکی ہوئی
ہم تھے کیا لوگ ؟ اور آج کیا ہوگئے
سچے جذبے ہمارے فنا ہوگئے
قرض کی قسط مشکل سے اُتری تھی اک
اور کروڑوں روپے پھر ہوا ہوگئے!!

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۱۱ر فروری ۲۰۰۳ء

'عرض کیا ہے!' ...... از ریاض الرحمٰن ساغر

بسنت کیا ہے؟

وہ پوچھتے ہیں بسنت کیا ہے
یہ بے حیائی کا انت کیا ہے
یہ ایک تہوار ہندوؤں کا
لہو پیا جس نے مسلموں کا
بپا چھتوں پر بسنت دیکھو
سروں سے آنچل 'اڑنت' دیکھو
چلو یہ مانا بہار آئی
وہ پھول چہروں پہ رنگ لائی
چمن کو اس نے نکھار بخشا
کلی کلی کو سنگھار بخشا!
تو ہوش کیا اب تمام کر دیں؟
کلی کو کیا نقش بام کر دیں؟
گلی گلی غل مچائیں بھنورے؟
یہ ہو تو ہنگامہ عام ہو گا
ہمارا پھر کیا مقام ہو گا
یہ وقت و زر کا زیاں ہے پیارو
یہ جان لیوا سماں ہے یارو
ہماری غیرت کی موت ہے یہ
وقارِ ملت کی موت ہے یہ
یہ جشن مرگ وقار کب تک؟
یہ شور و غل دل فگار کب تک؟

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۱۸ر فروری ۲۰۰۳ء

جشن بہاراں

پروفیسر عبدالرزاق

فصل گل جشن بہاراں ناؤ و نوش
فرصت عیش است بابر خوش کوش
شاہدانِ شوخ و شنگ از بام چشم
مرگِ نوشادی بہ مرد دل فروش
داغ شواز رشک ای برگِ حشیش
رقص پنجاب① ربایدعقل و ہوش
بادہ مستی علاج فقر قوم
پند حافظ② ایں چنیں آمد بگوش
سادہ لوحاں را بنام ملک و قوم
دفن باید کرد اندر ناؤ نوش
مرحبا اے روحِ قائدؒ شادباش
نونہال③ تو رسیدہ تا بہ دوش
حکم حاکم فتویٰ④ ملائے شہر
خوش صلائے عیش کوشی از سروش
در چنیں غوغا و شور دار و گیر
نہ شنود کس حافظا کم تر خروش

---

① پنجابی زبان وادب کا شاہکار قومی نغمہ 'نچ پنجابن نچ' جو ہمارے ٹی وی کے پروگرام کی رذالت کی انتہا ہے۔
② حافظ کا شعر: ہنگام تنگ دستی در بادہ کوش و مستی ......الخ
③ پاکستانی قوم کا پودا جواب بھرپور جوان ہو چکا ہے
④ جشن بہاراں کی سرکاری سرپرستی

روزنامہ 'نوائے وقت' مؤرخہ ۱۶/فروری ۲۰۰۳ء

ویلنٹائن ڈے

مظفر وارثی

اپنی عزت بیچ کر کھانے لگی
دوسروں پر ناز فرمانے لگی
کیا ارادہ ہے ہماری قوم کا
ہر برائی کی طرف جانے لگی

....

'بسنت عید'

مظفر وارثی

اپنے اندر ڈاکہ ماریں لوٹیں کمائی اپنی
ہندو کا تہوار منائیں اپنے دین سے بھاگیں
کیا اپنے احساس کو ہم نے بالکل مار دیا ہے
عیدوں کے دن سو کر کاٹیں بسنت رات کو جاگیں

....

روزنامہ 'نوائے وقت': ۳۰/جنوری ۲۰۰۵ء

بسنت

مظفر وارثی

سونا چاندی سمجھ رہے ہیں ہم مٹی کے ڈھیلے کو
روکنے کی کوشش ہی نہیں کرتے بحران کے ریلے کو
ہندوؤں کا تہوار منایا جائے نہ کیوں بے خوفی سے ؟
حکومتی سرپرستیاں حاصل ہیں بسنت میلے کو !

⑥ بسنت کے خلاف عوامی ردّعمل، مظاہرے

روزنامہ 'جنگ' مؤرخہ ۲۶ /جنوری ۲۰۰۴ء

'اینٹی کائٹ فلائنگ ڈیموکریٹک فرنٹ' کا پتنگ بازی کے خلاف مظاہرہ

حکومت فوری طور پر پتنگ بازی پر پابندی لگائے، اجازت آئین کی دفعہ ۹ کی خلاف ورزی ہے۔ مظاہرین

لاہور (پ ر) اینٹی کائٹ فلائنگ ڈیموکریٹک فرنٹ نے کوٹ خواجہ سعید میں مندر کالو رام کے قریب پتنگ بازی اور بسنت کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ ایک آرڈیننس کے ذریعے پتنگ بازی پر فوراً مستقل پابندی عائد کریں۔

مظاہرہ کی قیادت اینٹی کائٹ فلائنگ ڈیموکریٹک فرنٹ کے چیئرمین خواجہ اظہر امرتسری، پیر افضل شاہ، محمد عالم بھٹی، مارٹن جاوید مائیکل، رانا عبید الرشید، ملک مشتاق نمبردار، میاں محمد منیر، ملک عطا نواز، ڈاکٹر ظہور، خرم مرتضیٰ، شیخ محمد امین قادری، میاں محمد اعظم مرشد رانا محمد امین نے کی۔

مظاہرہ سے خطاب کرتے ہوئے خواجہ اظہار امرتسری نے کہا کہ وطن عزیز کے آئین کے آرٹیکل ۹ میں یہ واضح درج ہے اور شہری آزادی کی ضمانت دی گئی ہے کہ ملک کے کسی بھی شہری کو جان اور آزادی سے محروم نہیں کیا جاسکتا، ماسوائے قانونی تقاضوں کو پورا کرکے...... لیکن حکومت پتنگ بازی کی اجازت دے کر لوگوں کی آزادی اور جان کو خطرہ میں ڈال رہی ہے جو آئین اور قانون کی خلاف ورزی ہے۔

روزنامہ 'جنگ' مؤرخہ ۲۶ /جنوری ۲۰۰۴ء

شبابِ ملی ۳۰ جنوری کو پتنگ بازی کے خلاف ریفرنڈم کروائے گی!

لاہور (پ ر) شبابِ ملی لاہور کی یونین کونسل کے صدور کا اجلاس گذشتہ روز دفتر جماعت اسلامی لٹن روڈ پر صدر احمد سلمان بلوچ کی زیر صدارت ہوا جس میں انہوں نے کہا کہ شباب ملی شہر لاہور میں تعلیمی اداروں، بازاروں، مساجد، چوکوں اور پبلک مقامات و رہائشی علاقوں میں پتنگ بازی کے خلاف ۳۰ جنوری کو قومی ریفرنڈم کرائے گی جس کے نتائج کا اعلان ۳۱ جنوری کو متحدہ مجلس عمل لاہور کے صدر میاں مقصود احمد کریں گے۔ تقریب سے ملک جہانگیر بارا نے کہا کہ شباب ملی جشن بہاراں کے نام پر کسی قسم کی فحاشی وعریانی کی تقریبات کو ہرگز برداشت نہیں کرے گی۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۲۶؍جنوری ۲۰۰۴ء

دھاتی ڈور سے نوجوان تڑپ تڑپ کر ہلاک، اہل علاقہ کا مظاہرہ

۱۷ سالہ ناصر جاوید کرنٹ لگتے ہی چھت سے زمین پر آ گرا

لاش دیکھتے ہی والدہ پر سکتہ طاری ہوگیا، بہن کی حکومت کو بددعائیں

لاہور (کرائم رپورٹر) عبدالکریم روڈ قلعہ گجر سنگھ میں ۱۷ سالہ نوجوان ناصر جاوید گھر کی چھت پر کٹی پتنگ کی دھاتی ڈور کے باعث کرنٹ لگنے سے موقع پر ہی تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہوگیا۔ متوفی کے لواحقین اور اہل علاقہ اس واقعہ کے بعد سراپا احتجاج بن گئے اور پتنگ بازی پر پابندی ہٹانے پر پنجاب اور ضلعی حکومت کے خلاف مظاہرہ کیا اور ناصر جاوید کی موت کا ذمہ دار حکومت کو ٹھہرایا۔ بتایا گیا کہ باورچی کا کام کرنے والے عبدالکریم روڈ کے رہائشی جاوید احمد کا ۱۷ سالہ بیٹا ناصر جاوید گارمنٹس کی دکان پر سیلز مین تھا۔ گذشتہ روز متوفی ناصر جاوید اپنے گھر کی چھت پر کھڑا تھا کہ اچانک کٹی پتنگ کی ڈور ناصر جاوید پر آ گری۔

ناصر جاوید نے ڈور ہاتھ سے ہٹانی چاہی، لیکن کٹی پتنگ کا اگلا حصہ گھر کے قریب لگی بجلی کی مین تاروں پر جا گرا، پتنگ کی دھاتی تار کے باعث زور دار دھماکہ ہوا اور ناصر جاوید زور دار کرنٹ لگنے سے زمین پر آ گرا اور موقع پر ہی تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہوگیا۔ کرنٹ لگنے سے متوفی کا جسم متعدد جگہوں پر بری طرح جھلس گیا، منہ کے بل زمین پر گرنے کے باعث ناصر جاوید کے چہرے پر بھی چوٹیں آئیں، متوفی کے جسم کا خون جمنے کے باعث ناصر جاوید کا رنگ کالا ہوگیا، متوفی کے بھائیوں نے فوری طور پر والدہ ریحانہ کو اطلاع کی، لاش دیکھتے ہی والدہ پر سکتہ طاری ہوگیا۔

متوفی ۶ بھائیوں اور ایک شادی شدہ بہن میں چوتھے نمبر پر تھا۔ متوفی کا ایک بھائی عامر جاوید کاروبار کے سلسلہ میں شارجہ میں مقیم ہے۔ متوفی کی موت پر اہل خانہ اکٹھے ہوگئے اور پتنگ بازی کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا۔ متوفی ناصر جاوید کے غمزدہ والد جاوید احمد نے بتایا کہ پہلے پتنگ بازی پر پابندی تھی تو انسانی جانیں محفوظ تھیں، لیکن اب پابندی ختم ہونے کے بعد آئے روز کسی کی شہ رگ کٹنے، چھتوں سے گرنے اور دھاتی تار سے کرنٹ لگنے کے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ متوفی کی والدہ ریحانہ اور بہن نے بین کرتے ہوئے حکومت کو بددعائیں دیں۔ اس موقع پر رقت آمیز مناظر دیکھنے کو ملے، متوفی ناصر جاوید کی بہن بھائی کی لاش سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر روتی رہی، یہ منظر دیکھ کر ہر آنکھ پرنم ہوگئی۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: مؤرخہ ۲۶/جنوری ۲۰۰۴ء

دھاتی تار والی پتنگ پکڑتے ہوئے نوجوان کرنٹ لگنے سے ہلاک، احتجاجی مظاہرہ

پورے لاہور میں چھٹی کے روز ٹرپنگ۔ پتنگ بازی بند کرائی جائے۔ (مظاہرین)

عبدالکریم روڈ پر سیلز مین ناصر جاوید گھر کی چھت پر پتنگ لوٹتے بجلی کا جھٹکا لگنے سے دم توڑ گیا،

لاہور (نمائندہ خصوصی + کامرس رپورٹر) عبدالکریم روڈ قلعہ گجر سنگھ میں آہنی تار والی پتنگ لوٹتے ہوئے ۲۰ سالہ ناصر جاوید کرنٹ لگنے سے جاں بحق ہوگیا۔ اس افسوسناک موت نے گھر میں ایک کہرام برپا کردیا اور اہل محلّہ سراپا احتجاج بن گئے۔ انہوں نے حکومت اور واپڈا کے خلاف نعرے بازی کی۔ ناصر جاوید پنورama سنٹر میں سیلز مین تھا اور اس کا والد محمد جاوید باورچی ہے۔ اتوار کو چھٹی تھی اور ناصر جاوید اپنے دومنزلہ گھر کی چھت پر کھڑا تھا۔ اسی اثنا میں ایک پتنگ کٹ کر ہوا میں تیرتی آئی۔ اس پتنگ کے ساتھ دھاتی تار لگی تھی۔ ناصر جاوید نے یہ پتنگ لوٹنے کے لئے دھاتی تار والا دھاگہ تھام لیا۔ پتنگ ہائی وولٹیج کے بجلی کے تاروں پر جاگری جس سے زوردار دھماکہ ہوا اور جاوید ناصر کو کرنٹ لگا اور وہ جھلس گیا اور وہیں تڑپ تڑپ کر دم توڑ گیا۔ اس کے بہن بھائی دھاڑیں مار کے روتے رہے۔ لوگوں نے اس واقعے کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ پتنگ بازی پر پابندی عائد کی جائے۔

دریں اثنا فیروز پور روڈ پر ایک موٹر سائیکل سوار سکندر اکرام کی گردن ڈور کی زد میں آکر کٹ گئی۔ گلے سے خون کا فوارہ ابل پڑا اسے ہسپتال داخل کرا دیا گیا ہے۔ زخمی مغلپورہ کا رہائشی تھا اور کسی کام سے موٹر سائیکل کا سفر کر رہا تھا۔

کامرس رپورٹر کے مطابق صوبائی دارالحکومت میں اتوار کو پتنگ بازی سے شہر کے مختلف علاقوں میں ۲ سے ۳ گھنٹے تک طویل بجلی کی ۱۶ بریک ڈاؤن ہوئے جبکہ ٹرانسمیشن لائنوں سے پتنگ کی تندی اور ڈور ٹکرانے سے بجلی کی چھوٹی ٹرپنگ کی تعداد ۵۰۰ تک پہنچ گئی ہے جو پابندی اٹھائے جانے سے قبل اتوار کے روز ۷۰ سے ۸۰ رہی تھی۔ علاوہ ازیں پتنگ بازی سے عصر اور مغرب کی نماز اوقات کے دوران کئی علاقوں میں بجلی کے ساتھ ساتھ پانی بھی بند ہوگیا۔ اس طرح کئی شہری 'نوائے وقت' فون کرکے پتنگ بازی کے باعث بجلی کی بندش کے خلاف احتجاج کرتے رہے۔

لاہور الیکٹرک سپلائی کمپنی (لیسکو) کے ذرائع کے مطابق گذشتہ روز موچی گیٹ، چوبرجی، شالامار ٹاؤن، فتح گڑھ، کینال کالونی، غازی آباد اور مصری شاہ کے علاقوں میں بجلی کے ڈیڑھ سے ۳ گھنٹے طویل بریک ڈاؤن ہوئے۔ جبکہ بھاٹی گیٹ، شملہ پہاڑی، گڑھی شاہو، فیصل پارک، رام گڑھ، سبزہ زار سمیت متعدد علاقوں میں بار بار ٹرپنگ ہوتی رہی ہے۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۲۹/جنوری ۲۰۰۵ء

بسنت کے خلاف پرسوں احتجاجی مظاہرہ ہوگا

لاہور (پ ر) 'اینٹی کائٹ فلائنگ ڈیموکریٹک فرنٹ' کے زیراہتمام ۳۱/جنوری پیر کو چار بجے شام پاکستانی ٹیلی ویژن سنٹر ایبٹ روڈ، لاہور کے بالمقابل پتنگ بازی اور بسنت میلہ کے خلاف احتجاجی مظاہرہ ہوگا۔

....

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: یکم فروری ۲۰۰۵ء

بسنت کے خلاف مظاہرہ کریں گے! صدر لاہور کائٹ فلائرز ایسوسی ایشن

لاہور (پ ر) 'لاہور کائٹ فلائرز ایسوسی ایشن' کے صدر عبدالرؤف خلجی نے کہا ہے کہ ہم بسنت کا تہوار نہ منانے کے فیصلے پر قائم ہیں۔ اس سلسلے میں دریائے راوی پر ایک بہت بڑا مظاہرہ کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ سونامی کے زلزلہ کی وجہ سے ہونے والے نقصانات پر اور اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب کی وجہ سے پریشان ہیں۔ ہم کہتے ہیں اس طرح کی فضول قسم کی رسموں سے نکل کر قرآن کی روشنی میں زندگی گزارنی چاہیے!!

⑦ بسنت کے خلاف دینی وسیاسی جماعتوں کا ردّعمل

روزنامہ 'جنگ' مؤرخہ ۲۶؍جنوری ۲۰۰۴ء

پتنگ بازی اور پتنگ سازی دونوں معاشرتی ناسور ہیں (شفقت پاندہ)

لاہور (پ ر) پاکستان مسلم لیگ (ن) کے رہنما شفقت حسنین پاندہ نے کہا ہے کہ پتنگ بازی اور پتنگ سازی دونوں ہی معاشرتی ناسور ہیں۔ گذشتہ روز اپنے ایک بیان میں اُنہوں نے کہا کہ پتنگ بازی سے ہر سال قیمتی جانیں ضائع اور ہزاروں افراد زخمی ہوتے ہیں، دھاتی تار سے لے کر کیمیکل ڈور کی تباہ کاریاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر پتنگ سازی اور پتنگ فروشی سے وابستہ چند خاندان اپنے روزگار کا رونا روتے ہیں تو پھر کل کلاں چوری چکاری، قتل و غارت گری اور جسم فروشی سے وابستہ افراد بھی اپنے اپنے پیشے کو روزگار کا وسیلہ قرار دے سکتے ہیں۔

روزنامہ 'جنگ' مؤرخہ ۲۶؍جنوری ۲۰۰۴ء

شہریوں کی ہلاکت کے ذمہ دار پتنگ بازی کی اجازت دینے والے ہیں۔ (فرید پراچہ)

لاہور (پ ر) پتنگ بازی کی اجازت دینے والے حکمران بے گناہ شہریوں کی ہلاکت کے بالواسطہ ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کشمیر میں معصوم بچوں کو ذبح کیا جارہا ہے جب کہ بسنت کے نام پر بھارتی ثقافتی طائفوں کو بلایا جارہا ہے۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۵؍فروری ۲۰۰۴ء

واپڈا کا نقصان پتنگ بازوں سے پورا کیا جائے۔ (مجلس عمل)

ملٹی نیشنل کمپنیاں ہماری نوجوان نسل کی اخلاقی اقدار کا جنازہ نکالنے پر تلی ہوئی ہیں۔

لاہو (پ ر) پوری دنیا میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کو حکومتیں اتنی آزادی نہیں دیتیں کہ وہ کسی ملک کی حکومت کو اپنے کنٹرول میں کرلیں، لیکن یہاں ملٹی نیشنل کمپنیاں جشن بہاراں، پتنگ بازی اور ویلنٹائن ڈے جیسے غیر شرعی، تہواروں پر کھلا پیسہ خرچ کرکے اپنے کاروبار کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ ہماری نوجوان نسل کی اخلاقی اقدار کا جنازہ نکالنے پر تلی ہوئی ہیں۔ ان خیالات کا اظہار متحدہ مجلس عمل ضلع لاہور کے رہنماؤں میاں مقصود احمد، ملک بشیر احمد نظامی، مولانا خلیل الرحمٰن حقانی، قاری عبدالرحمٰن نورانی، امتیاز احمد ایڈووکیٹ، فاروق چوہان

اورظہیرالدین بابر یڈووکیٹ نے ایک بیان میں کیا۔انہوں نے کہا کہ پتنگ بازی کی وجہ سے واپڈا کو ہونے والے نقصان کو اگر بجلی کے بلوں کی صورت میں غریب عوام سے پورا کرنے کی کوشش کی گئی تو عوام ایسے بلوں کو مسترد کردیں گے۔اُنہوں نے کہا کہ ہم حکومت کو متنبہ کرتے ہیں وہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کو کنٹرول میں کریں اور ان کے ہاتھوں یرغمال نہ بنے اور پتنگ بازی پر پابندی لگا دے ورنہ حکومت کے خلاف اس مسئلے پر زور دار تحریک چلائی جائے گی۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۵رفروری ۲۰۰۴ء

پتنگ بازی سے ہلاک ہونے والوں کا مقدمہ اجازت دینے والوں کے خلاف درج کرائیں گے۔

بسنت اورجشن بہاراں کے نام پرقوم میں بزدلی پیدا کی جارہی ہے۔(جمعیت علماء پاکستان)

لاہور (پ ر) جمعیت علماء پاکستان پنجاب کے جنرل سیکرٹری اور متحدہ مجلس عمل کے صوبائی رہنما قاری زوار بہادر نے کہا ہے کہ پتنگ بازی سے ہونے والا نقصان عوام کی بجائے حکمرانوں سے پورا کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ جتنے افراد پتنگ بازی کی وجہ سے ہلاک یا معذور ہوں گے، ان کی ایف آئی آر پتنگ بازی کی اجازت دینے والے حکمرانوں کے خلاف کٹوائی جائے گی۔انہوں نے کہا کہ پتنگ بازی اور بسنت کے نام پرقوم میں بزدلی پیدا کی جارہی ہے تاکہ ایٹمی پروگرام رول بیک کرنے، کشمیر پر پسپائی، بھارت سے دوستی اور جہاد کے خلاف مہم میں حکمرانوں کے راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ان خیالات کا اظہار انہوں نے حج بیت اللہ سے واپسی پراپنے اعزاز میں دیے گئے ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔تقریب سے ایم اے مہر، ایم اے ضیاء چودھری، رشید احمد رضوی، ڈاکٹر اشرف، جی ایم چودھری، اشتیاق احمد نورانی، حافظ طالب حسین اور دیگر رہنماؤں نے بھی خطاب کیا۔

قاری زوار بہادر نے کہا کہ اسلام کی تعلیمات شجاعت، بہادری، امانت، سخاوت شرم وحیا سے عبارت ہیں، جبکہ موجودہ حکومت اسلامی اخلاق کی دھجیاں بکھیری رہی ہے۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۵رفروری ۲۰۰۴ء

انڈیا میں ویلنٹائن ڈے کی مخالفت؛ تنظیموں کی متعدد شہروں میں توڑ پھوڑ

نئی دہلی (اے پی) بھارت میں ویلنٹائن ڈے کے موقع پر قدامت پسند ہندو تنظیموں نے اس دن کو منانے کی مخالفت کرتے ہوئے متعدد شہروں میں توڑ پھوڑ کی۔ کانپور میں مظاہرین نے ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے جوڑوں کو زبردستی نکال دیا اور فرنیچر توڑ دیا۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۵/فروری ۲۰۰۴ء

بسنت منانیوالے شریعتِ اسلامیہ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔فہم قرآن تحریک

لاہور (پ ر) بسنت منانے والے نہ صرف شریعتِ اسلامیہ کا مذاق اڑا رہے ہیں بلکہ وہ دوقومی نظریہ کی بھی دھجیاں اُڑا رہے ہیں۔ پوری قوم کے مطالبہ پر بسنت پہ پابندی لگوائی گئی تھی تاکہ لوگوں کے اموال اور قیمتی جانوں کا ضیاع روکا جاسکے لیکن افسوس کہ نام نہاد اسلامی حکمرانوں نے پابندی ختم کر کے عیاش لوگوں کومال اور قیمتی جانوں کے ضیاع کا موقع فراہم کردیا۔ ان خیالات کا اظہار فہم قرآن تحریک ثاقب شہید (ٹرسٹ) کے چیئرمین قاری ثناء الرحمٰن کوکب (برادر ثاقب شہید) نے فہم قرآن کلاس کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ بسنت منانے والے صرف شریعتِ اسلامیہ کا ہی مذاق نہیں اُڑا رہے بلکہ وہ دوقومی نظریے کی بھی دھجیاں اُڑا رہے ہیں۔انہوں نے کہا کہ حکومت بتائے کہ اس ہندوانہ تہوار کو مناتے ہوئے جو قیمتی جانیں ضائع ہوں گی ان کا خون کس کے ہاتھ تلاش کیا جائے گا۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۶/فروری ۲۰۰۴ء

بسنت پر حکومت فائرنگ اور ناچ گانا بند کرانے میں ناکام رہی: جے یو آئی

بجلی کا انتہائی نقصان ہوا، واپڈا تمام نقصان حکومت سے وصول کرے: دیگر علما کا ردعمل

لاہور (نمائندۂ جنگ) جے یو آئی اور ایم ایم اے کے رہنما مولانا محمد امجد خان نے کہا کہ بسنت کے موقع پر حکومت فائرنگ رقص اور گانوں کی ریکارڈنگ روکنے میں بری طرح ناکام رہی۔ جے یو آئی کے مختلف رہنماؤں مولانا میاں عبدالرحمٰن، حافظ محمود اشرف، قاری نذیر احمد قاری عبدالغفار، قاری مشتاق احمد، حافظ اشرف گجر اور دیگر نے کہا ہے کہ بسنت کے موقع پر بجلی کا نقصان انتہائی درجے کا ہوا ہے۔انہوں نے کہا کہ واپڈا کو چاہئے کہ وہ بجلی کے نقصان پر حکومت سے ہرجانہ وصول کرے۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۶/فروری ۲۰۰۴ء

جے یو پی نے بسنت 'یوم مردہ دلی' کے طور پر منائی

لاہور (نمائندہ جنگ) جمعیت علمائے پاکستان نے بسنت کو 'یوم مردہ دلی' کے طور پر منایا۔مختلف مقامات پر پروگرام منعقد کیے گئے۔ ضلعی دفتر میں مجلس مذاکرہ ہوا۔مقررین نے کہا کہ ہندوانہ تہوار کو سرکاری سرپرستی میں منایا جانا پاکستانیوں کی تنزلی کی علامت ہے۔حکمران اور عوام ذہنی طور پر مردہ ہوچکے ہیں،قوم کے اندر اچھے برے کی تمیز کا احساس مرچکا ہے کہ جس تہوار کو ہم اربوں روپے خرچ کرکے منا رہے ہیں، اس سے ہمیں یا ہمارے ملک وقوم کو کچھ فائدہ بھی ہورہا ہے؟

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۶/فروری ۲۰۰۴ء

انٹر ریلیجیس پیس کونسل کا امن پتنگ بازی کے حوالے سے مظاہرہ

لاہور (پ ر) انٹر ریلیجس پیس کونسل انٹرنیشنل کے زیراہتمام گذشتہ روز پریس کلب کے باہر 'امن پتنگ بازی' کے حوالے سے مظاہرہ ہوا جس میں تمام مذہب کے نمائندوں نے شرکت کی۔ مظاہرے کی قیادت کونسل کی چیئرپرسن جیکولین نے کی۔ مظاہرے کے دیگر شرکاء میں از طرف امریکہ جرار مصطفیٰ بخاری، از طرف لندن ایم آر مرزا، بیرونِ ملک سے گوپال سنگھ چاؤلہ، کلیان سنگھ، ارون سنگھ، ڈاکٹر گلاب سنگھ شاہین، ڈاکٹر منور چند، کونسل کے نائب چیئرمین احمد علی چودھری، جنرل سیکرٹری ڈاکٹر امجد حسین چشتی، صدر پنجاب رانا افتخار، سینئر نائب صدر ملتان زون ڈاکٹر اعجاز احمد صدیقی، ملک عارف اور سیالکوٹ زون سے افتخار الحق نے شرکت کی۔ امن پسند مظاہرین نے پلے کارڈز کی بجائے امن پتنگیں اٹھا رکھی تھیں جن پر امن اور محبت کے حوالے سے پیغامات تحریر تھے۔ امن پتنگ بازی کا پیغام 'محبت سب کے لئے؛ نفرت کسی سے نہیں' تھا۔ امن پتنگ مظاہرے میں شریک ننھے منے بچوں نے گلدستے اُٹھا اور امن کی شمعیں جلا رکھی تھیں۔

⑧ عیاشیاں عذابِ الٰہی کو دعوت دیتی ہیں!

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۶رفروری ۲۰۰۴ء

بھارت میں پتنگ بازی کیلئے دریا پار جانے والے ۱۷رافراد ڈوب گئے

حادثہ ہندوؤں کے مقدس شہر کے قریب پکنک منانے کے بعد واپسی پر پیش آیا۔

لکھنؤ (اے پی) دریائے گنگا کے دوسرے کنارے پکنک اور بسنت منانے کے لئے جانے والے دیہاتیوں میں سے ۱۷رافراد ڈوب گئے۔ پولیس کے مطابق لکھنؤ سے ۳۰۰ کلومیٹر دور ہندوؤں کے مقدس ترین شہر واراناس کے قریب یہ لوگ پورا دن پکنک منانے اور پتنگ بازی کرنے کیلئے گئے تھے۔ واپسی پر کشتی میں ۲۷رافراد سوار تھے جس کے ڈوبنے سے ۱۷رافراد ہلاک ہوگئے، جبکہ ۱۰رافراد بچنے میں کامیاب ہوگئے۔

روزنامہ 'جنگ' لاہور: مؤرخہ ۱۶رفروری ۲۰۰۴ء

زلزلہ عذابِ الٰہی ہے، قوم اللہ سے معافی مانگے۔ عبدالغفار روپڑی

لاہور (پ ر) زلزلہ عذابِ الٰہی ہے، پوری قوم اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔ جشن بہاراں کے نام پر فحاشی و عریانی کو فروغ مل رہا ہے۔ ان خیالات کا اظہار جماعت اہلحدیث پاکستان کے نائب امیر حافظ عبدالغفار روپڑی نے جامعہ اہلحدیث لاہور میں کیا۔

اُنہوں نے کہا کہ مسلمان قوم کی تمام اقوامِ عالم سے الگ اپنی تہذیب و ثقافت ہے۔ نئی نسل اپنی تہذیب و ثقافت کو نظر انداز کر کے غیر مسلموں کی تہذیب کو اپنا کر اپنے مستقبل کو تباہ کر رہی ہے۔ پتنگ بازی کی آڑ میں منشیات، دہشت گردی اور فحاشی و عریانی کو فروغ مل رہا ہے۔

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۱۰رفروری ۲۰۰۳ء

پاکستانی آج ہندو تہوار منا کر قومی غیرت کا جنازہ نکالیں گے

آباؤ اجداد کی روحیں آج قبروں میں تڑپیں گی، سرکاری سرپرستی قابل مذمت ہے!

لاہور (پ ر) جمعیت علما پاکستان و متحدہ مجلس عمل ضلع لاہور کے رہنما قاری عبدالرحمٰن نورانی نے کہا ہے کہ پاکستانی قوم آج ہندوانہ تہوار بسنت منا کر قومی غیرت و حمیت کا جنازہ نکالے گی۔ ہندوؤں کی تہذیب و ثقافت کو اپنانے والے قوم وملت دشمن ہیں۔

مختلف جرائد ورسائل کو لکھے جانے والے خطوط کا ایک انتخاب

لاہور، ۲۵/جنوری ۲۰۰۴ء

مکرمی جناب مجید نظامی صاحب

چیف ایڈیٹر، روزنامہ 'نوائے وقت'، لاہور

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

گذشتہ چند برسوں سے ایک مخصوص طبقے نے بسنت کو ثقافتی تہوار کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ درحقیقت بسنت کے نام پر پاکستان جیسی نظریاتی ریاست میں ثقافتی لبرل ازم کی کی داغ بیل جارہی ہے۔ آپ سے زیادہ اس بات سے کون واقف ہے کہ جس انداز میں بسنت منائی جاتی ہے، اس کا نہ تو کسی تاریخ سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ہماری ثقافت اور تہذیبی اقدار اسے گوارا کرسکتی ہیں!!

مجھے یاد ہے، ۲۰۰۳ء میں بسنت کے موقع پر 'نوائے وقت' نے حسبِ معمول قوم کی فکری رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے بسنتی خرافات سے قوم کو دور رہنے کی ترغیب دی۔ اس سلسلے میں روزنامہ 'نوائے وقت' کی ۹/فروری ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں 'بسنت کیا ہے؟' کے عنوان سے تاریخی حقائق پر مبنی بے حد معلومات رپورٹ کا حوالہ دینا چاہوں گا۔ اس کو پڑھ کر ایک عام قاری کے ذہن میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا کہ بسنت واقعتاً ایک ہندوانہ تہوار ہے!!

روزنامہ 'نوائے وقت' نے 'موج میلہ مافیا' اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے گھناؤنے مقاصد کا پردہ چاک کر کے قومی خدمت کی شاندار مثال قائم کی جس کو نظریۂ پاکستان کا علمبردار ہر پاکستانی نظرِ تحسین سے دیکھتا ہے۔

۲۰۰۴ء میں ایک دفعہ پھر بسنت مافیا ثقافتی تہوار کے نام پر لہو ولعب، ہلڑ بازی اور شراب وکباب کی محفلیں سجانے کی بھرپور تیاری کر چکا ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے تعاون سے لاہور شہر کو بسنتی رنگ میں نہلانے کی منصوبے آخری مراحل میں ہیں۔ پتنگ بازی جیسے جان لیوا کھیل پر ایک ماہ کے لئے پابندی اُٹھالی گئی ہے۔ لاہور کے لاکھوں شہری، خواتین اور بچے جو بسنت کو ہندوانہ تہوار سمجھتے ہیں اور بسنت کے موقع پر ہونے والی ہلاکتوں کا تصور ہی جن کے بدن پر کپکپی طاری کردیتا ہے، ایک دفعہ پھر نوائے وقت کی طرف بے بسی سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ ان کی آرزوؤں کی ترجمانی کرتے ہوئے اس تہذیبی یلغار کے سامنے نظریاتی چٹان بن کر مقابلہ کرے۔

۱۹ر جنوری ۲۰۰۴ء کے خواتین ایڈیشن میں محترمہ رفیعہ ناہید پاشا نے اپنے مضمون میں گذشتہ تین سالوں کے دوران بسنت کے موقع پر پیش آنے والے دل خراش واقعات کی اعداد وشمار اور حقائق کی روشنی میں جو تصویر پیش کی ہے، ایک حساس قاری اسے نم ناک آنکھوں کے بغیر نہیں پڑھ سکتا۔ بسنت کے جنون کی حوصلہ شکنی کے لئے اس طرح کے مؤثر مضامین کی مسلسل اشاعت نہایت ضروری ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قومی اخبارات میں لکھنے والا ہر محبِّ وطن کالم نگار بسنت کے نقصانات کو اپنے اُسلوب میں بیان کرے تاکہ اس بے ہودہ روایت کی حوصلہ شکنی کی جاسکے۔ میں تجویز کروں گا کہ نوائے وقت میں لکھنے والا ہر دانشور ایک مضمون ضرور تحریر کرے۔ خبروں کے صفحات میں پتنگ بازی کی مخالف سماجی تنظیموں کے نمائندوں کے بیانات اوران کی سرگرمیوں کو نمایاں جگہ دی جائے۔

نوائے وقت کے ثقافتی رپورٹر اور نیوز ڈیسک کے ذمہ داران معزز شہریوں کے انٹرویوز کے ذریعے رائے عامہ کی ترجمانی کو خبروں کا حصہ بنائے۔

میں یہ بھی گزارش کرنا چاہوں گا کہ ان مضامین میں درج ذیل نکات کو نمایاں جگہ دی جائے:

① اسلام اور دیگر مذاہب اور اقوام کے مذہبی تہوار منانے کی اُصول مختلف ہیں۔
② عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہی مسلمانوں کی عیدیں ہیں، بسنت ہندوؤں کا تہوار ہے۔
③ بسنت کے دوران لہوولعب، رنگ رلیوں اور بے حیائی کے واقعات کی رپورٹیں
④ پتنگ بازی کے نتیجے میں ہونے والی اموات اور دیگر نقصانات کی نشاندہی
⑤ پتنگ بازی کی وجہ سے واپڈا کو پہنچنے والے نقصانات اور بجلی کی بندشوں کی وجہ سے عوام الناس کو پہنچنے والی تکالیف کا مفصل ذکر
⑥ بسنت کے نام پر ثقافتی لبرل ازم کو فروغ دینے میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کا کردار
⑦ بسنت کی سرکاری سرپرستی کے نقصانات کا ذکر

رفیعہ ناہید پاشا اور نوائے وقت کے ان تمام لکھنے والوں اور رپورٹروں کو ہم سلام پیش کرتے ہیں جو بسنت جیسے بے ہودہ تہوار کی مذمت اور حوصلہ شکنی کرنے کے لئے قلمی جہاد میں مصروف ہیں۔

محمد عطاء اللہ صدیقی

۹۹ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور

لاہور، ۲۵رفروری ۲۰۰۳ء

مکرمی جناب مجید نظامی صاحب

چیف ایڈیٹر، روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

ہم آپکے توسط سے ادارۂ نوائے وقت کے ان راست فکر افراد کو ہدیہ تبریک پیش کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے اس سال سرکاری سرپرستی میں منائے جانے والے ہندوانہ تہوار بسنت کے خلاف بھرپور قلمی جہاد کیا۔

'بسنت کیا ہے؟' کے عنوان سے بے حد فکر انگیز معلومات شائع کر کے نوائے وقت نے پاکستانی قوم کی فکری رہنمائی کا نہایت قابل تحسین فریضہ انجام دیا ہے۔ بسنت اور ویلنٹائن ڈے کے خلاف نوائے وقت کے خبروں کے صفحات اور اداریوں میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، وہ پاکستانی قوم کی نظریاتی اساس کی سچی ترجمانی کا درجہ رکھتی ہیں۔ نوائے وقت نے جو تاریخی حقائق پیش کئے ہیں، ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک ہٹ دھرم اور کج فکر شخص ہی یہ باور کرسکتا ہے کہ بسنت ہندوانہ تہوار نہیں ہے!!

نوائے وقت کی بروقت اصلاحی کاوشوں کے مثبت اثرات بہت جلد سامنے آنا شروع ہوگئے ہیں۔ راولپنڈی، گوجرانوالہ اور حافظ آباد کے ضلعی ناظمین نے باقاعدہ احکامات کے ذریعے بسنت کے تہوار پر پابندی عائد کی۔ عطاء الحق قاسمی صاحب جیسے دانشور جو بسنت کے تہوار کو منانے کی تبلیغ کرتے آئے ہیں، بالآخر اپنے کالموں میں برملا بسنت کے نام پر بیہودگی سے اپنی بیزاری کا اظہار کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں......!!

اسی طرح ویلنٹائن ڈے کی بیہودگی کا بھی نوائے وقت نے جس انداز سے محاکمہ کیا ہے، وہ بڑا قابل تعریف ہے۔ اگر نوائے وقت کی یہ فکری جدوجہد جاری رہی تو وہ وقت دور نہیں جب لاہور کے ضلعی ناظم بھی بسنت کے تہوار پر پابندی عائد کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ ادارۂ نوائے وقت نے جب اپنی بسنت تحریک کا آغاز کیا ہے تو ہم اس کے دست و بازو بننے میں فخر محسوس کریں گے۔ دیگر اخبارات سے وابستہ صحافیوں سے بھی ہماری گذارش ہے کہ وہ 'نوائے وقت' کی اس فکری تحریک میں قلمی شراکت کا فریضہ ادا کریں۔

حافظ حسن مدنی

مدیر ماہنامہ 'محدث' لاہور

لاہور، ۲۷/فروری ۲۰۰۱ء

محترم جناب چیف ایڈیٹر صاحب روزنامہ نوائے وقت لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

۲۶ فروری ۲۰۰۱ء کے نوائے وقت میں 'بسنت میلہ' کے عنوان سے جناب سعد اللہ شاہ کا کالم شائع ہوا ہے جس میں اُنہوں نے بسنت میلہ کو حکومت کا بڑا کارنامہ قرار دیا ہے۔ سعد اللہ شاہ نے تحریر کیا ہے:

''ویسے یہ تاثر بھی باطل ہے، جشن بسنت جسے جشن بہاراں کا نام دیا جاتا ہے، کوئی ہندوانہ تہوار ہے۔ اگر ہے بھی تو اچھی چیز اپنانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اچھی چیز جہاں سے ملے لے لینی چاہئے۔''

وہ لکھتے ہیں: ''بسنت کی افادیت اور اہمیت اپنی جگہ اٹل ہے۔ بسنت کے فوائد اور ثمرات ان گنت ہیں۔'' ان کے خیال میں بسنت میلہ میں مغربی سفارتکاروں کی شرکت سے پاکستان کے خلاف بنیاد پرستی کا الزام لگنے کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں: ''ہم بسنت بازی سے وہ نتائج حاصل کر سکتے ہیں جو ایٹم بم سے بھی حاصل نہیں کئے جاسکتے۔''

جناب سعد اللہ شاہ صاحب کے خیالات سے اتفاق ممکن نہیں ہے۔ یومِ بسنت کے موقع پر درجنوں اموات واقع ہوئی ہیں اور سینکڑوں لوگ مجروح ہوئے ہیں۔ بجلی کے نظام کے بار بار معطل ہونے کی وجہ سے شہریوں کو شدید اذیت سے گزرنا پڑا۔ ایک افاقہ زدہ اور مقروض قوم کے اربوں روپے فضول شوق میں لوٹا دیے گئے۔ بسنت کے نام پر لہو و لعب، رقص و سرود، شراب نوشی اور بداخلاقی کی مکروہ صورتیں دیکھنے میں آئیں۔ بسنت کے موقع پر طبقہ امرا ہی حقیقی معنوں میں 'تفریح' سے لطف اندوز ہوا ہے، غریبوں کے بچے تو پتنگ لوٹنے سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے۔

سعد اللہ شاہ صاحب اس سے پہلے بھی اپنے کالم میں بسنت کے حق میں اظہارِ خیال کر چکے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے پہلے کالم میں لکھا تھا کہ وہ پتنگ بازی کے خلاف تھے مگر عوام کی رائے کے سامنے انہوں نے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔ ہماری ان سے گزارش ہے کہ دانشور عوامی سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح نہیں بہتے بلکہ وہ ایک مضبوط فکری چٹان بن کر ایسے سیلابوں کا رخ موڑ دیتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا: گر زمانہ بہ تو نمی سازد تو بہ زمانہ ستیز ''یعنی اگر زمانہ تیرا نہیں بنتا تو تو زمانہ سے ٹکرا جا......'' نوائے وقت نے اپنے ادارتی شذرات میں بسنت کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے سعد اللہ شاہ صاحب پر اس کا رتی بھر اثر نہیں ہوا۔ والسلام

محمد عطاء اللہ صدیقی

لاہور، ۴/اپریل ۲۰۰۳ء

محترم مجیب الرحمٰن شامی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سے غائبانہ تعارف تو پہلے ہی تھا، چند روز پہلے شرفِ مخاطبت بھی بالآخر میسر آ گیا جب آپ سارہ ہسپتال میں ایک ادبی ریفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ بطورِ صحافی اور اہل قلم کے، میں آپ سے اس وقت سے متعارف ہوں جب آپ بھٹو آمریت کے خلاف قلمی مجاہدین کے ہراول دستہ میں شامل تھے۔ واقفیت اور تعارف جیسے الفاظ شاید اس وابستگی اور پسندیدگی کے لئے ناکافی ہیں جو میں آپ کی نگارشات کو پڑھ کر اپنے دل میں محسوس کرتا رہا ہوں۔ میں کسی احساسِ انانیت میں مبتلا ہوئے بغیر بلا تکلف اس کے لئے 'عقیدت' کا لفظ استعمال کروں تو شاید زیادہ مناسب ہوگا۔ لیکن یہ 'عقیدت' بہرحال اس 'شامی صاحب' کے لئے ہے جسے میں ستر اور اسی کی دہائی میں دیکھتا رہا ہوں۔ آپ کے متعلق سوے ظن تو نہیں البتہ کچھ ذہنی تحفظات کا شکار بھی ہوں۔ ابھی چند ہفتے پہلے 'پاکستان' میں آپ کی طرف سے تحریر کردہ 'بسنت اور جشن بہاراں' کے متعلق اداریہ پڑھ کر تو وقت یاس بھی رہا کہ آپ کے قلم سے یہ کیسی تحریر وارد ہوئی۔ اس کا جواب بھی لکھا مگر ارسال نہیں کیا کہ مروّت اجازت نہیں دیتی تھی کہ آپ کے طویل 'قلمی جہاد' کو نظر انداز کر کے محض ایک اداریے پر مغلوبِ غضب ہو یا جائے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں ابھی تک ستر اور اسی کی دہائی کے ذہنی ماحول اور فکری جغرافیہ سے باہر نکل نہیں سکا اور میرے ذہنی تحفظات کا اصل سرچشمہ بھی شاید میری یہی 'کوتاہی' ہے۔ اگر آپ لوگ عصری حقائق کے پیش نظر کچھ آگے بڑھ گئے ہیں تو آپ کو موردِ الزام ٹھہرانا شاید قرین انصاف نہ ہوگا......!!

۲۱/ مارچ کے 'پاکستان' میں آپ کا یہ بیان ''کوئی طاقت پاکستان کے دستور سے اسلام کو خارج نہیں کرسکتی۔'' نظر سے گذرا تو محسوس ہوا جیسے ۱۹۷۰ء کا مجیب الرحمٰن شامی ایک دفعہ پھر منظرعام پر آ گیا ہے۔ آپ کا یہ بیان بے حد ولولہ انگیز اور ایمان افروز ہے۔ لادینیت پسندوں کے جلسے میں ان کے مہمان ہونے کے باوجود آپ نے جس حریتِ فکر، حمیتِ اسلامی

اور قومی غیرت کا اظہار کیا، وہ انتہائی قابل ستائش ہے۔ اس معاملے میں آپ ارشاد احمد حقانی صاحب کے مقابلے میں بہت آگے ہیں۔ اسی دن ان کا بھی ایک تقریب کے حوالہ سے بیان چھپا جس میں انہوں نے نظریۂ پاکستان کے متعلق ابہام آمیز خطاب کیا۔ ان کی تقریر مصلحت کوشی کا افسوسناک مرقع تھی۔ آپ کا مذکورہ بیان جہاں دینی حمیت کا عظیم الشان مظہر تھا، وہاں طبقہ ملاحدہ اور لادینیت پسندوں کے اس بدبخت گروہ کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ بھی تھا جو اس ملک کی نظریاتی اساس کو تباہ کرنے کے درپے ہے۔ یہ محض آپ کی آواز نہیں تھی، آپ نے وطن عزیز کے کروڑوں اسلام پسند اہل وطن کے حقیقی جذبات کی ترجمانی کا فریضہ ادا کیا۔ بین الاقوامی اور قومی سطح پر رونما ہونے والی معروضی تبدیلیوں کے نتیجہ میں سیکولرازم پاکستان میں حقیقی خطرہ کی صورت میں دستک دے رہا ہے۔ اگر آج جرأت مندی سے اس فکری گمراہی کے سیلاب کے سامنے مضبوط بند نہ باندھا گیا تو پھر پاکستان میں دین اسلام کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جس کا نقشہ گذشتہ ۸۰ برسوں میں ترکی میں نظر آیا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ محبّ ِوطن، اسلام پسند اہل قلم اس خطرے کا ادراک کرتے ہوئے سیکولر بزدلوں کے خلاف ایسی مہم برپا کریں کہ انہیں اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والی اس مملکت ِخداداد میں اسلام کے خلاف جسارت آمیز زبان درازیوں کا حوصلہ نہ ہوسکے۔ مجھے اعتماد ہے کہ آپ اور آپ کی ادارت میں شائع ہونے والا روزنامہ 'پاکستان' اس سلسلے میں قائدانہ کردار ادا کرسکتا ہے۔

چند کتابچے آپ کی خدمت میں ارسال کررہا ہوں، اگر یہ آپ کے نہایت قیمتی وقت میں سے چند لمحات کے مستحق سمجھے جائیں تو اس علمی فیاضی کو باعث ِسعادت سمجھوں گا۔

محمد عطاء اللہ صدیقی

۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن لاہور

لاہور، ۲۸؍فروری ۲۰۰۳ء

مکرمی جناب میر شکیل الرحمٰن

گروپ چیف ایگزیکٹیو روزنامہ 'جنگ' آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

میں اپنی اور اپنے گروپ سے وابستہ سینکڑوں افراد کی نمائندگی کرتے ہوئے ویلنٹائن ڈے کے متعلق جنگ کی پالیسی کے بارے میں اپنا احتجاج ریکارڈ کرانا چاہتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میری ان معروضات کو خندہ پیشانی سے دیکھیں گے اور اسے آپ آزادیٔ اظہار اور صحافت پر حملہ قرار نہیں دیں گے۔

مکرمی! روزنامہ 'جنگ' بلا شبہ پاکستان کا کثیرالاشاعت اخبار ہے اور پاکستان کے معروف اور انتہائی قابل صحافیوں کی ایک بڑی تعداد اس سے وابستہ ہے۔ روزنامہ 'جنگ' کے قارئین کا دائرہ بھی بلاشبہ بے حد وسیع ہے۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ رائے عامہ کے تمام طبقات کی آرا کو اہمیت دیتے ہیں۔ مگر روزنامہ 'جنگ' کے ایک مستقل قاری کی حیثیت سے میرا تاثر یہ ہے کہ آپ نام نہاد ماڈرن، سیکولر اور مغرب زدہ طبقے کو اس کی عددی حیثیت کے تناسب سے بہت زیادہ حیثیت دیتے ہیں۔ میرے اس دعویٰ کا ناقابل تردید ثبوت روزنامہ 'جنگ' کی جانب سے ویلنٹائن ڈے کے متعلق خبروں کی بے ہودہ عشقیہ پیغامات کی بے جا اشاعت ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہے کہ وہ سینکڑوں لڑکے اور لڑکیاں اور خواتین و حضرات جن کے ویلنٹائن پیغامات کو آپ نے ۱۶؍فروری ۲۰۰۳ء کے جنگ میں شائع کیا ہے، وہ اس نام نہاد مغربی تہوار کے صحیح پس منظر سے واقف بھی ہیں یا نہیں۔ لیکن میرے لئے یہ فرض کرنا مشکل ہے کہ دنیا جہاں کی معلومات رکھنے والے صحافی حضرات بھی ویلنٹائن ڈے کے پس منظر کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ علم رکھنے کے باوجود ویلنٹائن ڈے کے فروغ کے لئے ان کا روزنامہ 'جنگ' جیسے قومی اخبار کے صفحات کو استعمال کرنا نہایت قابل افسوس ہے۔ صحافت جیسے مقدس پیشے وابستہ باشعور طبقہ اگر مغربی تہذیب بیہودگی کو ایک قومی تہوار کی حیثیت سے پیش کرے تو اسے ہمارے قومی حکمت و دانش کا ایک المیہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

جناب میر شکیل الرحمٰن صاحب! آپ روزنامہ 'جنگ' کے مالک ہیں۔ خدا نے آپ کو عزت، شہرت اور دولت غرض ہر دنیاوی نعمت سے نوازا ہے۔ بنیادی طور پر یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ کے اخبار میں جو کچھ شائع ہوتا ہے، اس سے ہمارے معاشرے پر اچھے یا برے اثرات کا آپ تجزیہ کریں۔ آپ غالباً اختلاف نہیں کریں گے کہ ویلنٹائن ڈے یورپ میں جنسی آوارگی کو پروان چڑھانے کا ذریعہ ہے۔ یہ تہوار ہماری اسلامی اور معاشرتی اقدار سے متصادم ہے۔ آج نہیں تو کل جب آپ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو آپ ہر مسلمان کی طرح جواب دہی کے مرحلے سے گزرنا پڑے گا۔ روزنامہ 'جنگ' کی پالیسیوں کی وجہ سے اگر اخلاق تباہ ہوتا ہے تو آپ اپنے آپ کو اس سے بریٔ الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔ ہمارے پاس نہ تو وسائل ہیں اور نہ ہی قانون کی وہ طاقت کہ جو بیہودگی کو فروغ دینے والی ایسی سرگرمیوں کا مواخذہ کرسکے ہم تو آپ کی خدمت میں ایک اخلاقی درخواست ہی پیش کرسکتے ہیں کہ آپ روزنامہ 'جنگ' کے صفحات کو ویلنٹائن ڈے کے پیغامات اور بے ہودہ خبروں سے آلودہ کرنے کی اجازت نہ دیں۔ ہمیں ان شوہروں اور بیویوں کی ناقص سوچ پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو اپنے درمیان پیار ومحبت کے پیغامات کی ترسیل کے لئے ویلنٹائن ڈے جیسے لفنگے اور بدمعاش عاشقوں کے دن کو ذریعہ بناتے ہیں۔ اگر کسی دن کی مناسبت سے خلوص اور محبت کو دوسروں تک پہچانا ہے تو مسلمانوں کے لئے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے ایام ہی مناسب ہیں، کاش روزنامہ 'جنگ' پاکستانی قوم میں اس طرح کا مثبت شعور پیدا کرسکتا۔

میں آپ کی خدمت میں ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے تحریر کردہ اپنے دو مضامین ارسال کررہا ہوں۔ براہِ کرم اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ لمحات ان کو پڑھنے کے لئے ضرور نکالیں۔ اگر ممکن ہو تو اگلے سال ویلنٹائن ڈے کے موقع پر ان کو شائع بھی کردیں۔

محمد عطاء اللہ صدیقی
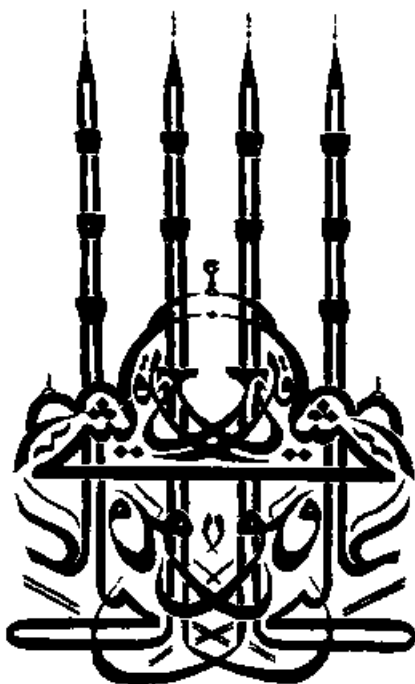
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

﴿إِنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

J-99 ماڈل ٹاؤن لاہور 54700
فون:5866396,5866476,5839404